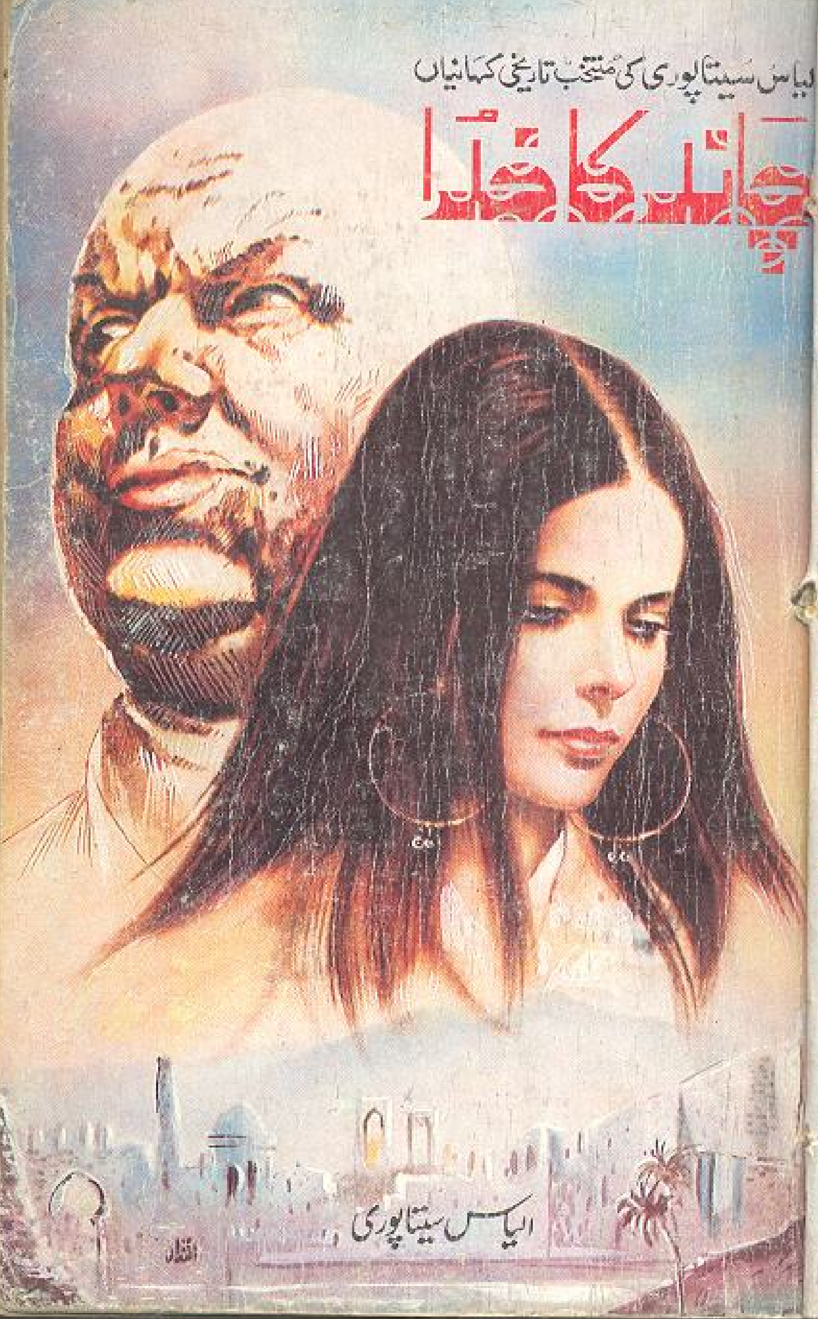
الیاس سیتاپوری کی منتخب تاریخی کہانیاں
چاند کا ٹکڑا
الیاس سیتاپوری

تلاشِ حق

۱۳

ایک نوجوان صوفی نے ملوکیت کے جبر و تشدد سے دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ حق کیا ہے اور کہاں ہے؟ اس فکر اور جستجو میں اس کو نہایت تلخ تجربات سے گزرنا پڑا۔ اس نے مسیحیت کے دامن میں پناہ لینی چاہی تو عورت تھیں اور ترکِ دنیا راہبوں نے اس کو بتایا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے۔ وہ وہاں سے غیر مطمئن اور دل برداشتہ اسلام کی طرف واپس آیا تو معلوم ہوا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ بے چارہ صوفی اثبات و نفی کے دوراہے پر تماشا بن گیا۔ پھر ملوکیت نے ایک حسین عورت کو بلا کر اس درویش کے ساتھ ایک دلچسپ مگر عبرت انگیز مذاق کیا۔ ان واقعات کو جب الیاس سیتاپوری کے جادو نگار قلم نے داستان کی شکل میں کاغذ پر منتقل کیا تو ایک حسین اور لازوال کہانی وجود میں آ گئی

لہو کا چراغ

۸۳

اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں جب انگریز تاجروں نے ہندوستان کے حکمران بننے کا خواب دیکھنا شروع کیا تو ان کا پہلا شکار نواب سراج الدولہ ہوا۔ اس نوجوان اور ناتجربہ کار نواب کو زیر کرنے کے لیے سفید فام بدیسی تاجروں نے کون کون سے حربے استعمال کیے، بدگمانیوں اور بیگماتوں کی سرد مہریوں اور قہرمانیوں کی خوبصورت کہانی۔ سرتاپا تجسس اور از اول تا آخر قلم کی جادوگری کا شاہکار مرقع۔ اس عہد کے تہذیب و تمدن کی ایک خوبصورت تصویر۔ وہ سب کچھ جو ایک قاری ایک کہانی میں چاہتا ہے

داستانِ سرخ

۱۳۱

تاریخ اسلام کے ظالم و جابر حجاج بن یوسف کی شخصی تصویر۔ اس کا نام خوف اور دہشت کا پیغام تھا۔ بڑے بڑے سرکشوں اور بہادروں کو لرزہ براندام کر دینے والے سفاک مدبر کا جب ایک عورت سے واسطہ پڑا اور یہ پتھر آبگینے سے ٹکرایا تو پتھر پاش پاش ہو گیا۔ دہشت، خوف، تجسس اور رومان کا ایک خوبصورت ترین امتزاج۔

چاند کا خدا

۱۸۳

مہدی عباسی کے عہد کی داستان فتنہ و فساد

اس نے الوہیت کا دعوے کیا اور اپنے آس پاس سادہ لوح معتقدین کا ایک شہر آباد کر دیا۔ پھر اس شہر کے لیے اس نے چاند تخلیق کیا۔ جو ہر روز شام کو طلوع ہو کر صبح غروب ہو جاتا

دلچسپ اور حیرت انگیز تاریخی داستان، ایک اور حسن و عشق کے ساتھ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

راہبوں نے اس کو بتایا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے۔ وہ وہاں سے غیر مطمئن اور دل برداشتہ اسلام کی طرف واپس آیا تو معلوم ہوا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ بے چارہ صوفی اثبات اور نفی کے دوراہے پر تماشا بن گیا۔ پھر ملوکیت نے ایک حسین عورت کو ملا کر اس درویش کے ساتھ ایک دلچسپ مگر عبرت انگیز عملی مذاق کیا ان واقعات کو جب الیاس سیتاپوری کے جادو نگار قلم نے داستان کی شکل میں کاغذ پر منتقل کیا تو ایک حسین اور لازوال کہانی وجود میں آ گئی

شیبان نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی، وہ بڑے خون خرابے اور جبر و تشدد کا ماحول تھا، اس کا خاندان بنو امیہ کی خدمت کرتا چلا آیا تھا۔ دادا، نانا، چچا باوا میں سے ہر ایک نے خلفائے بنو امیہ کی نوکری کی تھی، اور ان میں سے ہر ایک نے خاصی دولت بھی کمائی تھی، ہر ایک کا اثر و رسوخ بھی بہت زیادہ تھا اور ہر ایک کو معاشرے میں عزت اور احترام کا ایک خاص مقام بھی حاصل رہا تھا، لیکن ان عزت افزائیوں کے پیچھے ایک المیہ بھی مستقل کارفرما تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے تمام نامی گرامی بزرگ اپنی طبعی موت نہیں مرے تھے بلکہ انہیں مختلف اوقات میں اور مختلف الزامات میں قتل کر دیا گیا تھا، خلفا کے اردگرد خوشامدی، حاسد، زمانہ ساز، موقع پرست اور سفاک امرا ہمیشہ اور ہر وقت اس تاک میں رہتے کہ کب کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے اور وہ اپنے حریف امرا کو ٹھکانے لگوا دیں، معتوب امرا کو نہ صرف قتل کر دیا جاتا بلکہ جرمانے کے نام پر ان سے گراں قدر اور خطیر رقمیں بھی حاصل کی جاتیں، ان کی جائیداد اور اثاثے بحق خلافت ضبط کر لئے جاتے اور بعض حالتوں میں ان کے پسماندگان کو روٹیوں تک کے لالے پڑ جاتے۔ شیبان نے ہوش سنبھالنے کے بعد یہی روح فرسا مناظر دیکھے اور سنے تھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ بار بار اس کے عزیزوں رشتے داروں نے دربار سے اعلیٰ عہدے اور مناصب حاصل کر کے خوشیاں منائی تھیں اور ان گھروں سے خوشیوں اور شادمانیوں کے قہقہے گونجتے سنے تھے لیکن بعد میں انہی گھروں سے نالہ و شیون اور گریہ و بکا کی صدائیں بھی سنی تھیں۔ وہ اپنے سینے میں ایک حساس دل رکھتا تھا، چنانچہ جوان ہوتے ہوتے دربار اور خلافت کے نام سے اسے خوف آنے لگا، اس کا باپ سعید خلافت کے مالی منصب پر فائز تھا، لیکن کسی بھول چوک کے جرم میں اسے نہ صرف ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا بلکہ قتل بھی کر دیا گیا اور دس ہزار دینار جرمانے کے نام پر بھی وصول کر لئے گئے۔ باپ

کے قتل کے بعد شیبان کے پاؤں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ گھر میں جو کچھ باقی بچا تھا، اس سے دو ڈیڑھ سال کا خرچ چل گیا۔ دربارِ خلافت کے بلاوے کے پیغام کے ساتھ اسے حکم ملا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے باپ کی جگہ حاصل کرلے۔ گھر میں بوڑھی ماں کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، اس لئے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ خلافت کی ملازمت نہیں کرے گا۔ ماں نے ہمت بندھائی کہ جس موت سے وہ خوفزدہ ہے وہ ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی طرح آتی ہی ہے اس لئے اس سے خوفزدہ ہوکر جاہ و منصب سے منہ پھیرنا کم ہمتی اور بزدلی ہے لیکن ماں کی نصیحتوں کا شیبان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ دمشق کے شمال مغرب میں پھیلے ہوئے اس پہاڑی سلسلے میں چلا گیا جو جبالِ لبنان کہلاتے ہیں اور جو جنوب مشرق میں مکے سے شروع ہوکر مدینے سے گزر کر فلسطین اور شام کو پیچھے چھوڑتے ایشیائے کوچک میں داخل ہوگئے ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں میں وہ لوگ آباد تھے جنہیں دنیا پسند نہیں آئی تھی اور جو دنیا کی کثافتوں اور غلاظتوں سے تنگ آکر روحانی جلا اور سکون کی خاطر پہاڑی غاروں میں جا چھپے تھے۔ ان تارک الدنیا لوگوں میں مسلمان، مسیحی اور پارسی بھی شامل تھے۔ شیبان درویش بن گیا اور فقر و فاقے کی زندگی اختیار کی۔ یہاں غاروں کے علاوہ ویران مگر سرسبز و شاداب پہاڑی ڈھلانوں اور مسطح حصوں میں سرکی اور اور لکڑی کی کٹیا بنی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ مسیحی راہبوں اور گوشہ نشینوں نے پتھر کے ٹکڑوں کو تلے اوپر رکھ کر حجرے اور خانقاہیں تعمیر کرلی تھیں اور ان میں مضبوط دروازے لگا کر بہت محفوظ کرلیا تھا۔ خانقاہوں کے دروازے اتنے مضبوط تھے کہ اگر ان کو اندر سے بند کرلیا جاتا تو باہر کا آدمی کسی طرح اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔

شیبان درویشوں اور گوشہ نشینوں کی اس کوہستانی بستی میں کسی ایسے درویش کی تلاش میں تھا، جو روحانی کمالات میں یکتا اور بقیہ دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔ یہاں اس نے مذہب و ملت کی قید بھی ختم کردی تھی اور وہ ہر اس درویش کی مریدی اختیار کرنے پر آمادہ تھا جو اس کے قلب اور روح کو مطمئن کردے۔ وہ مسلمان فقراء سے ملا اور ان کے اردگرد مریدوں کا ہجوم دیکھ کر بہت مایوس ہوا، اس ہجوم میں مرد بھی ہوتے اور عورتیں بھی۔ شیبان ان فقراء سے بہت مایوس ہوا اور اس نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کیسے تارک الدنیا ہیں جن کے آس پاس دنیا کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ ان فقراء کا کہنا ہے کہ وہ کائنات کی ہر شے میں نورِ الٰہی دیکھ رہے ہیں، اس لئے وہ دنیا کو ترک کردینے کے باوجود اس نور کے اس پرتو سے جو مخلوق کہلاتی ہے، منہ نہیں موڑ سکتے۔ شیبان نے بعض فقراء کو عورتوں کی طرف راغب دیکھا

تو اس کا ان سے دل بیزار ہوگیا اور وہ پارسی فقراء کی طرف چلا گیا، ان فقراء نے اسے بتایا کہ پوری کائنات میں ازل سے دو طاقتیں برسرِ پیکار ہیں، ان میں سے ایک نور ہے اور دوسری تاریکی وہ نور کو یزداں اور تاریکی کو اہرمن کہتے تھے۔ پارسی فقراء کی بنیادی تعلیم نے اسے بہت مایوس اور دل برداشتہ کردیا۔ اس نے ایک معزز اور ٹھیٹ مسلم گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور خدا کی آخری کتاب میں یہ پڑھا تھا کہ اللہ نور السمٰوات والارض واللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے، اور اس نور کو کائنات کی سب سے اعلیٰ و ارفع ذات اور قوت قرار دیا گیا تھا، اس ذات کے علاوہ ایک دوسری ذات بھی تھی جسے ابلیس کہا جاتا تھا۔ اور جو اس بڑی اور سب سے زیادہ طاقت ور ذات کا ملعون، مقہور اور معتوب تھا۔ لہٰذا ابلیس کو خدا کا ہم پلہ قرار دینا عقل اور عقیدے کے فتور کے سوا کچھ اور نہیں قرار دیا جاسکتا، وہ پارسی فقراء سے بھی بدگمان ہوگیا اور مسیحی خانقاہوں کا رخ کیا۔ وہ ایک بے ڈول بے ڈھنگی سی خانقاہ کے دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ یہ خانقاہ اندر سے بند تھی اس نے کئی جھریوں اور درزوں سے جب جھانکنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ ان جھریوں اور درزوں کو کپڑے کے چیتھڑوں اور درختوں کی چھالوں سے بند کردیا گیا ہے جس سے اندر کی کوئی چیز دیکھی نہیں جاسکتی تھی۔ جب وہ اندر کا کچھ دیکھ نہیں سکا تو مجبوراً آہستہ آہستہ دروازے کو تھپتھپایا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا کچھ دیر بعد کسی نے ایک جھری کو صاف کرکے اپنی ایک آنکھ اس پر لگادی۔ شیبان نے پھر دستک دی اندر سے کسی نے پوچھا۔ "کون ہے اور یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں حق کا متلاشی ہوں اور روحانی سکون کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

اندر سے پھر کسی نے سوال کیا۔ "تیرے ساتھ کوئی عورت تو نہیں ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ نہ تو کوئی عورت ہے نہ مرد، میں تنہا ہوں؟"

اندر سے ہدایت ملی۔ "دروازے کے داہنی طرف دیوار پر کچھ لکھا ہوا ہے، کیا تو نے اسے پڑھ لیا؟ اور یہ بتا کہ تو اس سے کس حد تک متفق ہے؟"

شیبان نے داہنی طرف کی دیوار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "میں نے وہ عبارت نہیں پڑھی، ابھی پڑھ کر بتاتا ہوں کہ میں اس سے کس حد تک متفق ہوں؟"

شیبان نے دیکھا داہنی طرف دیوار کے ایک پتھر پر کندہ تھا۔

"راہبو! حذر کرو! دو چیزوں کی قربت سے، ایک عورتوں سے دوسرے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

پادریوں سے۔"

اس نے دروازے کو تھپتھپا کر جواب دیا۔ "محترم راہب! نہ تو میں عورت ہوں اور نہ ہی پادری، مجھے تو اندر آنے دیجئے۔"

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا اور شیبان کا ایک چالیس بیالیس سالہ راہب نے افسردگی سے استقبال کیا، بولا۔ "فوراً اندر آجاؤ تاکہ میں خانقاہ کے دروازے اندر سے بند کرلوں۔"

شیبان جیسے ہی اندر داخل ہوا، راہب نے دروازے بند کرلئے۔

خانقاہ کی فضا عجیب سیلی سیلی سی تھی۔ چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ سے شیبان کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ راہب کے پیچھے چلتا ہوا خانقاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ یہ کوئی کشادہ جگہ نہیں تھی تقریباً تیس فٹ چوڑی اور چالیس ہاتھ لمبی خانقاہ کے ایک طاق میں زیتون کے تیل کا چراغ روشن تھا، چھت کے بیچ میں لمبائی سے دو موٹی بلیاں رکھ کر ان پر دونوں طرف ڈھلوان لکڑیاں بچھا کر گھاس پھوس سے پاٹ دیا گیا تھا۔ پٹائی اتنے بے ڈھنگے انداز سے کی گئی تھی کہ کہیں کہیں سے آسمان صاف دکھائی دیتا تھا۔ کونے میں عود دان سے دھواں اٹھ رہا تھا، جس سے خانقاہ کی فضا روحانی اور پراسرار سی ہو گئی تھی۔ سامنے کی دیوار پر چند تصویریں بنی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک میں حضرت مریم اپنے بیٹے کو گود میں لئے ہوئے بڑی محبت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ دوسری میں حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ ان تصویروں کے سامنے ایک اور شخص سجدے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساکن و صامت ہونے کی وجہ سے شیبان کو یہ شبہ گزرا کہ شاید وہ سو گیا ہو۔

راہب نے شیبان کے لئے ایک صاف ستھری مگر بوسیدہ سی چادر بچھا دی اور اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پوچھا۔ "بیٹھ جا میرے بچے اور بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

شیبان نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "محترم راہب! میں سکون کی تلاش میں آوارہ سرگرداں رہا ہوں، میں مسلمان فقراء کے حجروں میں گیا لیکن وہاں عورتوں اور مریدوں کا ہجوم دیکھا کہ ترک دنیا کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آیا۔ وہاں سے مجوسیوں کے خلوت کدوں میں گیا اور ان کے عقیدے کی اس بات نے بیزار اور برگشتہ کردیا کہ یزداں کے مقابل ایک اہرمن بھی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ مقدس راہب! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس دنیا اور اس کائنات میں کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو خدا کی مد مقابل یا ہم پلہ ہو۔"

راہب نے پوچھا۔ "پھر تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں ایک غمزدہ انسان ہوں اور سکون کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، کیا یہاں، اس خانقاہ میں میری روحانی تربیت ہو سکتی ہے؟"

راہب کے افسردہ اور اداس چہرے پر مسکراہٹ سے تازگی پیدا ہو گئی، بولا۔ "کیوں نہیں میرے بچے! ہم سب روحانی سکون کے متلاشی ہیں، جو ڈھونڈے گا ضرور پائے۔" پھر پوچھا۔ "تجھے بھوک تو نہیں لگ رہی ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔"

دوسرے راہب نے سجدے سے سر اٹھایا اور شیبان سے اس طرح مزاج پرسی کی گویا دونوں ایک دوسرے سے بہت عرصے سے واقف ہیں۔ ان دونوں نے شیبان سے اس وقت تفصیلی بات نہیں کی بلکہ اس پر آمادہ کیا کہ وہ دونوں کے ساتھ کچھ عرصے رہے۔ اسے خود ہی محسوس ہونے لگے گا کہ یہاں سکون ہی سکون ہے۔ اور ترک آرزو اور ترک خوشی ہی سے طمانیت اور سکون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

شیبان ان دونوں کے ساتھ رہنے لگا۔ ان دونوں کے پاس کبھی کبھی نواحی بستیوں کے وہ بھولے بھالے کاشتکار اور باغبان آجاتے جن کی نظر میں یہ دونوں بہت ہی مقدس اور مافوق تعظیم تھے۔ یہ لوگ آتے تو اپنے ساتھ غلّہ، سبزیاں اور پھل وغیرہ بھی لاتے۔ یہ دونوں انہی کاشتکاروں اور باغبانوں کے رحم و کرم پر زندہ تھے۔

اس ویران اور اجاڑ خانقاہ میں رہ کر شیبان بہت جلد بیزار ہو گیا۔ یہاں اسے ہر وقت یہی تعلیم دی جاتی کہ عورت معصیت کی جڑ ہے اور اس پر نظر ڈالنے سے بھی آدمی گناہگار ہو جاتا ہے۔ شیبان کی بے چین اور متجسس طبیعت ان دونوں کی اس تعلیم سے مطمئن نہیں ہوئی کہ کوئی شخص عورت کو محض دیکھ کر ہی گناہگار ہو سکتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا تو ہو گیا تھا مگر اس نے ان دونوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ابھی تک ان دونوں راہبوں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اسلام ترک کردے لیکن ان کے ذہنوں میں یہ بات موجود ضرور تھی کہ شیبان کو دائرۂ اسلام سے نکال کر حلقۂ مسیحیت میں داخل کرلیا جائے۔ وہ دونوں ایک ایسے موقع کی تلاش میں تھے جب وہ شیبان سے مسیحیت اور اسلام پر بات کریں۔

شیبان کا جب کبھی دل گھبراتا تو وہ خانقاہ سے نکل کر اونچی نیچی سرسبز پہاڑیوں میں نکل جاتا اور حسین قدرتی مناظر سے دل بہلاتا رہتا۔ اسے ہر چیز میں خالق حقیقی کا عکس نظر آتا۔ کبھی کبھی اپنی ماں کا خیال بھی آجاتا۔ اور اس خیال کے ساتھ ہی جب اسے اپنے بزرگ راہبوں کا یہ قول یاد آتا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے اور اس پر نظر ڈالنے سے بھی آدمی گناہگار ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس خانقاہ سے بھی بیزار ہو جاتا۔ وہ سوچتا آخر ماں بھی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

تو عورت ہی ہوتی ہے۔ کیا ماں کو دیکھنا بھی انسان کو گناہگار کر سکتا ہے؟ ابھی وہ اسی ادھیڑ
میں تھا کہ اسے ایک بوڑھی عورت اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ شیبان نے اس پر ایک نگاہ
انداز ڈال کر اپنی راہ لینا چاہی لیکن عورت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ شیبان کھڑ
گیا اور ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔

بوڑھی عورت ہانپتی کانپتی اس کے پاس پہنچ گئی اور پوچھا۔ "بیٹے! کیا تم یہیں کہیں رہتے ہو؟"

شیبان نے جواب دیا "ہاں میں یہیں رہتا ہوں، مجھ سے کوئی کام؟"

بڑی بی نے کہا۔ "سنتی ہوں یہاں کے غاروں اور خانقاہوں میں ہر ملت
کے درویش رہتے ہیں کیا یہ خبر درست ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "خبر تو درست ہے لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ
مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہی ہیں؟"

بڑی بی نے کہا۔ "بیٹے میں حلب سے آئی ہوں، کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہاں
ایسی خانقاہ یا غار بھی ہے جہاں زاہدان شب بیدار یا تارکان دنیا پناہ لیتے ہوں۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں، یہاں ایسی کوئی ایک جگہ تھوڑی ہے، کئی
اور یہاں مذہب و ملت کی بھی کوئی تخصیص نہیں جس کا جی چاہتا ہے دنیا کو لات مار کے
یہاں چلا آتا ہے۔"

بڑی بی کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور ان کی کپکپاہٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ
میں طویل مسافت نے انہیں تھکا دیا ہے۔ بڑی بی نے اپنے آنسو پونچھے اور بھرائی
آواز میں پوچھا۔ "کیا یہاں ایسے دو راہب بھی رہتے ہیں جن کی عمریں چالیس اور
سال کے اندر اندر ہوں اور دونوں آپس میں بھائی بھائی بھی ہوں۔"

شیبان چونک پڑا، بڑی بی تو انہی دونوں راہبوں کو پوچھ رہی تھیں
کی خانقاہ میں وہ رہ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "ہاں میں ان دونوں سے واقف ہوں
میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں چھوٹے بھائی کا نام جان اور بڑے کا قلیپ ہے۔"

بڑی بی تڑپ گئیں، بے اختیار شیبان کا ہاتھ پکڑ لیا اور عاجزی سے کہا۔ "
بچے! بیشک میں انہی دونوں کو تلاش کر رہی ہوں، وہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور
کے شوق میں بیس سال پہلے گھر سے نکل بھاگے تھے۔"

شیبان کو بڑی بی کی باتوں پر یقین نہیں آیا، پوچھا۔ "کیا وہ دونوں

کے بیٹے ہیں؟"

بڑی بی نے اسی والہانہ انداز میں جواب دیا۔ "میرے بچے! یسوع مسیح تیری
ماں کو میرے جیسے دکھ سے معاف رکھیں، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں، میں ان
دونوں کو بیس سال سے تلاش کر رہی ہوں اور ان کی تلاش میں، میں نے کہاں کہاں کی خاک
نہیں چھانی ہے، میں مرنے سے پہلے ان دونوں کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہتی تھی، مسیح
نے میری دعا قبول کر لی۔"

شیبان کو بڑی بی پر رحم آیا، اس نے بڑی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں سہارا
دیئے ہوئے خانقاہ کی طرف لے چلا۔

کچھ دیر بعد وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو بے اختیار دستک دینے لگا، اس
کا خیال تھا کہ دونوں راہب بیس سال بعد اپنی ماں کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور
شیبان کے شکر گزار ہوں گے، لیکن حسب دستور ذرا دیر بعد اندر سے چھوٹے بھائی، جان
کی آواز سنائی دی وہ پوچھ رہا تھا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں ہوں شیبان، دروازہ کھولئے اور دیکھئے آپ دونوں
ماں کے پاس کون آیا ہے؟"

جان نے دروازہ کھول دیا لیکن شیبان کے ساتھ ایک بوڑھی عورت کو کھڑا دیکھ
کر دروازے کو فوراً بند کر لیا۔ اب بڑی بی بھی ضبط نہ کر سکیں، انہوں نے اپنے بیٹے جان کی ایک
جھلک دیکھ کر یوں محسوس کیا تھا، گویا کسی کسان کے پیاسے کھیت پر سے سیاہ بادل کا کوئی
ٹکڑا بغیر برسے ہی گزر گیا ہو۔ ماں نے زور زور سے دروازہ پیٹ ڈالا اور روتے ہوئے کہا
"میرے بیٹے جان! میرے قلیپ! خدا کے لئے دروازہ کھول دو، دیکھو میں نے تم دونوں کے
لئے ایک جہان کی خاک چھانی ہے، اب مجھ پر رحم کرو اور تم دونوں مجھے جی بھر کے
دیکھ لینے دو۔"

اندر سے جان نے جواب دیا۔ "ماں! تم واپس جاؤ۔ ہم دونوں بھائی باہر نکل کر اپنی
بیس بائیس سالہ ریاضت کو تباہ و برباد نہیں کر سکتے۔"

ماں نے پھر عاجزی سے کہا۔ "میرے بچو! یہ کون ہے جو تمہیں باہر نکلنے سے روک
رہا ہے؟"

جان نے جواب دیا۔ "بجز مسیح کے کوئی نہیں۔ ماں تم واپس جاؤ اور میری بیس
سالہ ریاضت کو خاک میں نہ ملاؤ۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ماں کی حالتِ زار پر شیان کو بھی رحم آ گیا، ذرا ترشی سے پوچھا۔ "مقدس راہبو! یہ کیا بات ہے؟ کیا آپ دونوں اپنی ماں کو اس لئے نہیں دیکھ سکتے کہ ماں بھی عورت ہے اور عورت پر نظر ڈالنا معصیت میں داخل ہے۔"

اندر سے جان نے جواب دیا۔ "ہاں، ماں بھی عورت ہے، شیان! تو میری ماں کو راضی کر کے واپس کر دے اور اس سے کہہ دے کہ ہم دونوں بھائی اپنی جانیں تو دے سکتے ہیں لیکن ماں کی خاطر اپنی عبادت پر پانی نہیں پھیر سکتے۔"

شیان کا دل کھٹا ہو گیا، بولا۔ "میرے بزرگ راہبو! یہ آپ کا کیسا دین ہے جو آپ کے اور آپ کی ماں کے درمیان حدِ جدائی بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے آپ دونوں باہر نکلیے اور بیس سال مفارقت کی آگ میں جھلسی ہوئی صد درجہ لائق تعظیم ماں کو سینے سے لگائیے۔ یہ آپ دونوں کو ہو کیا گیا ہے؟"

اس بار جان کی جگہ فلپ کی آواز سنائی دی۔ اس نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "شیان! جب تو مذہب کی روح سے واقف نہیں تو پھر درمیان میں کیوں دخل دیتا ہے؟"

شیان نے ادب سے جواب دیا۔ "میرے بزرگ راہبو! میرا خیال ہے میں نے ابھی تک کوئی غلط بات نہیں کی ہے۔ خدا کے لئے اپنے فیصلے پر نظرثانی کیجیے اور اپنی ماں کو ان عورتوں میں نہ شامل کیجیے جن پر ایک نظر ڈالنا معصیت میں داخل ہے۔"

ماں نے شیان کو دھکا دے کر ایک طرف کر دیا اور دروازے کو زور زور سے پیٹتے ہوئے کہا۔ "میں کہتی ہوں دروازہ کھول دو۔ اگر تم دونوں نے اب بھی دروازہ نہ کھولا تو میں اپنے سر کی ٹکروں سے خود کو لہولہان کر لوں گی، پھر یا تو دروازہ کھلے گا یا میں مر جاؤں گی۔"

اندر سے فلپ نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "ہمیں اپنی ریاضت محبوب ہے۔ دروازہ نہیں کھلے گا۔"

شیان نے محسوس کیا فلپ بات پوری کر کے ہٹ گیا ہے۔

ماں نے دروازے سے سر ٹکرانا شروع کر دیا، جس سے پیشانی کی جلد جگہ جگہ سے پھٹنے لگی اور وہاں سے خون ابلنے، بہنے لگا۔ شیان نے چیخ کر دونوں بھائیوں سے درخواست کی۔ "میرے بزرگ راہبو! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؛ مسیح نے تو دل آزاری سے منع کیا ہے اور آپ دونوں اپنی ماں کا دل دکھا رہے ہیں، خدا کے لئے باہر آ جائیے اور اپنی ماں کو سنبھالیے۔"

اندر سے جان نے جواب دیا۔ "افسوس شیان کہ ہم دونوں باہر نہیں آ سکتے ہیں۔ عبادت اور تقوے کا زیاں کسی حال میں بھی منظور نہیں۔ تم اس عورت کو روکو کہ خودکشی نہ

کرے کیونکہ خودکشی کو مسیح نے حرام قرار دیا ہے؟"

اس وقت تک ماں اس قدر لہولہان ہو چکی تھیں کہ پورا چہرہ خون سے گلنار ہو گیا تھا، خون ان کی ٹھوڑی سے بہہ بہہ کر سفید لباس کو بھی سرخ کئے دے رہا تھا۔ شیان نے انہیں پکڑنے کی کوشش کی، بولا۔ "ماں! آپ ان ظالموں سے رحم اور ہمدردی کی امید نہ رکھیں میں آپ کو ماں بنا کر رکھوں گا۔ خدا کے لئے خود کو زخمی نہ کیجیے اور جتنا کچھ ہو چکا ہے اسی پر بس کیجیے۔"

لیکن بڑی بی نے گویا شیان کی بات سنی ہی نہیں اور ان کے عمل میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے دروازے سے ہٹ کر پتھریلی دیوار سے سر ٹکرانا شروع کر دیا، ابھی تین چار بار ہی سر ٹکرایا تھا کہ سر سے خون کے فوارے ابلے اور وہ بے ہوش ہو کر گر گئیں۔ شیان بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ اس نے بڑی دل سوزی سے ایک بار پھر دونوں بھائیوں کو منانا چاہا تھا۔ "ظالم راہبو! خدا کے لئے باہر آ جاؤ۔ تم دونوں اپنی ماں پر یہ کیسا ظلم کر رہے ہو! دنیا کا کوئی مذہب بھی کسی شخص کو ایسے ظلم کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ شیان نے زخمی اور بے ہوش بڑی بی کو اٹھا کر گھاس پر لٹا دیا اور اپنے دامن سے ان کے چہرے کا خون صاف کرنے لگا لیکن سر اور پیشانی کا خون بہہ کر برابر ان کے چہرے پر آ رہا تھا۔ اس نے اپنا کوفیہ (سر میں لپیٹنے کا کپڑا) اتار کر زخموں پر باندھ دیا لیکن زخم اتنے شدید اور گہرے تھے کہ خون کسی طرح بند ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا۔ ایک تو ضعیفی، دوسرے زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ گیا، چند گھنٹوں کے اندر ہی بڑی بی نے دم توڑ دیا۔ شیان کو رونا آ گیا، اس کا دل بھر آیا۔ وہ لاش کو سیڑھی پر چھوڑ کر ایک بار پھر خانقاہ کے دروازے پر پہنچا اور دستک دیتا ہوا بولا۔ "ظالمو! وقت ختم ہو گیا، تمہاری ماں نے دم توڑ دیا، اب تو باہر نکل آؤ اور ان کی آخری رسوم ادا کرو۔"

اندر سے جان نے ناگواری سے کہا۔ "شیان! اگر تیرا یہ خیال ہے کہ اس طرح ہم دھوکے میں آ جائیں گے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دے، ہم دونوں اس وقت تک باہر نہیں نکلیں گے جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے اور تو نے ہماری ماں کی آخری رسوم بھی ادا کر دی ہیں۔"

شیان نے سر پکڑ لیا، پوچھا۔ "تو گویا تم دونوں اب بھی نہیں نکلو گے؟"

جان نے جواب دیا۔ "ہاں کیونکہ ہم پہلے ہی تمہیں یہ بتا چکے ہیں کہ عورت معصیت کی جڑ ہے وہ ماں ہو، بہن ہو، بیوی ہو یا کوئی اور، اور ہر عورت پر نظر ڈالنا تک معصیت میں

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

داخل ہے۔"

شیبان نے کہا: "پھر اب میں کیا کروں؟"

جان نے جواب دیا۔ "میری ماں کا کفن دفن کرو، اس کے بعد ہمارے پاس آؤ۔"

شیبان نے کہا۔ "لیکن میں کفن دفن کس طرح کروں گا، میں تنہا ہوں اور میرے پاس کفن دفن کے لیے کوئی کپڑا بھی نہیں۔"

اندر کچھ دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی شیبان نے کہا۔ "جان! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

پھر کوئی جواب نہیں ملا، شیبان ایک مخمصے میں پھنس گیا تھا، اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اچانک خانقاہ کا دروازہ کھلا اور کسی نے اندر سے دو چادریں پھینک دیں، اس کے بعد دروازہ پھر بند ہو گیا اور جان کی آواز سنائی دی۔ "ان چادروں سے ماں کا کفن دفن کر دو، اور اس کام میں ان آنے جانے والوں سے مدد لے جو ہماری خانقاہ میں غلہ، سبزی اور پھل وغیرہ لے کر آیا کرتے ہیں۔"

شیبان نے دونوں چادریں اٹھالیں۔ یہ بالکل بوسیدہ تھیں۔ وہ چادریں لے کر پھر بڑھیا کی لاش پر چلا گیا اور کسی مددگار کا انتظار کرنے لگا۔ کئی گھنٹے بعد ادھر چند کاشتکار گزرے جو کسی گوشہ نشین کی دعائیں لے کر خوش خوش اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے شیبان کی مدد کی اور مل جل کر کفن دفن سے فراغت حاصل کر لی۔

شیبان کے دل پر اتنا بوجھ تھا کہ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا، وہ اپنے آپ کو زبردستی کھینچ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر سے جان کی آواز سنائی دی۔ "کیا کفن دفن سے فارغ ہو گئے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں میں معصیت کی جڑ کو زمین میں دبا آیا۔ اب تو دروازہ کھول دو۔"

جان نے دروازہ کھول دیا۔ شیبان شکستہ دلی سے خانقاہ میں داخل ہو گیا۔

جان نے کہا۔ "شیبان! تو میرے بھائی کے پاس چل۔ ہم دونوں نے تیرے لیے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "چلو، میں نے بھی ایک فیصلہ کر لیا ہے لیکن پہلے تم دونوں اپنا فیصلہ سنا دو، اس کے بعد میں اپنا فیصلہ بھی سنا دوں گا۔"

پھر یہ دونوں فلپ کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔ فلپ انجیل مقدس کی تلاوت کر

رہا تھا۔

فلپ نے بولے بغیر ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ دونوں فلپ کے سامنے بیٹھ گئے۔

تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد فلپ نے انجیل کو بوسہ دے کر رکھ دیا اور زیر لب کوئی دعا مانگنے لگا۔ اس کی نظریں شیبان پر لگی ہوئی تھیں اور ان نظروں میں شکایت تھی، نفرت تھی اور ایک قسم کی بیزاری تھی۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد فلپ نے جان سے دریافت کیا۔ "کیا تم نے میرا فیصلہ اس کے گوش گزار کر دیا؟"

جان نے جواب دیا۔ "نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ فیصلہ آپ سنا دیں۔"

فلپ نے کچھ دیر کے لیے سکوت اختیار، شاید وہ فیصلے کے نئے پیرایۂ بیان سوچ رہا تھا۔ پھر وہ کھنکارتا ہوا بولا۔ "شیبان! کیا تجھے پہلے ہی یہ نہیں بتا دیا گیا تھا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے اور اس کے سائے تک سے حذر کرنا ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ سے یہ کہا گیا تھا۔"

فلپ نے پوچھا۔ "میں پوچھتا ہوں، اس کا تجھ پر کیا اثر ہوا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عورت معصیت کی جڑ ہے لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ عورت اتنے مبالغے کی حد تک معصیت کی جڑ ہے۔"

فلپ نے کہا۔ "میں جانتا ہوں تو مسلمان ہے اور تو نے جس ماحول میں آنکھ کھولی ہے وہاں عورت کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا۔"

شیبان نے بیزاری سے کہا۔ "راہبو! میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا، میں چاہتا ہوں تم جلد از جلد اپنا فیصلہ سنا دو۔"

فلپ نے جواب دیا۔ "آج ہم دونوں بھائی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے لیے تیری تربیت مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس لیے بصد افسوس ہم تجھے یہ حکم دیتے ہیں کہ آج ہی ہماری خانقاہ سے رخصت ہو جا۔"

شیبان کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری اور غائب ہو گئی، بولا۔ "راہبو! جو فیصلہ تم نے سنایا ہے وہی میرا بھی فیصلہ ہے۔ میں نے خود بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں آج ہی اس خانقاہ سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

فلپ نے پوچھا۔ "مگر تو نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ تمہاری رہبانیت اور رہبانی تصورات اور

Scanned and Uploaded By Muhammed Nadeem

...جیسے بڑے اطلاعات اور نیز اشارات ہیں، اور جو کتنی ہی کوشش کرے وہ اتنا سفاک نہیں بن سکتا۔"

اس کے بعد ان میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ شیبان نے ان دونوں سے آخری بار مصافحہ
...نا چاہا لیکن ان دونوں نے اپنے ہاتھ دور ہی رکھے اور شیبان کو بالکل مایوس کر دینے کے
...ے اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ شیبان کو ان دونوں سے اس
...ا خلاقی کی توقع نہیں تھی، وہ کچھ دیر حیرت زدہ ان دونوں کو دیکھتا رہا، اس کے بعد خانقاہ
...ے نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی خانقاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

شیبان کے سامنے ایک کوئلہ پڑا ہوا تھا، کچھ سوچ کر اس نے کوئلہ اٹھا لیا اور
...س جگہ جا کھڑا ہوا، جہاں لکھا تھا۔

"راہبو! خدر کرو! دو جماعتوں کی قربت سے۔ ایک عورت سے۔ دوسرے بادشاہوں سے۔"

شیبان نے اس پر خط تنسیخ پھیر دیا اور اس کے نیچے کوئلے سے لکھ دیا۔

"لوگو! خدر کرو ایسے راہبوں سے جن کے سینوں میں محبت کا گداز نہیں اور جن
...ے دل سفاکی سے لبریز ہیں۔"

اب اسے پھر کسی ایسے مرشد کی تلاش تھی، جو ظالم اور سفاک دنیا سے نجات اس
...رح دلا دے کہ اس کے دل اور دماغ بھی مطمئن اور پرسکون ہو جائیں اور خدا کا قرب بھی
...حاصل ہو جائے۔

وہ پہاڑیوں کے دامن میں آباد لوگوں کی طرف چلا گیا اور ان سے یہ معلوم کرنے کی
...شش کی کہ ان کے علم میں کیا کوئی ایسا بزرگ موجود ہے جس کی بزرگی اور عظمت کا ان کے
...وں پر سکہ بیٹھ چکا ہو اور بزرگ کے غیر معمولی واقعات کا ہر طرف چرچا ہو۔

اس نے ادھر ادھر گھومتے ہوئے ایک ایسی بستی کو دیکھا جس میں ایک چھوٹی سی
...ی کے پہلو میں ایک گرجا بھی تھا، مگر مسجد آباد اور گرجا ویران تھا۔ اس نے ایک شخص سے
...چھا۔ "کیا اس بستی میں صرف مسلمان ہی رہتے ہیں؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "نہیں، مسیحی بھی رہتے ہیں۔"

شیبان نے پوچھا۔ "پھر گرجا ویران کیوں پڑا ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "یہاں ایک مسلمان درویش کی خانقاہ ہے۔ یہ درویش
...ا صاحب کمال اور مقبول ہے کہ کبھی کبھی بادشاہ اور بڑے بڑے امرا بھی حاضری دیا کرتے
...ن باتوں نے مسیحیوں کو بھی متاثر کیا اور ان میں سے بیشتر مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان نہیں
...ے وہ بھی اتنے مرعوب اور متاثر ہیں کہ انہیں اپنا دین حقیر اور معیوب محسوس ہوتا ہے۔"

شیبان کو جستجو ہوئی، اور وہ ان بزرگ سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا۔ وہ رات اس نے مسجد میں گزاری، لیکن جب نمازیوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی بستی میں ایک غریب الوطن آیا ہوا ہے تو ان میں سے ایک شخص نے اسے مہمان بنا لیا اور فجر کی نماز کے بعد اسے اپنے گھر لے گیا۔

دوپہر کو کھانے کے دوران میزبان نے شیبان سے سفر کی غایت پوچھی تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ کسی بزرگ کامل کی تلاش میں نکلا ہے۔

میزبان نے مسکرا کر پوچھا۔ "پھر کوئی بزرگ کامل ملا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "نہیں، ابھی تک تو نہیں ملا لیکن میں کبھی مایوس نہیں ہوا۔"

میزبان نے خوش ہو کر کہا۔ "تب پھر تو خوش ہو جاؤ، تم اپنی منزل مراد کو پہنچے کیونکہ اس نواح میں ایک ایسے بزرگ موجود ہیں جن کی بزرگی اور کمال کا ایک زمانہ معترف ہے اور بڑے بڑے حکمران ان کی خانقاہ کی جبہ سائی کرتے ہیں۔ ہر وقت ان کے در پر طالبان مراد کا مجمع لگا رہتا ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "تب پھر میں بھی ان کے قدموں میں جا پڑوں گا۔"

میزبان نے کہا۔ "اللہ نے چاہا تو کل میں وہاں لے چلوں گا اور خانقاہ کی عظمت اور دبدبے کا نظارہ کراؤں گا۔"

شیبان نے وہ دن بہت اضطراب میں گزارا، اسے اپنی ماں بھی یاد آئی لیکن ماں کے خیال کو بڑی بے دردی اور سختی سے جھٹک دیا۔ وہ امراء اور حکمرانوں کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو کر نکلا تھا اور طمانیت اور سکون کو تلاش کرتا پھر رہا تھا، اپنے مقصد میں کامیابی کے بغیر وہ کس طرح واپس ہو سکتا تھا۔ جب اس نے اپنے میزبان سے مسلمان بزرگ کی عظمت اور بڑائی کا والہانہ ذکر سنا تو اس کے مایوس دل میں ایک بار پھر امید کی شمع روشن ہو گئی۔

دوسرے دن علی الصبح میزبان اسے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا، اسے ایک بار پھر کوہستانی سلسلے کی پرپیچ راہیں طے کرنا پڑیں۔ راستہ مختلف قسم کے پھلوں اور پودوں کی ملی جلی خوشبو سے مہکا ہوا تھا، اور درختوں پر اڑنے پھدکنے والے پرندوں کی چہکار نے فضا میں ترنم گھول رکھا تھا۔ شیبان نے اپنے ساتھ اور آگے پیچھے بہت سوں کو چلتے دیکھا۔ اس نے میزبان سے پوچھا۔ "کیا یہاں کوئی اور بزرگ بھی رہتے ہیں؟"

"نہیں تو، مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟"

شیبان نے کہا۔ "پھر یہ سب کہاں جا رہے ہیں؟ کیا انہی بزرگ کے پاس؟"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

میزبان ہنسنے لگا اور اس کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے پانی ابلتے وقت گڑگڑ نکلتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ "تم بہت عقلمند نوجوان ہو، تم نے صحیح اندازہ لگایا، یہ ب وہی، انہی بزرگ کی خدمت میں جا رہے ہیں۔ کیا تم ان کے ہاتھوں اور کاندھوں پر مان کی پوٹلیاں اور گٹھریاں نہیں دیکھ رہے ہو؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "دیکھ تو میں بھی رہا ہوں، لیکن ان پوٹلیوں اور گٹھریوں کیا ہے؟"

میزبان نے کہا۔ "ان بزرگ کے چار سو مرید ہر وقت ان کے پاس رہتے ہیں اور وہ ب عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں ان حالات میں پیر و مرشد اپنے چار سو مریدوں یت ذکرِ حق میں مشغول رہنے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے اس لئے ہم سب نے ان کھانے پینے کی ذمے داری اپنے سر لے لی ہے اور صبح و شام ان کے اور ان کے مریدوں کے کھانے پینے کا سامان پہنچاتے رہتے ہیں تاکہ وہ سب یکسوئی سے ذکرِ حق میں مشغول رہیں۔"

شیبان کے دل میں ان بزرگ کے خلاف ذرا سی سوءظنی آگئی اس نے سوچا دوسروں ی محنت اور کمائی پر زندہ رہنے والا انسان ولی یا بزرگ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

ان بزرگ کی خانقاہ جبل لبنان کی ایک حسین وادی میں تھی۔ اس وادی کے حدِ نظر کو ہستانی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں انجیر، سیب، انگور اور زیتون کے درختوں بھرمار تھی، انہی کے بیچ میں ان بزرگ کی خانقاہ تھی اور خانقاہ کا سبز گنبد درختوں کے دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ میزبان نے اس گنبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مبارک خانقاہ کا سبز گنبد صاف نظر آنے لگا۔"

شیبان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ معلوم نہیں کن خیالوں میں گھرا ہوا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد یہ دونوں خانقاہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ یہ وسیع و طویل وعریض خانقاہ کسی قصر کی طرح کھڑی تھی۔ خانقاہ ایک چہار دیواری کے اندر تھی اور یہ چار دیواری بڑا رہ سو مربع گز میں پھیلی ہوئی تھی جب یہ دونوں خانقاہ کے دروازے پہنچے تو انہیں دروازے پر ہی روک لیا گیا، یہاں کچھ اور لوگ بھی پہلے سے کھڑے ہوئے تھے۔ شیبان نے چہار دیواری میں جھانک کر دیکھا، وہاں بہت سے گھوڑے سبزے پر رہے تھے اور گھوڑوں کے آس پاس لوگوں کا ہجوم تھا۔

شیبان کے میزبان نے خانقاہ کے دربانوں سے کہا۔ "لوگو! کیا بات ہے؟ آج سے پہلے تو یہاں کسی نے روکا نہیں تھا، پھر آج تم لوگ کیوں روک رہے ہو؟"

ایک شخص نے جواب دیا۔ "اندر حلب کا حکمران آیا ہوا ہے، حکمران کے ساتھ اس کے درباری اور بعض دوسرے عہدیدار بھی ہیں، اس لئے پیر و مرشد نے کچھ دیر کے لئے لوگوں کی آمد و رفت روک دی ہے۔"

شیبان نے ضد کے انداز میں کہا۔ "لیکن میں تو اسی وقت ان کے پاس جانا چاہتا ہوں، تم پیر و مرشد سے جا کر کہو کہ ہم دونوں بھی ان سے عقیدت و احترام سے ملنے آئے ہیں اس لئے ہمارا راستہ نہ روکیں۔"

دربان نے تولنے والی نظر سے شیبان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو اور کیا کرتے ہو؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں بعلبک سے آیا ہوں اور وہاں میرا حکم چلتا ہے۔"

دربان نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔ "تو گویا تم بعلبک کے امیر ہو؟"

شیبان، دربان کے تجسس اور تبدیلی سے مزے لے رہا تھا۔ جواب دیا۔ "ہاں میں بعلبک کا امیر ہوں اور اگر میں تیرے ولی سے متاثر اور مرعوب ہو گیا تو ان کی خانقاہ کے لئے مستقل نذرانہ مقرر کر دوں گا۔"

اس جواب نے میزبان کو بھی چونکا کر دیا۔ جب دربان اندر چلا گیا تو میزبان نے شیبان سے متحیر لہجے میں سوال کیا۔ "میرے دوست! کیا واقعی بعلبک کے امیر ہو؟"

شیبان نے جواب دیا "نہیں، لیکن میں نے یہ دروغِ مصلحت آمیز قصداً بولا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بزرگ واقعی امیر اور غریب میں تخصیص کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا تو میں ان کی صحبت سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

میزبان کو شیبان کی بات بری لگی، بولا۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہاری باتیں بزرگ موصوف کے دل پر القا ہو چکی ہوں گی؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو میں ان کے قدموں میں رو پڑوں گا اور اس وقت تک پڑا رہوں گا جب تک خود بھی کسی لائق نہ ہو جاؤں۔"

میزبان خاموش ہو گیا لیکن اسے شیبان کی باتیں اچھی نہیں لگی تھیں اسے افسوس تھا کہ شیبان ایک ایسے بزرگ اور ولی کامل کے خلاف سوءظنی میں مبتلا ہو گیا تھا، جس کا دور دور شہرہ تھا اور اس کے در پر حاضری دینے میں بڑے بڑے حکمران اور امراء تک خوش قسمتی اور سعادت سمجھتے تھے۔

دربان نے واپس آ کر ان دونوں کو مطلع کیا کہ پیر و مرشد سے فوراً ہی ملاقات مشکل

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے، ذرا توقف کرنا پڑے گا۔" وہ ان دونوں کو خانقاہ میں لئے چلا گیا۔ خانقاہ ایک گوشے میں بنی ہوئی تھی۔ خانقاہ سے متصل بہت سارے حجرے تھے جن میں اس بزرگ کے مرید رہتے تھے۔ خانقاہ اور حجروں کے سامنے ایک میدان تھا، جس میں آٹھ دس گھوڑے اپنے سائیسوں کی معیت میں کھڑے گھاس کھا رہے تھے۔ ان کی دمیں حرکت میں تھیں اور وہ بار بار جھرجھری لے رہے تھے۔ یہ دونوں، دربان کے ساتھ خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت پیر و مرشد حلب کے امیر سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک نگاہ غلط انداز شیبان اور اس کے میزبان پر بھی نظر ڈالی لیکن ان دونوں سے مخاطب نہیں ہوئے۔

جب حلب کا حاکم اپنے ملازمین اور مصاحبین کے ساتھ رخصت کی اجازت لے کر کھڑا ہوا تو ان کے ساتھ ہی مرشد بھی کھڑے ہو گئے اور حاکم سے کہا۔ "یہ فقیر تیرے حق میں دعائے خیر کرتا رہے گا لیکن تیرا بھی یہ فرض ہے کہ تو ان کا خیال رکھ جنہوں نے دنیا کو لات مار دی ہے اور شب و روز اپنے رب کی بارگاہ میں اس کی مخلوق کے لئے امن و سلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔"

حلب کے حاکم نے پوچھا۔ "اس خانقاہ کا یومیہ خرچ کتنا ہے؟"

ولی نے جواب دیا۔ "یہی کوئی پچاس دینار یومیہ۔"

حاکم نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا۔ "شاہ صاحب کو دیناروں کی دس تھیلیاں دے دی جائیں۔" اس کے بعد شاہ صاحب سے کہا۔ "یہ کم ہیں لیکن حلب جا کر خانقاہ کا مستقل انتظام کر دیا جائے گا۔"

ولی نے جواب دیا۔ "بابا! میں یہ دیناروں کی تھیلیاں تو قبول کرنے سے رہا اور اگر انہیں ہمارے سر زبردستی تھوپا گیا تو میں اس حرکت کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔"

ایک مرید نے ان تھیلیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا، بولا۔ "واہ حضرت! یہ خوب رہی آپ نہ لیں لیکن ہم ضرور لیں گے یہ امیر جو کچھ ہمیں دے رہا ہے، خدا نے ہمارا رزق اس کے ذریعے بھجوایا ہے کیونکہ وہ سمیع و بصیر ہے اور ہمارا حال سن بھی رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے، اب اگر ہم حاکم حلب سے یہ تھیلیاں نہیں لیں گے تو کفرانِ نعمت کے مرتکب ٹھہریں گے۔"

ولی نے جواب دیا۔ "بہر حال یہ تھیلیاں میں خود تو قبول کرنے سے رہا، تو لیتا ہے تو لے لے اور خبردار جو ان دیناروں کو مسجد پر یا اپنی ذات پر خرچ کیا۔ انہیں ان فقراء میں تقسیم کر دے جو خدا کے لئے دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔"

حاکم حلب نے عرض کیا۔ "حضرت! مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔"

ولی نے جواب دیا۔ "جب تو خانقاہ سے باہر نکلے گا تو اس کی پیشانی پر میری نصیحت کو کندہ دیکھے گا، بس اس نصیحت کو حرزِ جاں بنا لے۔"

حاکم حلب نے عاجزی سے درخواست کی۔ "حضرت! وہ نصیحت تو بعد میں دیکھوں گا، کچھ زبانی بھی ارشاد فرما دیجئے یہ عاجز بہت احسان مند ہو گا۔"

ولی نے نہایت استغنا سے جواب دیا۔ "اب تو بضد ہی ہے تو میری نصیحت دل پر کندہ کر لے۔ یاد رکھ، انسان کے حق میں محنت، آرام سے بہتر، گمنامی، نام و نشان سے بہتر اور داد و دہش، قبولِ عطیات سے بہتر ہے۔"

پوری خانقاہ واہ وا، سبحان اللہ، کی آوازوں سے گونج گئی۔ حاکم حلب نے فرطِ عقیدت سے ولی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے دونوں آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا اور اپنے مصاحبوں اور غلاموں کے ساتھ خانقاہ سے نکل گیا۔ ولی نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، گویا وہ مراقبے میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اپنے ہوش میں آیا تو اس نے اپنے مریدوں سے پوچھا۔ "کیا اب میں آرام کر سکتا ہوں، میں بہت تھک چکا ہوں۔"

ایک مرید نے شیبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ "حضرت! یہ شخص بعلبک سے آیا ہے اور خود کو بعلبک کا امیر کہتا ہے۔"

ولی نے شیبان اور اس کے میزبان پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور سوال کیا۔ "تو واقعی بعلبک کا امیر ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

ولی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "پچھلے دنوں اسی خانقاہ میں بعلبک کا ایک امیر آ چکا ہے، اس نے خانقاہ کو گراں قدر عطیہ بھی دیا ہے اگر تم بعلبک کے امیر ہو تو پھر وہ کون تھا؟"

شیبان گھبرا رہا تھا، بولا۔ "وہ بعلبک کا امیر ہی ہو گا، لیکن اس وقت میں تم سے چند اہم باتیں کرنے آیا ہوں۔"

ولی نے طیش میں کہا۔ "یہ تو کس لب و لہجے میں بات کر رہا ہے؟"

میزبان نے شیبان کا ہاتھ دبایا لیکن شیبان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، بولا۔ "جناب پیر و مرشد! آپ نے حاکم حلب کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اس سلسلے میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک طاقتور مرید نے شیبان کا گلا پکڑ لیا، بولا۔ "شیطان کے بچے! پیر و مرشد جب

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

شیبان کی آواز نہیں شامل تھی۔

شیبان کی خاموشی ولی کو بہت ناگوار گزری، درشت لہجے میں پوچھا۔ "تو کیوں خاموش ہے؟ کیا میری نصیحت تیری سمجھ میں نہیں آئی؟"

شیبان نے آہستہ سے جواب دیا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے پیر و مرشد! میں آپ کی نصیحت اور آپ کے عمل میں جو فرق محسوس کر رہا ہوں، اس نے مجھے حیرت زدہ کر کے میری زبان کو تالا لگا دیا ہے۔"

ولی نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے اے ملعون اور خبیث انسان؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں کچھ کہنا نہیں بلکہ کچھ جاننا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا ہے کہ انسان کے حق میں محنت آرام سے بہتر ہے لیکن عالم یہ ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ ہی آپ بھی کچھ نہیں کرتے۔ بس آرام ہی آرام ہے جو آپ اپنے مریدوں کے ساتھ فرماتے رہتے ہیں۔"

مریدوں میں کھلبلی مچ گئی، میزبان نے گھبرا کر شیبان کو وہیں چھوڑ دیا اور خود خانقاہ سے باہر آ گیا۔ ولی نے شیبان کو غضبناک نظروں سے دیکھا، جواب دیا۔ "تو کہتا ہے کہ ہم محنت نہیں کرتے، آرام کرتے ہیں، خدا تیرے دل پر مہر لگا دے، او بدبخت نوجوان! یہ تو نے کیا کہہ دیا؟ میں اور میرے مرید دن رات اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں، کیا یہ محنت نہیں ہے؟ بخدا یہ ایسی محنت ہے کہ بڑے بڑوں کا اس محنت کے خیال سے پتہ پانی ہو جاتا ہے۔"

شیبان نے کہا۔ "لیکن میں اسے محنت نہیں سمجھتا، اسی طرح آپ کی نصیحت کا دوسرا جزو کہ گمنامی، نام و نشان سے بہتر ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا، آپ اور آپ کے مرید بالکل گمنام نہیں، ہر طرف آپ ہی کا نام و نشان بکھرا ہوا ہے۔"

ولی نے جوشِ غضب میں آواز دی۔ "ارے کوئی ہے جو اس گستاخ کی زبان بند کر دے؟"

کئی طاقتور مریدوں نے شیبان کو پکڑ لیا لیکن شیبان کی زبان نہیں رکی، اس نے کہا۔ "پیر و مرشد! آپ مجھے خانقاہ سے نکلوا سکتے ہیں لیکن میرے شبہات کا علاج نہیں کر سکتے۔ کیا آپ کے پاس میرے اعتراضات اور شبہات کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ہے؟ اگر میں یہاں بھی مایوس رہا تو مجبوراً اپنی جبر و تعدی کی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا اور اس کے بعد میں جو کچھ بھی کروں گا، اس کا گناہ آپ کے نام بھی لکھا جائے گا کیونکہ آپ مجھے صحیح راہ دکھانے میں ناکام رہے ہیں۔"

ولی کا غصہ قدرے کم ہوا، بولا۔ "اے شخص بات صرف اتنی نہیں ہے کہ میں تجھے

تجھے ہم کلامی کے شرف سے محروم رکھنا چاہتے ہیں تو تو ان سے خواہ مخواہ کیوں الجھ رہا ہے؟"

شیبان کی سانس رکنے لگی اور اسے کھانسی آ گئی، بمشکل بولا۔ "میں دنیا کے ظلم و ستم سے بیزار اور آلامِ حیات سے گریزاں شخص ہوں اور روحانیت میں طمانیت اور سکون تلاش کر رہا ہوں، اب اگر میں یہاں سے بھی مایوس اور ناکام رہا تو یہی سمجھوں گا کہ اپنی مادی دنیا کی طرح فقراء کی دنیا بھی پُرفریب اور ریاکاروں کی ہے۔"

ولی نے پوچھا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں طمانیت چاہتا ہوں، میں سکون چاہتا ہوں، اگر اس خانقاہ میں یہ چیزیں ہیں تو مجھے مرحمت فرمائی جائیں، ورنہ میں کہیں اور کی راہ لوں گا۔"

ولی نے بے نیازی سے کہا۔ "اگر تو پسند کرے تو اس خانقاہ کے حجرے میں تجھے بھی رکھا جا سکتا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اس عنایت کا شکریہ، لیکن قیام سے پہلے میں چند باتوں کی وضاحت چاہتا ہوں۔"

ولی نے ناگواری سے شیبان کو گھورا، کہا۔ "کیا بات ہے؟ تو بڑا حجتی انسان معلوم ہوتا ہے!"

شیبان نے جواب دیا۔ "پیر و مرشد! میں حجتی انسان نہیں ہوں، مگر جیسا کہ ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں، میں اپنا گھر بار چھوڑ کر طمانیت و سکون کی تلاش میں نکلا ہوں، میں نے ابھی ابھی آپ کی صحبت میں جو چند باتیں سنی ہیں، ان میں چند باتیں کانٹے کی طرح دل میں چبھ گئی ہیں، اب اگر آپ نے ان کی وضاحت نہ فرمائی تو میں بہت پریشان رہوں گا۔"

ولی نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "وہ کون سی باتیں ہیں، میں تجھے مطمئن کر دوں گا، تو زیادہ فکرمند نہ ہو۔"

شیبان نے عرض کیا۔ "پیر و مرشد! براہ کرم وہ نصیحت ایک بار پھر ارشاد فرما دیجئے جو ابھی ابھی آپ نے عالم جذب و مستی میں کی تھی۔"

ولی نے جواب دیا۔ "شاید تجھے میری نصیحت بہت اچھی لگی ہے اور تیرے دل میں اتر گئی ہے۔" اس کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "اے شخص! میری اس نصیحت کو تو بھی اپنے دل پر کندہ کر لے۔ یاد رکھ! انسان کے حق میں محنت آرام سے بہتر، گمنامی، نام و نشان سے بہتر اور درویش خستہ حال دولت مند سے بہتر ہے۔"

اور ایک بار پھر خانقاہ تحسین و آفرین کی آوازوں سے گونجنے لگی لیکن ان میں

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

مطمئن نہیں کر رہا ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تو سب کے سامنے ایسے خیالات کا اظہار کر رہا ہے جو میرے نیک دل اور پاک مزاج مریدوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کر سکتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ شیطان اسی طرح انسانی قلوب میں جگہ بناتا ہے؟"

شیبان نے عرض کیا۔ "تب پھر آپ کچھ دیر کے لئے اپنے مریدوں کو ادھر ادھر کر دیجئے تاکہ میں اپنے دل کے وسوسوں اور اندیشوں کو دور کر سکوں اور اپنی پوری زندگی آپ کے قدموں میں بسر کر دوں۔"

ولی نے اپنے مریدوں کو اشارہ کیا کہ وہ شیبان کو چھوڑ کر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جائیں۔

مرید باہر چلے گئے۔ جب وہاں ولی اور شیبان تنہا رہ گئے تو ولی نے کہا۔ "ہاں میرے بچے اب پوچھ تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟"

شیبان نے عرض کیا۔ "یا پیر و مرشد! میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو یہ کہاں تک زیب دیتا ہے کہ کسی ایسی بات کی اپنے مریدوں کو نصیحت کریں جس پر آپ خود کاربند نہیں ہیں۔ کیا ایسا کرنا مضحکہ خیز نہیں ہے؟"

ولی کو اس بات پر غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط و تحمل سے کام لیا اور مسکرا کر کہا۔ "تو اور کیا کہتا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "آپ نے اپنی نصیحت کے ضمن میں فرمایا کہ دادو دہش قبول عطیات سے بہتر ہے لیکن یہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ اس خانقاہ میں کسی کو دینے کیلئے کچھ بھی نہیں۔ قبول عطیات کے لئے پورا اہتمام سا کر رکھا ہے، آخر یہ کیوں ہے؟"

ولی نے کہا۔ "میں کسی سے بھی عطیات قبول نہیں کرتا۔"

شیبان نے عرض کیا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے حاکم حلب نے جو کچھ دیا تھا، اسے تو قبول کر لیا گیا۔"

ولی نے جواب دیا۔ "بیشک، لیکن تو نے یہ بھی دیکھا کہ اسے میں نے قبول نہیں کیا کہ ان دیناروں کو میرے فقرا آپس میں تقسیم کر لیں گے، میں اس لعنت سے بری الذمہ ہوں۔"

شیبان نے عرض کیا۔ "اگر وہ دینار آپ کے بقول لعنت ہی ہیں تو اس لعنت کو اپنے مریدوں میں کیوں بانٹ دیتے ہیں؟"

ولی کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن شیبان نے اسے بے بس اور لاجواب کر دیا تھا۔ آخر اس نے بڑی نرمی سے سمجھایا۔ "میرے بچے! تیرے دل میں خناس نے گھر کر لیا ہے۔ میں نے تیرا [illegible]"

شیبان نے کہا۔ "یا پیر و مرشد! [illegible] میں اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک

آپ اس کی وضاحت بھی نہ کرتے چلیں۔"

ولی نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ "میرے بچے! خناس ایک شیطان کا نام ہے۔ اس کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ ہر دل میں دو دروازے ہوتے ہیں، ایک اوپر، دوسرا نیچے، اوپر کا دروازہ جسم سے متصل ہوتا ہے اور نیچے کا درج سے خناس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں دروازوں کے ارد گرد مکڑی کا جالا بنا دیتا ہے کہ انسان اس کے دام میں آ جائے۔ پھر خطرات و وساوس باطلہ کو دل میں پھونکتا رہتا ہے۔ خناس کی صورت اژدہے جیسی ہوتی ہے اور اس کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ہیں اور ان ہی زہریلے کانٹوں سے وہ دل کو مسموم کرتا رہتا ہے جس سے دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔"

شیبان کے لئے یہ انکشافات عجیب تھے وہ حیرت سے ولی کی تقریر سنتا رہا۔ ولی دل میں خوش تھا کہ اس نے شیبان کو اپنی تقریر سنا کر لاجواب کر دیا ہے۔ اس نے مہاسہارا اور بھی لگا دیا اور کہا۔ "اور جب انسان طعام ناجائز اور لقمہ مشکوک کھاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی غفلت بھی اختیار کرتا ہے اور کاہلی، بے توجہی اور بے رغبتی سے عبادت کرتا ہے تو یہ چیزیں خناس کے لئے غذا کا کام کرتی ہیں اور ان سے خناس فربہ ہوتا ہے جس سے اس کی ضرر رسانی بڑھ جاتی ہے۔"

شیبان نے خوفزدہ ہو کر دریافت کیا۔ "اور اس خناس کو ہلاک کس طرح کیا جا سکتا ہے؟"

ولی نے جواب دیا۔ "توبہ و استغفار، پاس انفاس، ذکر و فکر اور مراقبے سے خناس کو سخت نقصان پہنچتا ہے جس سے یہ کمزور ہونے لگتا ہے، دل میں صفائی اور نورانیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ حبس دم کی حرارت سے دل کی چربی پگھلنے لگتی ہے جس سے خناس مضمحل اور کمزور ہوتا ہے اور بالآخر جب تصفیہ قلب ہوتا ہے تو خناس ہلاک ہو جاتا ہے۔"

شیبان خاموش ہو گیا اور بے بسی سے ولی کی صورت دیکھنے لگا۔ ولی کو یہ خوش فہمی ہوئی کہ شیبان پر اس کا جادو چل چکا ہے اور اب وہ سرکشی نہیں اختیار کرے گا، اس لئے اس نے دل رکھنے کے لئے کہا۔ "میرے بچے! تو فکر نہ کر اور ملول نہ ہو، میں تجھے اپنے مریدان باصفا کے سپرد کرتا ہوں۔ تو ان کے ساتھ رہ، اللہ نے چاہا تو میں تیرے دل میں، تیرے دل میں موجود خناس کو بہت جلد ہی ہلاک کر دوں گا۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "پیر و مرشد! جس خناس کی آپ بات کر رہے ہیں وہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

میرے دل میں نہیں ہے، ہاں آپ کے اور آپ کے مریدان باصفا کے دلوں میں حزد ورا
پاکر فربہ ہوگیا ہے، اس لئے میرا مشورہ ہے کہ پہلے آپ اسے ہلاک کریں، اس کے بعد
دوسروں پر توجہ دیں۔ رہا میں، تو میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ درویش کی زندگی شاید
مجھے نہیں راس آئے گی اس لئے میں اپنے گھر چلا جاؤں گا اور دنیا کے دوسرے انسانوں
کی طرح زندگی گزار دوں گا۔"

ولی ایک دم برہم ہوگیا، چیخ کر حکم دیا۔ "ارے کوئی ہے جو اس گستاخ کو اٹھا
کر باہر پھینک دے، یہ نہیں ٹھیک ہو سکتا اس کا مرض لاعلاج ہے۔"

ولی کی آواز سن کر کئی مرید اندر داخل ہوئے اور انہوں نے شیان کو دبوچ لیا
کسی نے سر پکڑا، کسی نے ٹانگیں، کسی نے ہاتھ اور کسی نے پشت اور اس طرح اسے اٹھائے
ہوئے وہ خانقاہ کے باہر نکل گئے اور اسے چھوٹی سی پگڈنڈی پر پھینک کر اندر چلے
گئے۔ یہاں میزبان کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میزبان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں
آیا۔ وہ شیان کے پاس گیا اور پوچھا۔ "خیریت تو ہے دوست: تیرے ساتھ یہ کیا
حادثہ ہوا؟"

شیان کی کمر میں بڑی چوٹ آئی تھی، وہ بیٹھ کر کراہنے لگا، بولا۔ "دوست
جو شہروں میں ہے، وہی خانقاہوں میں، جو بادشاہوں اور حکمرانوں کے دربار اور
انتظام میں ہو رہا ہے، وہی خانقاہوں، ولیوں اور مرشدوں کی مجلسوں میں ہو رہا ہے پھر
نہ تو درباروں میں ہے نہ خانقاہوں میں۔ پھر میرا جیسا انسان کہاں جائے؟"

میزبان نے ترش روئی سے کہا۔ "افسوس کہ تیری باتوں نے پیر و مرشد کے دل
اعتبار بھی اٹھا دیا ہوگا، جسے تو خوش فہمی اور خود فریبی سے پیچ کہہ رہا ہے وہ تیرے دل
کا فتور ہے، فتنہ ہے۔"

میزبان نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، شیان ایک بار پھر یکہ و تنہا رہ گیا
وہ خانقاہ کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟

شیان اُلجھ کر رہ گیا، گھر واپس جانے کو بھی نہ چاہتا تھا اور درویشی میں جو
کچھ دیکھا تھا اس سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نے یہ فیصلہ
کیا کہ جس راہ پر درویش نہیں چل رہے ہیں، وہ خود چل کر دکھا دے گا۔ وہ تزکیۂ نفس
اور شدید مجاہدے سے وہ طمانیت اور سکون خود حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جس
کی تلاش میں اس نے راہبوں، مجوسیوں اور درویشوں کی خانقاہوں کی جبیں سائی کی ہے

یہ بہت بڑا فیصلہ تھا، اس فیصلے میں دنیا کی نفی شامل تھی اور اس نفی پر اس کی درویشی
کی اساس قائم تھی۔ اس نے پورے یقین اور اعتماد سے یہ طے کر لیا تھا کہ ولی کی نصیحت
پر عمل کر کے درویشی میں اعلیٰ مقام حاصل کر کے دکھا دے گا۔

اس نے جبلِ لبنان میں خوب گھوم پھر کر اپنے لئے ایک ایسی جگہ پسند کر لی،
جو اب تک غیر آباد تھی اور آبادی ذرا فاصلے پر تھی، اس نے یہیں اپنی کٹیا ڈال لی،
دیواریں سرکی کی کھڑی کیں اس نے یہ کٹیا ایک ایسے گھنیرے درخت کے نیچے بنائی تھی
کہ چھت کا کام درخت کے سائبان سے لیا جائے۔ اس نے اپنی روزی کے لئے یہ
طے کیا کہ قریب کے کسی باغ میں محنت مزدوری کر لیا کرے گا اور اس سے جو کچھ مل
جائے گا اس سے اپنا کام چلائے گا۔

اس نے لکڑی کے ایک تختے پر کوئلے سے موٹا موٹا لکھا۔

"انسان کے حق میں محنت آرام سے بہتر، گمنامی، نام و نشان سے بہتر اور داد و
دہش، قبولِ عطیات سے بہتر ہے۔"

وہ ہر روز صبح روزی کی تلاش میں نکل جاتا اور کسی کھیت یا باغ میں کام کر
کے جو کچھ پاتا، اس سے اپنا پیٹ بھرتا۔ وہ ہر وقت اس فکر اور کوشش میں رہتا کہ
کوئی حرام کا لقمہ حلق سے نہ اترے۔ کچھ ہی عرصے بعد اس نے اپنے سرکی کے حجرے پر چھت
بھی ڈلوا لی اور یکسوئی اور بے نیازی سے اللہ اللہ کرنے لگا۔ اس کے زہد و ریاضت کا
چرچا ہونے لگا اور عقیدت مندوں کی آمد شروع ہوگئی۔ اب شیان کو بڑی مشکل کا
سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ ہر عقیدت مند کو یہی سمجھاتا کہ اسے شہرت اور نمود سے نفرت
ہے اس لئے وہ کسی کو نہ تو مرید بنائے گا اور نہ ہی اپنے آس پاس ٹھہرنے کی اجازت دے
گا۔ شروع شروع میں تو اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے عقیدت مند اس کے پاس جاتے ہوئے
ڈرتے رہے لیکن پھر انہوں نے شیان کی ڈانٹ پھٹکار کی پروا کئے بغیر اس کے دروازے
پر میلہ سا لگانا شروع کر دیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان سے پیچھا کس طرح چھڑائے
وہ گمنامی، جسے وہ عزیز رکھتا تھا، اس سے چھن چکی تھی اور اس کا نام و نشان
جبلِ لبنان کو پھلانگ کر دمشق تک پہنچ چکا تھا اور قصرِ خلافت اس کے شہرے سے
گونجنے لگا تھا۔

اس کے پاس جو بھی آتا کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور لاتا لیکن یہ کچھ بھی قبول نہ
کرتا اور یہی کوشش کرتا کہ ہر آنے والے کو اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ دے دے، مگر کسی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

سے کچھ قبول نہ کرتے۔ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو کوئی پھل ہی دے دیتا۔ چنانچہ پانچ سال کے اندر ہی اس کا اتنا شہرہ ہو گیا کہ اس سے پہلے کے فقرا اور درویشوں کے کاروبار پر بہت برا اثر پڑا۔ وہ دور دور تک ایک بے غرض درویش کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔

ایک دن، سہ پہر کو اس کے پاس چند گھڑ سوار آئے اور انہوں نے شیبان کو مطلع کیا کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک آپ کی زیارت کو حاضر ہونے والا ہے۔

شیبان نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "تم لوگ خلیفہ سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زیارت کو ہرگز نہ آئے کیونکہ میں حکمرانوں سے حذر کرتا ہوں۔"

ایک گھڑ سوار نے کہا۔ "پیر و مرشد! ہماری اتنی مجال کہاں کہ یہی بات امیرالمومنین سے کہہ سکیں۔ وہ آئیں گے اور ضرور آئیں گے، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ امیرالمومنین کو ناراض نہ کیجئے وہ آپ کی یہ سرکیوں کی کٹیا، شاندار خانقاہ میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ بس آپ کا ذرا سا اشارہ کافی ہوگا۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی یہ سرکیوں کی کٹیا بہت عزیز ہے، وسیع و عریض سنگی خانقاہ پر قصر کا گمان ہونے لگتا ہے اور فقراء کو قصر راس نہیں آتے۔"

دوسرے گھڑ سوار نے درشت لہجے میں کہا۔ "یہ کیسا درویش ہے جو امیرالمومنین سے کترا رہا ہے، حالانکہ اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ یہ جس جگہ کٹیا ڈالے بیٹھا ہے۔ امیرالمومنین ہی کی زمین ہے، امیرالمومنین کی زمین پر بیٹھ کر امیرالمومنین سے ہی حذر کرنا دغا کی فتور نہیں تو اور کیا ہے۔"

شیبان کو غصہ تو بہت آتا لیکن وہ تزکیہ نفس اور مجاہدے سے غصے کو دبا چکا تھا چنانچہ اس وقت بھی صبر و ضبط سے کام لیا اور نرمی سے جواب دیا۔ "اے شخص تو نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ یہ زمین امیرالمومنین کی ہے، زمین تو اللہ کی ہے۔ امیرالمومنین یہ زمین کہاں سے لاتے تھے؟"

گھڑ سوار جب واپس جانے لگے تو اس نے پھلوں سے ان کی ضیافت کی اور ایک بار پھر انہیں منع کیا کہ وہ امیرالمومنین کو یہاں نہ آنے دیں۔ ان معمولی گھڑ سواروں کو اتنا اختیار کہاں تھا کہ وہ ہشام بن عبدالملک کو شیبان کا صحیح جواب پہنچا دیں لیکن ایک نے ہمت کی اور خلیفہ کو شیبان کا جواب پہنچا دیا۔ ہشام کے چہرے کا رنگ بدل گیا، بولا۔ "اس درویش کی اتنی ہمت کہ امیرالمومنین کو ٹھکرا دے۔ میں اس سے سمجھوں گا۔"

ہشام نے دوسرے ہی دن شیبان کے پاس جانے کا منصوبہ بنا لیا۔

دمشق سے جبل لبنان میں داخل ہونے والی شاہراہ، جو شیبان کی کٹیا سے ذرا دور ایک اور ہی طرف چلی جاتی تھی، ہشام بن عبدالملک اور اس کی سپاہ کے گھوڑوں سے روندی جا رہی تھی، کچی راہوں سے اٹھنے والے گرد و غبار کے بگولے آسمان کی طرف محو پرواز تھے جس سے میلوں دور یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کوئی غیر معمولی شخصیت اپنے حشم و خدم کے ساتھ حالت کوچ میں ہے۔ شیبان نے بھی اس گرد و غبار کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ ہشام بن عبدالملک اس سے ملنے کے لئے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ پہلے تو اس کو ذرا خوف سا محسوس ہوا، پھر ہمت کر کے اپنی جگہ اور اپنے موقف پر ڈٹا رہا، بجائے اس کے کہ وہ خلیفہ کا احترام کرتا اس سے خود کو گریزاں محسوس کرنے لگا۔ وہ خلیفہ کی آمد سے پہلے اپنی کٹیا سے ٹل جانا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر باز رہا کہ خلیفہ سے کیوں ڈرا جائے ہر بات صاف صاف، بے جھجک، دلیری سے اس کے روبرو کر لی جائے تو بہتر ہے۔

اس کے مداحوں اور عقیدت مندوں نے مبارک باد دی کہ خدا نے شیبان کی عبادت اور ریاضت کو قبول کیا اور دنیا کے سب سے بڑے حکمران کو اس کی خدمت میں حاضری پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے بعض نے یہ مشورہ بھی دیا کہ جب امیرالمومنین اپنی ارادت اور عقیدت کا اظہار کریں تو شیبان ان سے کہے کہ اس کی کٹیا کو شاندار خانقاہ میں بدل دیا جائے لیکن شیبان کو یہ ساری باتیں بے معنی اور فضول لگ رہی تھیں۔

ہشام کا ہراول دستہ پہلے ہی آ گیا اور اس نے شیبان کو مطلع کیا کہ تھوڑی ہی دیر بعد ہی امیرالمومنین قدم رنجہ فرمانے والے ہیں۔ شیبان نے بے زاری سے کہا۔ "لیکن میں امیرالمومنین سے بخوشی نہیں مجبوراً ملوں گا اور یہ بات میں نے امیرالمومنین کے ان آدمیوں کو پہلے ہی بتا دی تھی، جو چند دن پہلے امیرالمومنین کی آمد کی اطلاع دینے آئے تھے۔"

خلیفہ کے نمائندے نے شیبان کو ڈرانے کی کوشش کی، بولا۔ "امیرالمومنین کی درشت مزاجی مشہور ہے وہ جس شخص پر ناراض ہوتے ہیں، اسے سزا ضرور دیتے ہیں اس لئے امیرالمومنین کے سامنے ادب اور احترام کا خاص خیال رکھئے گا۔"

شیبان نے کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر بعد ہشام بھی وہیں پہنچ گیا، شیبان کے مداح اور ارادت مند ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ہشام کے آدمیوں نے کٹیا کے سامنے اور آس پاس گھوڑے چھوڑ دیئے جنہیں ان کے سائیسوں اور دوسرے خدمتگاروں نے سنبھال لیا۔ ہشام کے ساتھ اس کا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

حاجب غالب قاضی محمد بن صفوان اور کاتب سالم پیش پیش تھے۔ کٹیا میں داخل ہونے سے پہلے ہشام اور اس کے ساتھیوں کی نظر اس قول پر پڑی جس میں محنت کو آرام سے، گمنامی کو نام و نشان سے اور داد و دہش کو قبول عطیات سے بہتر بتایا گیا تھا۔ ہشام نے اپنے حاجب سے پوچھا۔ "تیرا کیا خیال ہے۔ کیا یہ صوفی اپنے ان اقوال پر پورا اتر رہا ہوگا؟"

حاجب نے قدرے پس و پیش سے جواب دیا۔ "بظاہر تو ایسا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ صوفی محنت نہیں کرتا، رہی گمنامی اور شہرت تو اس کے پاس شہرت تو ہے مگر گمنامی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہم اس کی شہرت ہی سن کر یہاں تک آئے ہیں رہا قول کا تیسرا جزو کہ داد و دہش، قبول عطیات سے بہتر ہے، تو اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا لیکن فی الحال میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ صوفی کے پاس دینے کے لئے ہوتا ہی کیا ہوگا۔ ہاں لینے کے لئے امکان ہی امکان مل جائیں گے۔"

ہشام نے مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا۔ بولا۔ "غالب! تو درست کہتا ہے۔ تیری توجیہ کا در و دلائل عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔"

ہشام کچھ دیر تک کٹیا کے باہر کھڑا اس بات کا منتظر رہا کہ شیبان کٹیا سے نکل کر اس کا استقبال کرے گا لیکن اس میں اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے اپنے حاجب سے کہا۔ "کیا بات ہے، یہ صوفی میرے استقبال کے خاطر کٹیا سے نکل کیوں نہیں رہا، کیا اسے نہیں معلوم کہ میں اس سے ملاقات کرنے آیا ہوا ہوں؟"

حاجب نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! میں اندر جا کر اسے بتاتا ہوں کہ امیر المومنین تیرے استقبال کے منتظر کھڑے ہیں۔"

اتنا کہہ کر حاجب اندر چلا گیا اور شیبان کو خلیفہ کی آمد کی اطلاع دی۔

شیبان نے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا۔ "تو پھر کیا۔ کیوں کھڑا ہو گیا، اندر کیوں نہیں آتا؟"

حاجب نے کہا۔ "کیا آپ نہیں جانتے کہ ہشام بن عبدالملک امیر المومنین ہیں اور آپ بھی مسلمان ہیں، اس لحاظ سے وہ آپ کے بھی امیر المومنین ہیں اور آپ پر ان کا احترام اور استقبال واجب ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "بابا میں نے اس دنیا کو لات مار دی جہاں خلیفہ اور امیر المومنین ہوتے ہیں، جا ہشام سے کہہ دے کہ جب اس نے دمشق سے جبل لبنان تک کا … سفر طے کر لیا ہے تو اب چند قدم … نے پر کیا امر مانع آ رہا ہے؟"

حاجب نے کہا۔ "حضرت! میں نے امیر المومنین سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے استقبال کے لئے آپ کو کٹیا سے لے کر آ رہا ہوں، اس وعدے کا پاس کیجئے اور میری شرم رکھ لیجئے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "افسوس کہ میں تیری یہ خواہش نہیں پوری کر سکوں گا تو کیا …

باہر واپس جا اور امیر المومنین سے کہہ دے کہ اپنے انتظار میں میرا مزید وقت نہ ضائع کریں۔"

حاجب نے پوچھا۔ "تو آپ کا یہ آخری اور قطعی فیصلہ ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں! یہ میرا آخری اور قطعی فیصلہ ہے۔"

حاجب کٹیا سے نکل گیا اور ہشام کو مطلع کیا۔ "امیر المومنین! مجھے تو یہ صوفی انتہائی بد اخلاق اور بے ادب معلوم ہوتا ہے کہتا ہے کہ جب امیر المومنین دمشق سے یہاں تک آ گئے ہیں تو اب مزید چند قدم چلنے میں کون سا امر مانع آ رہا ہے۔"

ہشام سناٹے میں آ گیا۔ اسے شیبان کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے بے خیالی میں کہا۔ "تو اس صوفی کے یہ تیور ہیں! اتنی بڑی بات کہہ دی؟"

حاجب نے جواب دیا۔ "جی امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بڑے مردم شناس ہوتے ہیں اور اس طرح بے نیازی اور بے غرضی کا اظہار کر کے، وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو خوشامد کے اظہار کے بعد نہیں حاصل کیا جا سکتا۔"

ہشام نے اپنے قاضی محمد بن صفوان سے پوچھا۔ "اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس صوفی سے ملاقات کروں یا واپس چلا جاؤں؟"

قاضی نے جواب دیا۔ "امیر المومنین جس نے دنیا ہی چھوڑ دی ہو اس سے آداب دنیا برتنے کی توقع فضول ہے۔ حضور کو صوفی سے ملے بغیر نہیں واپس ہونا چاہئے۔"

ہشام اپنے ساتھیوں کو لے کر کٹیا میں داخل ہو گیا۔ شیبان نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ ہشام اور اس کے ساتھیوں نے شیبان کو سلام کیا۔ شیبان نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

"صاحبان! فرمائیے فقیر کی کٹیا کیسے یاد آ گئی؟"

ہشام نے کہا۔ "میں نے کٹیا کے باہر چند قول لکھے دیکھے ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ خود اس پر کس حد تک کاربند ہیں؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہشام! میں نے ان کے تینوں اجزا پر کاربند رہنے کی کوشش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ ابھی تک بفضل ایزدی اس پر پورا اترا ہوں۔"

ہشام نے پوچھا۔ "آپ کی گزر اوقات کس طرح ہوتی ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں کھیتوں اور باغوں میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں اور کسی کے آگے دست حاجت نہیں دراز کرتا۔"

ہشام نے کہا۔ "آپ نے نام و نشان اور شہرت پر گمنامی کو ترجیح دی ہے حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ گمنام رہا بھی نہیں اور آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی ہے، یہ کیا بات ہے؟"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

شیبان نے جواب دیا: "یہ شہرت اور ناموری لوگوں نے میری مرضی کے خلاف بخش دی ہے ورنہ میرا اپنا یہ حال ہے کہ میں کسی کو مرید تک نہیں کرتا۔"

ہشام نے کہا: "آپ کا مشہور قول ہے کہ دادو دہش قبول عطیات سے بہتر ہے حالانکہ یہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کٹیا میں کسی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ لینے کے لئے ہر طرف احتیاج ہی احتیاج نظر آ رہی ہے۔ ان حالات میں آپ اپنے مشہور قول پر کس طرح عمل کرتے ہیں؟"

شیبان نے اٹھ کر ایک مٹی کے مرتبان سے آٹھ دس سیب نکال کر ہشام اور اس کے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیئے۔ بولا۔

"صاحبان! اس وقت میرے پاس یہی کچھ ہے، نوش فرمائیں۔"

ہشام کو تامل ہوا لیکن شیبان کے اصرار نے مجبور کر دیا اور ہشام اپنے ساتھیوں سمیت سیب کھانے لگا۔ جب یہ لوگ سیب کھا چکے تو شیبان نے کہا: "میرے پاس ان سیبوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں، جو پیش کر دوں۔"

ہشام نے کہا: "میں چاہتا ہوں آپ کی جھونپڑی کی کٹیا کو بہترین خانقاہ میں تبدیل کر دوں۔"

شیبان نے جواب دیا: "میں اس کی اجازت نہیں دوں گا، میں یہیں بہت خوش ہوں۔"

ہشام نے کہا: "میں جس جذبۂ عقیدت سے یہاں آیا ہوں، آپ کے انکار سے اس کو ٹھیس پہنچے گی۔"

شیبان نے جواب دیا: "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ نے میرے لئے وسیع اور خوش نما خانقاہ بنوا دی تو آپ ہی رہیے گا کیونکہ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

ہشام نے خفگی سے کہا: "یہ کیا بات ہے کہ آپ صوفی ہونے کے باوجود بد اخلاقی سے پیش آ رہے ہیں؟"

شیبان نے جواب دیا: "میں بد اخلاقی سے نہیں پیش آتا۔ یہ تو تہمت لگا رہا ہے تو چاہتا ہے کہ قصر نما خانقاہ بنوا کر میری عبادت و ریاضت اور تقوے پر پانی پھیر دے لیکن میں اس سے بچنا چاہتا ہوں اور اس احتراز اور گریز کو تو میری بد اخلاقی کہہ رہا ہے۔ ہشام یہ تیری طرف سے تہمت ہی نہیں ظلم بھی ہے میرا دل نہ دکھا۔"

ہشام نے کہا: "میں دمشق سے یہ فیصلہ کر کے نکلا ہوں کہ آپ کو کچھ نہ کچھ دے کر رہوں گا۔"

شیبان نے جواب دیا: "تیری مقدرت اور تیرے اختیارات محدود اور عارضی ہیں اس سے تو مجھے کیا دے سکتا ہے؟"

ہشام نے حاجب سے کہا: "غالب اتنے دینار دے دے کہ یہ باغوں اور کھیتوں کی محنت

مشقت سے نجات حاصل کرے اور چین اور سکون سے اللہ اللہ کرتا رہے۔"

شیبان نے جواب دیا: "میں کچھ بھی قبول نہیں کروں گا، تیری یہ کوشش فضول ہے۔"

ہشام نے گرم ہو کر کہا: "تو کیسا درویش ہے کہ میری دل آزاری کئے چلا جا رہا ہے۔ اگر تو اپنے اصولوں کا اتنا ہی پابند اور عامل ہے تو مجھ سے کچھ لینے کی بجائے مجھے کچھ عطا کر دے کیونکہ تو نے لکھ رکھا ہے کہ دادو دہش قبول عطیات سے بہتر ہے۔ عطیات قبول نہیں کرتا تو نہ کر، داد و دہش تو کر۔"

شیبان نے جواب دیا: "میں تم لوگوں کی خدمت میں کچھ پھل اور پیش کر سکتا ہوں اس سے زیادہ کی تو میں استطاعت رکھتا ہوں نہ مقدرت۔"

ہشام نے طنزاً کہا: "جب تجھ میں کچھ دینے کی مقدرت یا استطاعت نہیں ہے تو تو نے یہ اتنا بڑا قول کیوں لکھ رکھا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا: "یہ قول میرے لئے ہی نہیں، سب کے لئے ہے تیرے لئے، تیرے ساتھیوں کے لئے، دنیا کے تمام انسانوں کے لئے۔"

ہشام نے حاجب سے پوچھا: "اس درویش کی باتوں میں تلوار کی کاٹ ہے، اب میں کیا کروں؟"

حاجب نے جواب دیا: "اگر مجھے امیر المومنین کی خفگی کا خیال نہ ہوتا تو میں کٹیا میں داخل ہی نہ ہوتا اور امیر المومنین کو واپس جانے کا مشورہ دیتا۔"

ہشام نے حاجب کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ بلکہ قاضی ابن صفوان سے پوچھا: "ابن صفوان! میں تیرے کہنے پر اندر آیا ہوں۔ اب تو ہی بتا اس کھرے اور معزز صوفی سے کس طرح پیش آیا جائے؟"

قاضی نے جواب دیا: "امیر المومنین! میرے خیال میں فقیروں سے الجھنا مناسب نہیں ہے، اس لئے انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے۔"

ہشام نے درشت لہجے میں کہا: "ابن صفوان! تو نے مجھے ذلیل کرایا ہے، اس بات میں تجھے معاف نہیں کروں گا کیونکہ اگر میں اپنے حاجب کا کہا مان لیتا تو اس وقت اتنا ذلیل نہ ہونا پڑتا۔"

قاضی نے شیبان کی خوشامد کی، عاجزی سے بولا: "پیر و مرشد! میری عزت آبرو رکھ لیجئے ورنہ امیر المومنین مجھے معاف نہیں کریں گے۔"

شیبان نے پوچھا: "بول میں کیا کروں کہ ہشام تجھے معاف کر دے؟"

قاضی نے ہشام کی طرف دیکھا۔ ہشام نے کہا: "میں تجھے کچھ دینا چاہتا ہوں، بول کیا لینا پسند کرے گا؟"

شیبان نے جواب دیا: "ہشام! ایک زمانہ واقف ہے کہ میں عطیات قبول نہیں کرتا لیکن آج میں تیرے قاضی کی خاطر اپنا یہ اصول توڑتا ہوں اور تیرا کوئی بھی عطیہ قبول کرنے پر تیار ہوں۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ہشام نے اعلان کیا: "صوفی کو دو ہزار دینار مرحمت کئے جائیں اور خانقاہ بھی تعمیر کی جائے۔"

شیبان کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ آج اس کا اصول، اس کا پندار ٹوٹ چکا تھا۔

جب خلیفہ واپس جانے لگا تو اس نے عاجزی سے کہا: "حضرت! میرے لئے کوئی نصیحت؟"

شیبان نے شکستہ دلی سے کہا: "اقتدار اور اختیار کے بے جا استعمال سے گریز، عورت کی افراط اور تفریط سے بچاؤ۔ ہشیار! کیونکہ اقتدار اور اختیار کی سب سے بڑی خرابی اسی مخلوق پر ظاہر ہوتی ہے۔"

جب یہ لوگ جانے لگے تو اس نے قاضی کو چپکے سے بلوایا اور دو ہزار دیناروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ دو ہزار دینار میرے نہیں تیرے ہیں کیونکہ انہیں میں نے تیری خاطر قبول کیا تھا، اس وقت تو ہشام کے ساتھ دمشق واپس جا، لیکن پھر کبھی تنہا آ کر ان دو ہزار دیناروں کو واپس لے جا، یہ میرے پاس تیری امانت ہیں۔"

قاضی نے بڑا حضوری جواب دیا: "نہیں میں ان دیناروں کو نہیں لے سکتا۔"

شیبان نے کہا: "اور میں ان دیناروں کو رکھ نہیں سکتا۔ اگر تو نہیں لے گا تو پھر میں انہیں ہشام کو واپس کر دوں گا۔"

قاضی نے کہا: "اگر آپ ایسا کریں گے تو امیرالمومنین کی خفگی مول لیں گے اور پتہ نہیں غصے میں وہ کیا کر بیٹھیں؟"

شیبان نے کہا: "تب پھر تو انہیں قبول کر لے۔"

قاضی نے پس و پیش سے کہا: "پیر و مرشد! بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر میں آپ سے یہ دو ہزار دینار لے بھی لوں گا تو اس کا علم کسی نہ کسی طرح امیرالمومنین کو بھی ہو جائے گا اور آخر کار میں کسی عتاب کا شکار ہو جاؤں گا۔"

شیبان نے جواب دیا: "یہ بات کسی تیسرے کو جب معلوم ہی نہ ہوگی تو ہشام تک کس طرح پہنچے گی۔"

بہرحال بدرجہ مجبوری قاضی کو یہ دو ہزار دینار قبول کرنا پڑے اور بعد میں شیبان نے خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کیا گویا اس کے سر پر ایک پہاڑ آ گرا تھا، جسے اس نے اتار پھینکا تھا۔ ہشام کے چلے جانے کے بعد شیبان کو فکر ہو گئی کہ اب ہشام کے آدمی آئیں گے اور اس کی کٹیا کو تعمیر خانقاہ بنا کر چلے جائیں گے جبکہ وہ خلیفہ کا احسان نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ جگہ ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ ایک بار پھر نقل مکانی پر مجبور ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا افسوس تھا کہ یہاں جو لوگ آتے تھے وہ ان سے بہت مانوس ہو گیا تھا، اور اب وہ جس جگہ جائے گا

ان سے مانوس ہونے میں کافی وقت لگے گا۔

اس نے چپ چاپ اپنی اس جگہ کو خیرباد کہا اور دمشق کے شمال میں سایہ فگن پہاڑ قاسیون کی راہ لی۔ یہاں بھی بڑے بڑے غار تھے اور یہاں بعض غاروں میں انبیا علیہم السلام اور بزرگان صالحین کی یادگاریں اور قبریں تھیں۔ یہیں مغارۃ الدم نامی غار بھی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قابیل نے یہاں اپنے بھائی ہابیل کا خون بہایا تھا۔ یہاں خون کا ایک ایسا نشان بھی موجود ہے جس کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ ہابیل کا خون ہے جو خشک ہو گیا ہے۔ یہیں ایک ایسا پتھر بھی موجود ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس سے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا سر پھاڑا تھا۔ شیبان کو اس سے اچھی جگہ نہیں مل سکتی تھی اس لئے اس نے یہیں کٹیا بنانے کا ارادہ کر لیا۔ شیبان نے جبل قاسیون میں داخل ہوتے ہی مقامات مقدسہ کی زیارت کی، اس کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ تزکیہ نفس اور مجاہدے کے لئے اس سے بہتر جگہ نہیں پا سکتا تھا۔

اس نے یہاں بھی محنت اور مزدوری سے اپنی روزی کمانا شروع کر دی۔ اس نے اپنے لئے لکڑی کا مکان بنایا جس پر کسی قسم کا رنگ روغن نہیں تھا۔ یہاں بھی ارادت مندوں میں اضافہ ہونے لگا اور شہرت چاروں طرف پھیلنے لگی۔ اس بار اس نے جس جگہ کٹیا بنائی تھی یہ جگہ پہاڑی ہوتے ہوئے بھی مسطح تھی اور اس سے ذرا فاصلے پر ایک چشمہ رواں تھا۔ یہاں انجیر، سیب، انگور اور پستے کے درختوں کی بھرمار تھی۔

یہاں کچھ ہی مدت بعد یہ تجربہ بھی ہوا کہ اس کے پرانے ارادت مندوں نے اسے تلاش کر لیا اور اس کے پاس حاضری دینے لگے۔

ایک دن سہ پہر کو جب وہ اپنی کٹیا میں داخل ہوا تو اس نے اپنی کٹیا کے پیچھے ایک دوسری کٹیا بنتے دیکھی۔ شیبان کا خیال تھا اس جیسا کوئی دوسرا درویش بھی شاید اس کے پڑوس میں آ گیا ہے۔ اس کو جستجو تو نہیں تھی لیکن ایک دن اچانک جو اس نئی کٹیا کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ بڑی شاندار کٹیا تھی اور اسے پوری نگرانی اور احتیاط سے کاریگروں اور مزدوروں سے بنوایا گیا تھا۔ اس کی چھت کو اس طرح پاٹا گیا تھا کہ بارش میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک سکتا تھا۔

جب یہ کٹیا تیار ہو گئی تو ایک ادھیڑ عمر شخص نے شیبان کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا: "حضرت! میں آپ کی خدمت میں پہلے ہی حاضری دینے والا تھا لیکن پھر میں نے یہ سوچا کہ پہلے سر چھپانے کے لئے ٹھکانہ بنا لوں، اس کے بعد آپ کے نیاز حاصل کروں۔"

شیبان نے جواب دیا: "خوب! بات کر لی بڑی مہربانی، ورنہ اس دنیا میں کس کے پاس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اتنا وقت ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور پر توجہ کر سکے۔"

پڑوسی نے پوچھا۔ "حضرت یہ جو اقوال آپ نے اپنی کٹیا کے باہر لکھ رکھے ہیں کیا ان پر آپ عمل بھی فرماتے ہیں؟"

شیان نے جواب دیا۔ "حتی الوسع، حتی المقدور، خدا قول و عمل کے تضاد کی لعنت سے محفوظ رکھے۔"

پڑوسی نے کہا: "حضرت! اس میں کچھ میری طرف سے اضافہ فرما لیں۔"

شیان نے پوچھا: "وہ کیا؟"

پڑوسی نے جواب دیا۔ "اپنے اقوال کے نیچے لکھ دیجئے، تجرد تاہل سے بہتر ہے۔"

شیان کو شبہ گزرا کہ پڑوسی اس پر طنز کر رہا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ پڑوسی شیان کی خاموشی کا مطلب سمجھ گیا، بولا میں آپ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

شیان نے جواب دیا۔ "میں یہ قول نہیں لکھ سکتا کیونکہ میں تاہل پر تجرد کی برتری اور بہتری ثابت نہیں کر سکتا۔"

پڑوسی نے شیان کا زیادہ وقت نہیں لیا، چلا گیا، لیکن اسے دوسرے دن یہ معلوم ہوا کہ پڑوسی نے اس کی مرضی کے خلاف اس کے اقوال کے نیچے موٹا موٹا لکھ دیا تھا۔

"تجرد تاہل سے بہتر ہے۔"

شیان کو پڑوسی کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ اس کے قول کے نیچے کسی اور کا اپنا قول لکھ دینا اس کے لیے یوں خطرناک بات تھی کہ وہ اس کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتا تھا اور جس کی صداقت وہ ثابت نہ کر سکتا ہو اس کی ذمے داری کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ اس نے پڑوسی کا قول مٹا دیا اور اس کا انتظار کرنے لگا کہ وہ آئے تو اس کو منع کر دیا جائے کہ وہ آئندہ اپنا کوئی قول اس کے اپنے قول کے آس پاس نہ لکھے، لیکن پڑوسی نہیں آیا۔ دو دن بعد وہ خود ہی پڑوسی کے در پر پہنچ گیا اور دستک دی، لیکن اندر سے کسی مرد کی جگہ عورت کی آواز سنائی دی۔ "کون؟"

شیان جھجک گیا، دبی دبی آواز میں پوچھا۔ "کیا کوئی مرد اندر نہیں ہے؟"

کسی دوسری نوجوان نسائی آواز نے آپس میں کہا۔ "ماں یہ تو اپنے صوفی جی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔"

شاید اب یہ دونوں عورتیں دروازے کے پاس ہی آ چکی تھیں۔ ایک عمر رسیدہ زنانی

آواز نے پوچھا۔ "پیر و مرشد! آپ کسے پوچھ رہے ہیں؟"

شیان نے دبی آواز میں پوچھا۔ "کیا اندر کوئی مرد نہیں ہے؟"

جواب ملا۔ "نہیں ان سے آپ کو کام کیا ہے؟"

شیان نے پوچھا۔ "لیکن دو دن پہلے تو اس میں ایک صاحب موجود تھے، وہ کہاں چلے گئے؟"

عورت نے جواب دیا۔ "ہاں دو دن پہلے بے شک یہاں تھے لیکن اب وہ چلے گئے اور پتہ نہیں اب وہ کب واپس آئیں گے اور کون جانے کہ واپس آئیں گے بھی یا نہیں۔"

کسی لڑکی نے کہا۔ "ماں! صوفی جی کو ساری باتیں بتا دو۔"

شیان کے کان میں ایک عرصے بعد کسی لڑکی کی مترنم آواز پڑی تھی۔ اس کا سارا وجود ہل گیا اور پورے جسم میں سرور و کیف سا دوڑ گیا۔ اسی لمحے اسے دونوں راہبوں کا قول یاد آ گیا، جس میں عورتوں اور پادریوں سے دور رہنے کی تلقین کی گئی تھی، وہ شاید بھاگ کھڑا ہوتا لیکن فوراً ہی اسے اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہوا اور اسلام میں عورتوں سے حذر کرنے کی تلقین نہیں کی گئی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے قابو میں نہیں تھا، بمشکل پوچھا۔ "کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ کے خاندان کا مرد کہاں چلا گیا اور کیوں چلا گیا؟ اور اب آپ لوگوں کی کفالت کون کرے گا؟"

غالباً لڑکی کی ماں نے کہا۔ "نائلہ! تو اندر جا، میں بات کرتی ہوں۔" اس کے بعد شیان سے کہا۔ "حضرت! جیسا کہ میں نے بتایا کہ میرا شوہر چلا گیا ہے اور میں نہیں معلوم کہ وہ کب آئے گا اور یہ کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں۔ رہا اس کنبے کی کفالت کا مسئلہ تو اللہ مالک ہے۔"

شیان نے زیادہ جستجو نہیں کی کیونکہ رسول اللہ کا یہ قول اسے یاد تھا کہ تجسس و جستجو مت کرو، وہ اپنی کٹیا میں واپس چلا آیا۔ اس دن اس نے خود میں یہ تبدیلی محسوس کی کہ اس کا سکون تباہ ہو چکا تھا اسے اپنے پڑوسیوں سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی، کسی امداد کے بغیر ہی وہ یہ سوچنے لگا کہ ان غریب عورتوں کا کیا حشر ہوگا؟ کسی مرد کے بغیر کام کس طرح چلے گا؟ اس دن عبادت اور مراقبے میں بھی اسے یہی خیال ستاتا رہا۔

رات کو جب وہ تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا تو ذہن میں طرح طرح کے سوالات ابھرنے لگے۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ ان پراگندہ اور فضول سوالوں سے پیچھا چھڑا لے لیکن ناکام رہا اس رات عبادت میں بھی وہ مزہ نہیں آیا۔ رات نیند بھی صحیح طرح نہیں آئی، اور جب سویا تو خواب بھی عجیب عجیب سے نظر آتے رہے۔ صبح فجر کی دو رکعت کے دوران اس نے سوچا کہ

Scanned and Uploaded By Muhammed Nadeem

اگر پڑوسی واپس نہ آیا تو ان غریب عورتوں کا کیا بنے گا؟ پھر اس سوال کو اس خیال نے رد کر دیا کہ یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے تو خواہ مخواہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہے لیکن اس لمحے اسے رسول اللہ کی وہ حدیثیں یاد آ گئیں جن میں آپ نے پڑوسیوں کے بارے میں اتنی ہدایتیں کی تھیں کہ یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ پڑوسیوں کو کہیں ورثے میں بھی شامل نہ کر لیا جائے۔ ان حدیثوں کی رو سے اس پر یہ فرض ہو گیا تھا کہ پڑوسی کی عدم موجودگی میں وہ ان دونوں عورتوں کا خاص خیال پیدا ہوتا اور دوسرا اسے رد کر دیتا۔ یہاں تک جب اس نے سلام پھیرا تو اس وہم نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا کہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔

اس دن وہ کھیتوں پر بھی نہیں جا سکا۔ پڑوسی کا خوبصورت اور مضبوط لمبا سا مکان اس کی کٹیا کی پشت پر تھا۔ دونوں کی پشتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور پڑوسی نے پشت کی مضبوطی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس کے خیال میں یہ حصہ شیبان کی وجہ سے بالکل محفوظ تھا۔ شیبان نے اپنی کٹیا کو اندر سے بند کر لیا اور اندر کے عقبی حصے سے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مٹی کی دراڑوں سے دوسری طرف کا سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک چالیس پینتالیس سالہ عورت کو کچھ پکاتے ہوئے دیکھا لیکن وہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا، جسے اس عورت نے نائلہ کہہ کر مخاطب کیا تھا اور جس کی مترنم آواز نے اس کے کانوں کے راستے دل اور پھر پورے جسم میں ایک رس ایک کیف سا گھول دیا تھا لیکن وہ لڑکی کہیں بھی نظر نہ آئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گھر میں اس ایک عورت کے سوا کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

اچانک عورت نے آواز دی۔ "نائلہ تو اندر کیا کر رہی ہے ذرا ادھر میرے پاس تو آ۔"

جواب میں نائلہ کی ترنم سے لبریز آواز سنائی دی۔ "آئی ماں، ابھی آئی۔"

اس کی آواز نے شیبان کے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اسی لمحے کٹیا کے در پر کسی نے دستک دی۔ شیبان کو کسی کی اس بے موقع آمد پر سخت غصہ آیا، وہ بدستور لڑکی کو دیکھنے میں منہمک رہا۔ کسی نے دروازے پر دوبارہ دستک دینا شروع کر دی، اور نائلہ تھی کہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ شیبان نے بادل نخواستہ کٹیا کا دروازہ کھولا، سامنے اس کے کھیت کا ایک دوسرا مزدور کھڑا تھا، اس نے کہا۔ "حضرت، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آج آپ کام پر نہیں پہنچے کوئی خاص بات ہے؟"

شیبان نے بے دلی سے جواب دیا۔ "آج میری طبیعت کام پر راغب نہیں تھی، اس لیے نہیں پہنچا، کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

مزدور نے کہا۔ "کھیت کے مالکان کو الگ فکر تھی، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی خیریت معلوم کر آؤں، چنانچہ میں آ گیا۔"

شیبان نے بدستور بے دلی سے کہا۔ "ہاں میری طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بس کام کرنے کو جی نہیں چاہا۔"

مزدور چپ ہو گیا۔ شیبان باتوں کو طول نہیں دینا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا یہ جلد از جلد واپس چلا جائے لیکن مزدور اس طرح اطمینان سے بیٹھ گیا کہ اٹھنے کا ارادہ ہی نظر نہ آتا تھا۔ شیبان کو یہ قلبی دکھ پہنچ رہا تھا کہ افسوس اگر نائلہ ماں کے پاس آئی بھی ہو گی تو وہ اسے نہیں دیکھ سکے گا، وہ پھر اپنی جگہ واپس جا بیٹھے گی۔ اسے مزدور پر غصہ آ رہا تھا۔ جو اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے مزدور سے پوچھا۔ "مجھ سے کوئی اور کام ہے؟"

مزدور نے جواب دیا۔ "آپ سے کام تو کوئی نہیں، معلوم نہیں کیوں آپ کی صحبت میں بڑا جی لگتا ہے اور اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

شیبان نے کہا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں اور پھر میری وجہ سے تم اپنا نقصان کیوں کرو، جاؤ اور محنت مزدوری کر کے بیوی بچوں کا پیٹ پالو۔"

مزدور پر اس نصیحت کا کوئی خاص اثر نہ ہوا، بولا۔ "حضرت! لوگوں کو حیرت اس بات پر ہے کہ آپ نے نوجوانی میں دنیا چھوڑ دی، یہ بڑا مشکل کام ہے۔"

شیبان نے ٹالنے کی کوشش کی، بولا۔ "اس میں کمال کی کیا بات ہے بس میرا دل دنیا سے بیزار ہو گیا اور میں نے دنیا چھوڑ دی اور یہ کام ہر وہ شخص کر سکتا ہے جسے خدا کی توفیق حاصل ہو جائے۔"

مزدور نے انکسار اور عقیدت سے عرض کیا۔ "حضرت! میرا دل بھی دنیا سے اچاٹ ہو چکا ہے اور آج کئی دن سے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ ہی کی طرح دنیا کو لات مار دوں اور آپ کے قدموں میں آ رہوں، اس لیے آج میں نے بھی کام نہیں کیا اور آپ کے پاس چلا آیا۔"

شیبان کو اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ مزدور تو اس کے حق میں بلائے بے درماں ہو گیا تھا۔ شیبان نے اسے نصیحت کی۔ "تیرے بیوی بچے ہیں اس لئے تو دنیا کو ترک کرنے کا اپنے دل میں خیال تک نہ لا۔ اس وقت کام پر واپس جا اور محنت مزدوری سے جی نہ چرا، تیرے سر پر بڑی ذمے داریاں ہیں۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

مزدور نے اصرار کیا۔ "حضرت! آپ کچھ بھی کہیں، میں یہیں آپ کے پاس رہوں گا اور آپ کی خدمت کروں گا، آپ کی پیاری باتیں سنوں گا۔"

شیبان نے روکھے لب و لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تجھے یہ مشورہ نہیں دوں گا، تو آج میری طرح چھٹی ہی کرنا چاہتا ہے تو اپنے یہ فرصت اور فراغت کے لمحات اپنے بیوی بچوں میں گزار کیونکہ تیرا یہ عمل بھی عبادت ہی میں شمار کیا جائے گا۔"

لیکن مزدور پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا، بولا۔ "بیوی بچوں میں پھنس کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آدمی اگر اللہ سے لو لگانے کی نیت رکھتا ہو تو اسے شادی نہیں کرنا چاہیے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "تو کیسی باتیں کر رہا ہے، جب تک آدمی شادی نہیں کرتا، ادھورا رہتا ہے، اب تم مجھی کو دیکھ لو، میں معلوم نہیں کیا ہوں لیکن اپنی جگہ یہ بھی معلوم ہے کہ میں ایک ادھورا انسان ہوں اور اس وقت تک ادھورا رہوں گا جب تک میں شادی نہیں کر لوں گا۔"

مزدور نے حیرت سے کہا۔ "واہ جناب! یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں خلوص اور ایمانداری سے کہہ رہا ہوں۔"

مزدور نے شیبان کے احترام میں زیادہ بحث مناسب نہیں سمجھا۔ شیبان نے بے رخی سے کہا۔ "میں آرام کرنا چاہتا ہوں، اب تم اپنے گھر جاؤ۔"

مزدور کھسیانا ہو کر کٹیا سے نکل گیا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آج یہ شیبان کو کیا ہو گیا ہے۔

شیبان نے کٹیا کو اندر سے بند کر لیا اور دوبارہ عقبی حصے سے دوسری طرف جھانکنے لگا، لیکن اب وہاں نہ ماں تھی نہ اس کی بیٹی، دونوں ہی اندر چلی گئی تھیں۔ وہ مزدور کو برا بھلا کہنے لگا۔ وہ بڑی دیر کھڑا نائلہ کے باہر نکلنے کا منتظر رہا لیکن وہ نہیں نکلی یہاں تک کہ پاؤں جواب دے گئے اور وہ آنکھیں بند کر کے چٹائی پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ نائلہ کے تصور ہی میں کھویا رہا لیکن پھر اس کے وجود میں زہد و تقویٰ بیدار ہو گیا اور وہ اپنی تھوڑی دیر پہلے کی حرکتوں پر نادم اور شرمسار ہو گیا اس کا دل گھبرایا اور خود پر لعنت ملامت کرنے لگا اس نے سوچا دونوں راہب سچ ہی کہہ رہے تھے کہ عورتوں سے حذر کرنا چاہیے۔

ظہر کی نماز میں دوبارہ ایک بار پھر نائلہ کا خیال آیا لیکن اس نے قابو پا لیا اور اپنا دھیان زبردستی اللہ کی طرف رکھا لیکن اس جبر اور زبردستی میں بھی نائلہ کے خیال کی جھلکیاں آتی جاتی رہیں، نماز پڑھ چکنے کے بعد وہ سجدے میں گر کر رونے لگا اس کی سیاہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وہ رو رو کر کہنے لگا۔ "اے میرے رب! مجھے لغزش سے بچا اور نائلہ کا خیال دل سے دور کر دے، مجھ سے میری بینائی چھین لے کہ میں نائلہ کو دیکھ ہی نہ سکوں، میری سماعت چھین لے کہ میں اس کی آواز ہی نہ سن سکوں، میرے پیروں کی توانائی زائل کر دے کہ میں نائلہ کی جستجو ہی نہ کر سکوں۔"

مناجات کے بعد اسے سکون سا آ گیا۔

رات کو عشاء کے بعد کسی نے کٹیا کے در پر دستک دی، شیبان نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے جواب ملا۔ "حضرت! میں ہوں نائلہ کی ماں، دروازہ کھولئے۔"

شیبان کا دل ایک بار پھر زور سے دھڑکا، مگر اس نے دل پر قابو پانے کی کوشش کی، پوچھا۔ "اس وقت میرے پاس کیوں آئی ہو؟"

عورت نے خوشامدانہ کہا۔ "دروازہ تو کھولئے۔"

شیبان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔

عورت نے خوشامد کی۔ "حضرت! خدا کے لئے دروازہ کھولئے میں بہت پریشان ہوں۔"

شیبان نے دروازہ کھول تو دیا لیکن یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ اس عورت کو سختی سے منع کر دے گا کہ اس کے پاس آئندہ نہ آئے۔

دروازہ کھلتے ہی عورت اپنی بیٹی نائلہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ شیبان نائلہ کی جھلک دیکھتے ہی بدحواس ہو گیا اندر کمزور لو کا چراغ جل رہا تھا۔ شیبان نے چراغ کی کمزور روشنی میں نائلہ کو بہ جبر اچھی طرح دیکھنے کی کوشش کی، نائلہ نے بھی اسے ایک نظر دیکھا اور شرما کے گردن جھکا لی۔

شیبان نے ان دونوں کو چٹائی پر بٹھا دیا اور خود ان دونوں کے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر دونوں کی طرف سے خاموشی رہی، عورت کٹیا کا جائزہ لیتی رہی اور نائلہ نے مستقلاً سر جھکا لیا۔ شیبان بھی چوری چھپے نائلہ پر نظریں ڈال کر سہم جاتا۔

اچانک عورت نے شکوتاً کہا۔ "پیر و مرشد! میں ایک دکھیا عورت ہوں، میرا شوہر عراقی ہے یا کچھ اور، میں نہیں جانتی۔ وہ اکثر و بیشتر خود کو اس عہد کا بہت بڑا روحانی آدمی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھ پر الہام ہوتا ہے۔ کبھی یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ وہ رویائے صادقہ دیکھتا ہے۔ میں اس کی باتوں سے عاجز آئی ہوئی تھی اور ہم دونوں میں ان باتوں پر اکثر و بیشتر جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا۔"

شیبان نے پوچھا۔ "تم دونوں کے یہاں آنے کا کیا سبب ہوا؟"

عورت نے جواب دیا۔ "وہی تو میں بتا رہی ہوں۔ ایک دن فجر کی نماز پڑھ کر وہ سو گیا اور کچھ دیر بعد جب بیدار ہوا تو کہنے لگا، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی اور بیٹی کو کسی ویرانے میں چھوڑ آؤ، اور ان دونوں کو اس وقت تک ویرانے میں رہنے دو جب تک خدا دوبارہ یہ حکم نہ دے کہ انہیں گھر واپس لے آؤ۔ چنانچہ وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں ہم دو کو اس ویرانے میں چھوڑ گیا۔"

شیبان نے کہا۔ "خدا نے اسے یہ حکم کیوں دیا؟"

عورت نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں، لیکن میرا شوہر یہ کہتا تھا کہ یہ اس قسم کا حکم جیسا حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا۔"

شیبان نے افسوس سے کہا۔ "لیکن یہ طے ہے کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں ک اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت ہوگی۔"

عورت نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتی کہ اس میں خدا کی کیا مصلحت ہے۔ معل نہیں مجھے یہاں کب تک رہنا ہوگا، یہ سوچ سوچ کر میرا دل ہولتا ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے مارے ڈر کے ہم دونوں کا حشر کیا ہوتا۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ دونوں اللہ سے لو ساری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

عورت نے اپنی بیٹی نائلہ سے کہا۔ "تو سر جھکائے کیا بیٹھی ہے، اب پیر و مرشد ہمارے عزیز اور سرپرست ہیں، ان سے کیا شرمانا۔"

نائلہ نے سر جو اٹھایا اور شیبان سے نظریں جو ملیں تو گویا بجلی سی کوند گئی، شیبا کو پسینہ آ گیا۔

عورت کچھ دیر بیٹھ کر واپس جانے لگی تو ماں کے اشارے پر نائلہ نے کہا۔ "میری گزارش ہے کہ جب تک ہم لوگ آپ کے پڑوسی ہیں، آپ کے کھانے کا بندوبست ہم کر دیا

شیبان نے تکلفاً جواب دیا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لئے کسی زحم میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

عورت نے اصرار کیا۔ "نہیں پیر و مرشد، نائلہ جو کچھ کہہ رہی ہے، درست کہہ رہی ہے، آپ کا پڑوس ہمارے لئے باعث برکت ہے۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مانوں گی۔"

وہ دونوں چلی گئیں لیکن شیبان کو پریشانی میں ڈال گئیں۔ نائلہ اس کے دل و دماغ پر مستولی ہوتی جا رہی تھی۔ نائلہ کے آنے، شرمانے اور مترنم آواز سے رس گھولنے تک ساری باتیں دل و دماغ میں مرتسم ہو گئی تھیں اور یہ کسی ارادے اور توجہ کے بغیر ہو رہا تھا۔ شیبان کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ نصف شب کے بعد جب وہ تہجد کے لئے کھڑا ہوا تو اس کا دل اچاٹ تھا، اس نے بڑی کوشش کی کہ اپنی سابقہ یکسوئی واپس لے آئے لیکن ناکام رہا۔ جب وہ سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوتا تو تصور میں نائلہ کھڑی مسکرا رہی ہوتی۔ اس نے اپنے ان سجدوں اور نمازوں کے عوض پھر سے عبادت شروع کی اور اس بات کی کوشش کی کہ نیت نماز سے لے کر رکوع و سجود اور سلام تک اللہ کے سوا نائلہ کا خیال تک نہ آئے لیکن اس بار بھی ناکامی ہوئی اور نائلہ کا پیکر خیال اس کے دل و دماغ پر طاری رہا۔ اس جدوجہد میں رات ختم ہو گئی اور فجر طلوع ہوئی۔ اس نے فجر کی نماز کے لئے تازہ وضو کیا اور دیر تک شیطان پر لاحول پڑھنے کے بعد فجر کی نماز شروع کی، لیکن اس نے فوراً ہی یہ محسوس کر لیا کہ شیطان نائلہ کے ذریعے اس کی تباہی کے درپے ہے۔

نماز کے بعد اسے اپنی حالت پر رونا آ گیا۔ وہ مصلے پر ہی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ شدت جذبات سے اس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگا۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے اور بڑی رقت سے دعا مانگی گئی "رب العالمین! میں تیرا کمزور اور مجبور بندہ ہوں۔ یہ نائلہ کو بھیج کر تو نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا۔ میں تجھ سے کسی قسم کی رعایت نہیں چاہتا لیکن فی الحال اتنا کرم کر کہ میرے ان سجدوں کو بھی شرف قبولیت بخش، جو نائلہ کے تصور سے آلودہ ہوں۔ میرے رب! مجھے اس عذاب سے نکال اور صحیح راستہ دکھا، بتا کہ ان حالات میں میں، میں کیا کروں؟"

ابھی وہ مناجات سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ باہر سے عورت کی آواز سنائی دی۔

"پیر و مرشد! صبح کا کھانا میں بھیجوں گی۔ نائلہ تیار کر رہی ہے۔ آپ نہ پکائیے گا۔"

شیبان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ چپ چاپ پڑا رہا۔ عورت جواب نہ پا کر یہ سوچ کر واپس چلی گئی کہ شاید پیر و مرشد کی آنکھ لگ گئی۔

کچھ دیر بعد شیبان اٹھا اور کھیتوں پر نکل گیا۔ وہ سارا دن غائب رہا۔ اس دن

کھیت پر کام کرنے والوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ سشیان کسی انتشار کا شکار ہے وہ اپنے ساتھیوں سے الگ تھلگ چپ چاپ کام میں لگا رہا۔ شام کو اجرت لی اور سیدھا کٹیا میں جانے کے بجائے بے مقصد اِدھر اُدھر گھومتا، عصر مغرب کی نمازیں بھی راہ میں پڑھ لیں، رات کے اندھیرے میں جب وہ کٹیا میں داخل ہوا تو تھکان سے برا حال تھا۔ اس نے چراغ جلایا۔ اپنے ساتھ کچھ پھل لیتا آیا تھا۔ انہیں کھا کر عشاء کے لئے وضو کیا اور مصلّے پر کھڑا ہو گیا۔ کٹیا کا دروازہ کھلا رہ گیا

نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ مصلّے سے اٹھا تو اسے اپنی چٹائی پر نائلہ اور اس کی ماں بیٹھی دکھائی دیں۔ نائلہ کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہ سشیان کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ سشیان کے ضبط و احتیاط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"ارے یہ تم ہو! خوب! کب آئیں؟"

نائلہ کی ماں نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی آئی ہوں اور یہ آپ صبح بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے؟"

سشیان نے کہا۔ "شاید آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ میں محنت مزدوری کر کے گزر بسر کرتا ہوں۔ میں کام پر چلا گیا تھا۔"

نائلہ کی ماں نے شکایتاً کہا۔ "لیکن ہم دونوں نے آپ کا بڑا انتظار کیا۔ آپ کا کھانا ابھی تک رکھا ہے، شاید آپ نے ابھی تک ہمیں اپنا نہیں سمجھا۔"

سشیان نے جواب دیا۔ "یہ بات نہیں ہے میں آپ دونوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں لیکن آپ میرے کھانے کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیں، کیونکہ یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔"

عورت نے پوچھا۔ "آخر پسند کیوں نہیں ہے؟"

سشیان نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے حق میں ہبہ کر دیا ہے اور اپنے سارے کام اپنے ہاتھ ہی سے کرنا چاہتا ہوں، آپ دونوں کا قیام عارضی ہے اور مجھے زندگی بھر یہیں رہنا ہے اس لئے میں آپ کے سہارے رہ کر خود کو ضائع نہیں کر سکتا۔"

نائلہ کی ماں کو سشیان کی باتیں ناگوار گزریں، بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی، بولی

"نائلہ چل اپنے گھر چلیں، میں پیر و مرشد کو ناراض نہیں کر سکتی، میں نے ان کے وجود کو بڑی غنیمت جانا تھا لیکن ان کی اس وقت کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ آدمی کو ماحول کیا سے کیا بنا دیتا ہے، لوگ ویرانوں میں رہ کر وحشی ہو جاتے ہیں۔ انہیں آدمیوں کی صحبت سے ڈر یا الجھن محسوس ہونے لگتی ہے، اب میں پیر و مرشد کو کبھی کوئی تکلیف نہ دوں گی۔"

نائلہ نے ماں سے کہا۔ "لیکن پیر و مرشد نے جو بات کہی ہے اس میں فقر اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ مجھے تو ان کی بات بری نہیں لگی۔ پھر آپ کیوں برا مان گئیں؟"

ماں کو اور غصہ چڑھا، نائلہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کٹیا سے جاتی ہوئی بولی۔ "اگر تو یہاں بیٹھنا چاہتی ہے تو بیٹھ، میں چلی۔"

نائلہ اس کے پیچھے دوڑی اور بولی۔ "ماں! تم مجھے کس کے پاس چھوڑے جا رہی ہو، میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

ماں نے جواب دیا۔ "لیکن............ میں نے جو فیصلہ کیا ہے اپنے لئے کیا ہے، تو اس خشک پیر کے پاس بیٹھ اور ان کے وعظ سنتی رہ کیونکہ دین و دنیا انہی وظیفوں سے سدھرتے ہیں۔"

ماں چلی گئی، بیٹی سشیان کے پاس ہی بیٹھی رہی، سشیان نے بتی کی لو بڑھا دی جس سے روشنی بڑھ گئی۔ اس نے نائلہ کی ماں کی عدم موجودگی میں نائلہ کو اچھی طرح دیکھا اور اعتراف کیا دل میں کہ نائلہ جیسی حسین لڑکی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، بیضوی چہرہ، بادامی بڑی بڑی آنکھیں، ناک ستواں، دانت چھوٹے چھوٹے، آنکھوں میں ایک خاص چمک اور کشش! اس نے بڑی ادا سے پوچھا۔ "کیا آپ ہمیں بستی کا غیر سمجھتے ہیں؟"

سشیان نے جواب دیا۔ "نہیں تو، ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خود کو کاہل بنا کے عزت نہیں بنانا چاہتا، میں تم لوگوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔"

نائلہ نے کہا۔ "ایک ذرا سی بات میں آپ کہاں تک چلے گئے! آپ نے ہمارا دل توڑ دیا میری ماں پہلے ہی بڑے دکھ جھیل چکی ہیں۔ اب یہاں آپ نے بھی انہیں اذیت پہنچائی، میں آپ سے درخواست کروں گی کہ انہیں دکھ نہ پہنچایئے، ان کا دل نہ توڑیے آپ کو جو زیادتی کرنی ہو، میں حاضر ہوں، شوق سے کیجئے۔"

سشیان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نائلہ اس سے یوں بے تکلف ہو کر بات کرنے لگے گی۔ وہ کچھ دیر بڑی محبت سے نائلہ کی صورت دیکھتا رہا، نائلہ نے بھی سشیان کی وارفتگی کو محسوس کر لیا کچھ دیر تک جواب نہ پا کر بولی۔ "آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

سشیان نے جواب دیا۔ "نائلہ! میں تیری باتوں کا کیا جواب دوں؟ میں تیری ماں تو کیا کسی کا بھی دل نہیں دکھا سکتا۔ میں صوفی ہوں اور صوفی دل کو خدا کا گھر کہتے ہیں، پھر ایک صوفی خدا کے گھر کو کوئی نقصان کس طرح پہنچا سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا اپنی انا کی خاطر کہا، میں مشتبہ لقمہ اپنی حلق سے نہیں اتار سکتا۔"

نائلہ نے کہا۔ "میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے گھر کا کھانا مشتبہ نہیں ہے میں سچ کہتی ہوں، میری بات پر یقین کیجئے۔"

شیبان نے کہا۔ "اچھا چل، میں نے تیری بات کا یقین کر لیا، بتا تو کیا چاہتی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "میں چاہتی ہوں کہ میری ماں خوش رہے، ہشاش بشاش رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب آپ میری ماں کا دل نہ توڑیں۔"

شیبان نے ہتھیار ڈال دیئے، بولا۔ "نائلہ! تو کہتی ہے تو میں مانے لیتا ہوں۔ اپنی ماں سے کہہ دے، کل سے میں تیرے ہی گھر میں کھاؤں گا لیکن اب ایک شرط میری بھی قبول کر لے۔"

نائلہ نے بڑے تیکھے انداز میں سر ہلا کر ترچھی نظروں سے شیبان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "وہ کیا؟ کون سی شرط؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اب میں جو کچھ بھی کما کر لاؤں گا تیرے حوالے کر دیا کروں گا۔ اس سے کھانا پکا کرے گا اور ہم تینوں مل کر کھایا کریں گے۔"

نائلہ نے کہا۔ "تجویز تو اچھی ہے لیکن ماں کی منظوری ضروری ہے۔"

شیبان نے کہا۔ "تب پھر جا اور اسی وقت منظوری حاصل کر لے، میں تیرا انتظار کروں گا۔"

نائلہ نے شوخی سے پوچھا۔ "کیا اس طرح آپ مجھے بھگانا چاہتے ہیں؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "نہیں تو بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر تو یہ خبر اپنی ماں کو پہنچا دے گی تو اس کا غم ہلکا ہو جائے گا اور وہ خوش ہو جائے گی۔"

نائلہ کھڑی ہو گئی، بولی۔ "اچھا میں جاتی ہوں اور ماں کو خوشخبری سنائے دیتی ہوں لیکن ایک بات یاد رہے، وہ یہ کہ میں ابھی واپس بھی آؤں گی اور آپ سے بہت ساری باتیں کروں گی۔"

شیبان اسے منع نہیں کر سکا کہ رات کو وہ عبادت کرتا ہے اس لئے اب وہ واپس نہ آئے لیکن نائلہ چلی گئی اور شیبان اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا کیونکہ اب وہ ذرا سہم گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر کہیں خدا نخواستہ اس کی کوئی بات نائلہ کو بھی ناگوار گزری تو وہ بھی اپنی ماں کی طرح روٹھ کر چلی جائے گی۔

رات کے سناٹے میں کہیں کہیں جھینگروں کی آوازیں سکوت کو تہ و بالا کر رہی تھیں۔ تہجد کا وقت بھاگا چلا آرہا تھا۔ وہ مصلے پر بیٹھا تھا اور معلوم نہیں مناجات میں کیا کچھ کہہ

رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کی داڑھی بھیگ گئی۔ دل پر رقت یوں طاری تھی کہ حلق سے اس کی آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

نائلہ اپنی بشاش ماں کا ہاتھ پکڑے ہوئے کٹیا میں واپس آئی اور شیبان کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ ماں کا بھی خوشی سے عجیب حال تھا، وہ بار بار یہی کہے جا رہی تھی۔ "میں تو یہی کہوں کہ ایک صوفی کسی انسان کا دل کیسے توڑ سکتا ہے۔ یہ لوگ تو خلق و محبت کے مجسمے ہوتے ہیں۔"

دونوں شیبان کے سامنے بیٹھ کر اس کی مدح و ستائش میں لگ گئیں اور شیبان اپنے انجام کو سوچ سوچ کر کانپنے لگا۔ تہجد کا وقت آ گیا لیکن وہ دونوں نہیں ٹلیں۔ نماز کی طرف اس کی طبیعت ہی نہیں راغب ہو رہی تھی، یہی دل چاہتا تھا کہ نائلہ اس کے سامنے بیٹھی رہے اور وہ اس کی صورت دیکھتا اور آواز سنتا رہے۔

چند ہفتوں میں اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ان دونوں سے بالکل بے تکلف ہو گیا۔ نائلہ اور اس کی ماں کو شیبان کا تقویٰ زیادہ پسند نہیں تھا۔ دونوں اس سے بحث کرنے لگیں۔ شروع شروع میں تو اس نے خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے بڑی دلیلیں دیں لیکن بعد میں الجھنا اور بحث کرنا چھوڑ دیا۔ نائلہ ان دونوں کی بحث میں بہت کم حصہ لیتی۔ ایک بحث تو نائلہ کی ماں سے ہوتی تھی اور شیبان کو اس سے کوئی خوف نہیں محسوس ہوتا تھا لیکن ایک بحث دل کے اندر جاری تھی۔ نفس امارہ اور نفس لوامہ برسرپیکار رہتے۔ نفس امارہ کہتا۔ "نائلہ کی ماں ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ ہر چیز اعتدال میں ہو تو اچھی لگتی ہے نہ افراط اچھی ہے نہ تفریط۔"

اسے رسول اللہ کا قول یاد آیا۔ "خیر الامور اوسطہا و میانہ روی سب سے بہتر ہے۔" لیکن نفس لوامہ کہتا۔ "یہ خیر الامور اوسطہا پہلے کیوں نہیں یاد آیا تھا۔ نائلہ کو دیکھ کر کیوں یاد آیا؟"

نفس امارہ ترغیب دیتا۔ "یہ دنیا اور اس کے متعلقات یوں ہی نہیں پیدا کئے گئے ہیں، یہ انسان کے لئے ہیں، آدمی کو ان سے حظ اٹھانا چاہئے۔ لطف اندوز ہونا چاہئے۔"

لیکن کمزور نفس مزاحمت کرتا، کہتا۔ "شیبان! تو غلط راہ پر جا رہا ہے تو دنیا کی طرف لوٹ رہا ہے۔"

ان جارحانہ اور مدافعانہ سوچوں کی کشمکش نے اسے ہلکان کر دیا۔ وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔ "میرے راہبو! تمہارے اس قول کی صداقت آہستہ آہستہ آج ظاہر ہو رہی ہے

کہ عورتوں سے حذر کرو۔ آؤ دیکھو نائلہ نے مجھے کتنا اداس اور بدحواس کر دیا ہے۔ میری لذت آہ و زاری چھین لی ہے۔ میرے دل میں ایک اور ہی کسک پیدا ہو گئی ہے۔ میرا دل لگ خلوتوں میں محض اللہ اللہ ہی نہیں کرتا، بلکہ اب وہاں سے نائلہ نائلہ کی آوازیں آنے لگی ہیں معلوم نہیں میرا انجام کیا ہو گا؟"

اس کشمکش میں جب ایک شخص اس کے پاس اس لئے آیا کہ شیبان اسے کچھ نصیحت کرے اور بتائے کہ وہ کس طرح اس دنیا سے پیچھا چھڑا کر محض اللہ کا ہو رہے تو اس نے اس کو منع کیا، بولا۔ "اے شخص! واپس جا، دنیا تیرا انتظار کر رہی ہے یہ راہ، جس پر میں چل رہا ہوں، بڑی کٹھن ہے اور شاید بے مزہ بھی۔ اپنی زندگی برباد نہ کر۔ میری جیسی زندگی ہر کسی کو راس نہیں آتی۔"

اس کا ارادت مند اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ شیبان نے مزید کہا۔ "یہ تو میری شکل کیا دیکھ رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں، غور سے سن، اپنی عمر اور زندگی کو خواہ مخواہ ضائع نہ کر۔ میں عبادت سے منع نہیں کرتا لیکن اس کی زیادتی سے منع کرتا ہوں، جس طرح دولت کی زیادتی چوروں کا ڈر پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح زہد و تقوے کی زیادتی شیطان کا ڈر پیدا کر دیتی ہے۔ آج کل میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ایک عذاب ہے جسے جھیل رہا ہوں اور اپنے تجربات کی روشنی میں تجھے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ قناعت اختیار کر، ہر قسم کی قناعت، مال زر کی قناعت، زہد و تقوے کی قناعت، جو کچھ حاصل ہے اسی پر قناعت کر، ورنہ زندگی عذاب ہو جائے گی۔"

اس گفتگو کے دوران میں نائلہ آ گئی، بولی۔ "ماں نے کہا ہے کہ باہر سے آنے جانے میں بڑی زحمت ہوتی ہے، کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اپنی کٹیا کے عقب میں ایک دروازہ کھول لیں تاکہ آنے جانے میں آسانی رہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "بیشک، بیشک۔ تو ٹھیک کہتی ہے۔"

اس کے ارادت مند نے نائلہ کے قیامت خیز حسن کو دیکھ کر شیبان کی باتوں کا لب لباب سمجھ لیا۔ اس نے جاتے جاتے طنزاً کہا۔ "صوفی! جس عذاب کا تو نے ذکر کیا تھا، اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اب شاید یہ کٹیا اس لائق نہیں رہی کہ لوگ یہاں سے زہد و تقوے کا درس لے کر جائیں۔"

ارادت مند چلا گیا لیکن جاتے جاتے شیبان کو وہ ضرب لگا گیا کہ وہ بڑی دیر تک تلملاتا رہا۔ اس کے جاتے ہی نائلہ نے پوچھا۔ "یہ شخص کیا کہتا تھا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اللہ سے ملنے کا درس لینے آیا تھا، وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ خدا کو کس طرح تلاش کرے، میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ اسے تو ابھی تک میں خود بھی نہیں پا سکا، پھر تجھے اس کا کیا پتہ بتاؤں، جا اپنا کام کر، اور ایک ایسے کام میں اپنی عمر عزیز ضائع نہ کر، جس کا صلہ یقینی نہ ہو۔"

نائلہ نے شوخی سے کہا۔ "اب آپ باتیں بڑی اچھی کرنے لگے ہیں۔"

شیبان نے بھی شوخی سے کام لینا چاہا، بولا۔ "نائلہ! یہ سب کچھ تیری بدولت ہو رہا ہے۔"

نائلہ نے پوچھا۔ "کیا سچ مچ؟"

شیبان نے افسردگی سے گردن جھکالی، بولا۔ "نائلہ! میں ایک بدنصیب انسان ہوں، اور اس وقت میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں جس کے ایک طرف سنسان اور ویران سڑک ہے جب میں اس سڑک پر دور تک کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس راہ کے پیش رو یہ بتلا گئے ہیں کہ اگر اس پر یکسوئی اور اعتماد سے چلتے رہو تو ایک نہ ایک دن کسی ایسی منزل پر ضرور پہنچ جاؤ گے جہاں قرب الٰہی حاصل ہو جائے گا اور اس دوراہے کی دوسری سڑک دنیا کی طرف نکل جاتی ہے جس پر ساری چہل پہل ہے، رونقیں ہیں دلچسپیاں ہیں اس سڑک پر ساری دنیا چل رہی ہے اور یہاں جو کچھ ہے یقینی ہے، قطعی ہے، جبکہ دوسری طرف جو کچھ ہے غیر یقینی اور مشتبہ ہے معلوم نہیں کیوں، ادھر کچھ دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا میں نے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے؟"

نائلہ نے بے چینی سے سوال کیا۔ "پھر اس کا کیا جواب ملا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ابھی کوئی جواب نہیں ملا، اندر ایک جنگ جاری ہے معلوم نہیں اس کا کیا جواب ملے۔"

نائلہ نے کہا۔ "میں زیادہ گہرائی میں تو نہیں جا سکتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ آدمی کو بالکل جنگلی نہیں ہونا چاہیئے۔"

شیبان کو نائلہ کی بات سے دکھ پہنچا۔ نائلہ زہد و تقوے کو اتنا برا سمجھتی ہے! اس نے کہا۔ "نائلہ! کیا میں تجھے جنگلی دکھائی دیتا ہوں؟ کیا میں انسان نہیں نظر آتا؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "یہ بات نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ آپ کو دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ رکھنا چاہیئے۔ ذرا سوچئے تو اگر پوری دنیا آپ کی اتباع میں دنیا کو ترک کر دے تو دنیا کا حال کیا ہو جائے؟ دنیا کی ترقی رک جائے اور دنیا کی ساری چہل پہل ختم ہو جائے۔ جد و

جدوجہد اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا رجحان ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

شیان نے عاجز آکر کہا۔ "نائلہ! میں تجھ سے بحث نہیں کروں گا۔ ہو سکتا ہے تو ٹھیک کہتی ہو لیکن میں اپنی اس زندگی کو ترک نہیں کر سکتا، میں نے یہ زندگی طمانیت اور سکون کی خاطر اختیار کی ہے۔"

نائلہ نے لاپرواہی سے کہا۔ "آپ کی مرضی، آپ کو کوئی مجبور تو کر نہیں سکتا۔"

شیان کو حیرت تھی کہ اس کے پاس نائلہ تنہا کیوں آجاتی ہے اور اس کی ماں اس کی اجازت کیوں دے دیتی ہے۔ اس نے کہا۔ "نائلہ! تیری ماں کہاں ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "گھر میں۔ آج کل وہ بہت اداس رہتی ہیں، انہیں اس دنیا میں ذرا بھی اچھا نہیں لگتا، ہر وقت بابا کی واپسی کی دعائیں مانگتی رہتی ہیں۔"

شیان نے پس و پیش سے پوچھا۔ "تجھ سے ایک سوال کروں نائلہ؟"

"ضرور کیجئے۔ میں نے منع کب کیا ہے؟"

شیان نے کہا۔ "تیری ماں میرے جیسے مجرد کے پاس تنہائی میں تجھے بھیج کیوں دیتی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "صرف اس لئے کہ وہ آپ کو ایک دیانتدار انسان سمجھتی ہیں اور انہیں یقین ہے کہ آپ سے کوئی نازیبا حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔"

شیان ایک دم سنبھل گیا۔ وہ اپنے دل کے چور سے گھبرا رہا تھا، معلوم نہیں کب یہ چور کوئی ہنگامہ برپا کر دے۔ وہ اپنے دل کی کیفیت سے اچھی طرح واقف تھا، جب سے نائلہ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ اس پر اس کی ماں اندھا اعتقاد رکھتی ہے تو وہ سنبھل گیا اور اس نے نائلہ کے بارے میں احتیاط کی روش اختیار کی لیکن اب اسے ہر محاذ پر شکست ہو چکی تھی۔

کٹیا کے اندر ایک چھوٹا سا دروازہ پیدا کر کے ایک نئی راہ آمد و رفت قائم کر لی گئی تھی، اس راستے سے وہ خود برائے نام جاتا لیکن نائلہ اور کبھی اس کی ماں برابر آتی جاتی رہتیں۔ اب شیان کی نمازیں بھی قضا ہونے لگیں۔ تہجد کی پابندی بھی ختم ہو گئی، جب کبھی وہ اپنی پچھلی زندگی کا اس زندگی سے موازنہ کرتا تو اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی۔ نائلہ نے اس کا سب کچھ لوٹ لیا تھا اور اب بھی معلوم نہیں کس گھات یا کس تاک میں تھی۔

ایک دن وہ اتنا گھبرایا کہ اس نے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھ کر تہجد ادا کرنے کا مستقل ارادہ کر لیا۔ اس رات جب نائلہ اور اس کی ماں اس کی کٹیا میں داخل ہوئیں تو وہ ان دونوں سے بالکل نہیں بولا۔ وہ دونوں اس کی چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ شیان ان کی موجودگی کو

نظر انداز کر کے وضو کرنے لگا۔

نائلہ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے آپ چپ چپ کیوں ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

شیان نے مختصر جواب دیا۔ "ٹھیک ہوں تہجد پڑھنے جا رہا ہوں۔"

نائلہ کی ماں نے کہا۔ "ہم دونوں تو آپ کے پاس باتیں کرنے آئے تھے۔"

شیان کچھ بھی نہ بولا، بس وضو کرتا رہا۔ وضو کر چکنے کے بعد وہ مصلے پر آن کھڑا ہوا۔

نائلہ نے پوچھا۔ "بیٹھوں یا چلی جاؤں؟"

شیان نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

اس بار نائلہ کی ماں نے کہا۔ "آخر آپ بول کیوں نہیں رہے؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟"

شیان پھر بھی چپ رہا اور مصلے پر نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

نائلہ کی ماں نے بدمزگی سے کہا۔ "انہیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے گویا ان پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔"

نائلہ نے جواب دیا۔ "نہیں، میرا خیال ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ماں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "تب پھر ہمارا بیٹھنا بیکار ہے۔ چلو چل کر آرام کریں۔"

نائلہ نے کہا۔ "اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو شوق سے آرام کریں لیکن میں ابھی تھوڑی دیر بیٹھوں گی۔"

ماں نے جاتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں تو چلتی ہوں لیکن تو بھی یہاں زیادہ دیر نہیں رکے گی۔"

شیان ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا جس سے اس کی یکسوئی اور خشوع و خضوع میں فرق آ رہا تھا، لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ماں جا چکی ہے اور نائلہ تنہا بیٹھی اس کی منتظر ہے تو اندر ایک بھونچال سا آ گیا۔ جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی اور ایک پُر لطف اور لذیذ بے چینی پیدا ہو گئی۔ اب اس سے تہجد بھی نہیں پڑھی جا رہی تھی بمشکل آٹھ رکعت پڑھ سکا اور سلام پھیر کر نائلہ کی طرف مڑ گیا، نائلہ اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ دونوں کی نظریں جو ملیں تو دونوں ہی ایک ساتھ مسکرا دیئے، نائلہ نے پوچھا۔ "ابھی کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑے گا؟ بیٹھوں یا جاؤں؟"

شیان نے جواب دیا۔ "بس ذرا دیر اور، میں ابھی فارغ ہوا جاتا ہوں۔"

نائلہ نے کہا۔ "اگر اب آپ نے ذرا دیر اور لگائی تو میں سونے چلی جاؤں گی۔"

شیان نے کھڑے ہو کر نیت باندھتے ہوئے کہا۔ "بس ابھی آیا۔ تو ابھی جانے

گی نہیں، سمجھی!"

اس کے بعد وہ نماز پڑھنے لگا اور نائلہ جماہیاں لینے لگی۔

جب وہ دو رکعت کے بعد شیان نماز سے فارغ ہو گیا اور دعا مانگ کر نائلہ کے پاس آ گیا۔ آتے ہی پوچھا۔ "کیا بات ہے نائلہ؟ تجھے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "افسوس کہ میں آپ سے سچ نہیں بول سکتی۔ دراصل اپنے سچ سے میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ آپ کو ناراض نہ کر دے۔"

شیان کا دل دھک دھک کرنے لگا، بولا۔ "نہیں نائلہ، تو مجھ سے مت ڈر اور جو بات ہے سچ سچ کہہ دے۔"

نائلہ نے پوچھا۔ "آپ خداشناسی میں تو زندگی بتلائے دے رہے ہیں لیکن انسان شناسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور اسے میں اپنی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں؟"

شیان نے خوشامد کی۔ "نائلہ! تو اپنے دل کی ہر بات بے تکلفی سے کہہ سکتی ہے میں بالکل برا نہیں مانوں گا۔"

نائلہ نے کہا۔ "میں آپ کے پاس کیوں آتی ہوں، کبھی اس پر بھی غور کیا آپ نے؟"

شیان نے جواب دیا۔ "میں نے اسے کبھی اس لائق ہی نہیں سمجھا کہ اس پر غور کروں۔"

نائلہ نے آزردگی سے کہا۔ "وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ویرانے کی زندگی نے آپ کو اس لائق ہی نہیں رکھا کہ آپ ان چھوٹی چھوٹی مگر بڑی معنی خیز باتوں پر غور کر سکیں۔ اس وقت تو میں چند باتیں کر کے چلی جاؤں گی لیکن آپ سے یہ کہتی جاؤں گی کہ آپ کچھ پر غور کریں، میری ایک بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

شیان نے جواب دیا۔ "اگر تو کہتی ہے تو میں ان باتوں پر غور کروں گا اور تجھے سمجھنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر تو اشاروں میں بھی اپنا مفہوم واضح کر دے تو میں تیرا شکرگزار رہوں گا۔"

نائلہ نے کہا۔ "بس چلتے چلتے میں ایک بات کہہ جاؤں گی، اگر اس کے بعد بھی میری باتیں آپ کی سمجھ میں نہ آئیں تو میں آپ کی عقل اور ذہانت پر فاتحہ پڑھ لوں گی۔"

شیان نے بے چینی سے کہا۔ "تو کچھ کہہ تو سہی۔ اب میں اتنا نا سمجھ بھی نہیں ہوں کہ تیری کوئی بات بھی نہ سمجھ سکوں۔"

نائلہ نے آہستہ آہستہ بڑے کرب سے کہا۔ "میں آپ کے پاس آتی ہوں اور گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی ہوں، میری ماں کو اسی پر اعتراض ہے وہ کہتی ہیں کہ جب بابا آئیں

گے اور میرے معمولات دیکھیں گے تو انہیں سخت غصہ آئے گا۔ میری ماں کہتی ہیں کہ ایک خشک زاہد کے پاس ہے ہی کیا جو کوئی اس سے دل لگائے لیکن میں یہ جواب دیتی ہوں کہ زاہد خشک کے پاس اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن دیانت، بھولپن، سچائی، نیکی اور تقویٰ تو ہے اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں، اسے اور کیا چاہیے۔"

شیان دیر تک وہ اپنی تعریفیں سن سن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ پوچھا۔ "پھر تیری ماں نے کیا کہا؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "وہ کیا کہتیں، مجبور ہو گئیں، بولیں "نائلہ! تو جان اور تیرا کام جانے۔ میں تیرے معاملوں میں دخل نہیں دوں گی جو تیرے دل میں آئے کرتی رہ۔"

شیان نے ہنس کر کہا۔ "نائلہ! بخدا تو بڑی دلچسپ باتیں کرتی ہے۔ میری طبیعت خوش کر دی۔"

نائلہ چپ ہو گئی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیان بالکل اس کے قریب چلا گیا، بولا۔ "انہوں نے اور کیا کہا؟ سننے میں آیا ہے کہ۔۔"

نائلہ نے بات کاٹ دی، بولی۔ "وہ اور کیا کہتیں! بس ہر وقت یہی کہتی رہتی ہیں کہ شیان ابھی بالکل خام مال کی طرح ہے اس میں وہ مضبوطی اور پختگی نہیں ہے جو اس عمر کے نوجوان میں ہونا چاہیے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ کبھی کبھی آپ پر کسی قسم کا دورہ بھی پڑ جاتا ہے اور آپ گفت و شنید بند کر کے اپنے کاموں میں منہمک ہو جاتے ہیں۔"

شیان نے ذرا اکڑ کر جواب دیا۔ "نائلہ! یہ مجھ پر تہمت ہے کہ میں آدم بیزار ہوں، یہ بھی تہمت ہے کہ میں کسی ایسی بیماری کا شکار ہوں جس میں انسان پر دورے پڑنے لگتے ہیں لیکن خود تو دیکھ لے کہ میں کس بیماری میں مبتلا ہوں، بات صرف اتنی سی ہے کہ میں جب بھی خدا کے دربار میں جانے والا ہوتا ہوں تو دنیا کے کسی بھی آدمی کی پرواہ نہیں کرتا، یہی صورت حال آج بھی پیش آئی اور میں نے تم دونوں کو نظر انداز کر دیا۔"

نائلہ نے کہا۔ "میں اس فضول بحث کو نہیں چھیڑتی۔ میں آپ سے اتنا ضرور کہوں گی کہ کسی نوجوان کو یہ بات نہیں زیب دیتی کہ وہ کسی لڑکی سے اظہار محبت کی توقع کرے پہل عموماً مرد ہی کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن اس لڑکی کی بے بسی تو ملاحظہ کیجئے جس کو کوئی خود اظہار عشق پر مجبور کر رہا ہو۔"

شیان کا سر جھک گیا، بات صاف ہوتی جا رہی تھی لیکن شیان میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نائلہ کے سامنے اس طرح کھل کر بات کر سکتا۔ اس کی زبان میں اب بھی

مکنت بھی۔ اس کا گلا بدستور رندھا ہوا تھا، اس کی قوتِ گویائی بدستور سلب تھی۔ ناظمہ نے کچھ دیر تو جواب کا انتظار کیا لیکن جب کوئی جواب نہیں ملا، تو مایوسی سے کہنے لگی۔ "حالانکہ ایسے ہیں کہ پتہ نہیں ہمیں یہاں سے کب جانا پڑ جائے، ماں یہاں سے بیزار ہیں اگر یاد آ گئے، ماں تب بھی چلی جائیں گی۔ آپ اس پل بیٹھنے کو ذرا بھی غنیمت نہیں سمجھتے؟"

شیبان نے تڑپ کر کہا۔ "ناظمہ! جیسا کہ تو نے مجھے بتایا کہ تیری ماں مجھے سچا، دیانتدار، نیک اور متقی سمجھتی ہے، میں ایک محترم انسان ہوں، ہو سکتا ہے میں نیک نہ ہوں لیکن کم از کم لوگ مجھے ایسا سمجھتے تو ہیں، میں محترم بن کر ایک عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں، دل آرزوؤں اور تمناؤں سے پر ہے لیکن لوگوں کے احترام نے لب پر مہر کر دیا ہے اب میں اپنے دل کی بات کسی سے اگر کہنا بھی چاہوں تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں محترم ہوں اور ایک محترم کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔"

ناظمہ نے جز بز ہو کر کہا۔ "یہاں کون سی دنیا بیٹھی ہے، یہاں میں ہوں یا آپ ہیں، میں آپ کو محترم کے علاوہ بھی کچھ سمجھتی ہوں، اگر کوئی بات آپ ڈر سے نہیں کہہ سکتے یا ڈرتے کہتے ہوئے شرماتے ہیں تو میرے کان ہی میں کہہ دیجئے۔"

شیبان نے ناظمہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہہ دوں؟"

ناظمہ نے کہا۔ "بالکل، یہ تامل کیوں؟"

شیبان نے شرماتے ہوئے کہا۔ "معلوم نہیں، میں جب بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں، میری قوتِ گویائی جواب دے جاتی ہے۔"

ناظمہ نے کہا۔ "ہمت کیجئے، بہادر بنئے، یہ بزدلی ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات کرتے ہوئے بھی ڈرے۔"

شیبان نے کپکپاتے ہاتھوں کو ناظمہ کی طرف بڑھا دیا، بولا۔ "ناظمہ! واللہ وہ تو ہی ہے جس نے میرے اور خدا کے درمیان کھڑے ہو کر ایک دیوار سی حائل کر دی ہے اور تو ہی ہے جس نے پہلی بار مجھے ایک ایسی لذت سے آشنا کیا، جس سے اچھی کوئی اور لذت نہیں ناظمہ میرے نہاں خانۂ دل میں خدا کے ساتھ ہی ایک بت بھی موجود ہے اور وہ بت ہے تیری ذات۔"

ناظمہ نے کسی قدر شرما کر سر جھکا لیا۔ شیبان پھر بولا۔ "تو نہیں جانتی ناظمہ کہ جب سے میں نے تجھے دیکھا ہے، مجھ میں زبردست انقلاب آ گیا ہے۔ ناظمہ! میں تجھے یہ بات کس طرح بتاؤں کہ تیرے بغیر میرا کسی کام میں دل ہی نہیں لگتا۔"

ناظمہ نے شوخی سے کہا۔ "اپنے تقوے کا خیال کیجئے اور اتنا بڑا جھوٹ نہ بولئے۔ آپ مجھے کیوں یاد کرنے لگے، آپ تو خدا کی تلاش میں سکون حاصل کر چکے ہیں لیکن میں کیا کروں؟ میں تو عبادت ہی کو ایک رسمی سی چیز سمجھنے لگی ہوں!"

شیبان نے دونوں گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "ناظمہ! توبہ کر توبہ! یہ تو کیا کہہ رہی ہے عبادت کو ایک رسمی چیز کہہ رہی ہے تجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے۔"

ناظمہ نے جواب دیا۔ "ہر وہ کام رسمی ہو جاتا ہے جو عادتاً کیا جائے اور جس میں عقل نہ استعمال کی جائے۔"

اگر کوئی دوسرا یہی بات کہتا تو شیبان اس پر برس پڑتا لیکن ناظمہ اس کی کمزوری بن گئی تھی۔ بات ٹالتا ہوا بولا۔ "خیر اب اس موضوع کو بند کر۔ میں تجھ سے الجھنا نہیں چاہتا اب یہ بتا کہ ہم دونوں کا ہوگا کیا؟"

ناظمہ نے جواب دیا۔ "آپ تو منازلِ سلوک طے کرتے رہیں گے اور میں اپنی ماں کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

شیبان نے اپنا سر پکڑ لیا، بولا۔ "میرے لئے یہ خیال ہی سوہانِ روح بنا ہوا ہے کہ تو ایک نہ ایک دن مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی اور میں تنہا رہ جاؤں گا۔"

"اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو اس کا کوئی علاج کریں۔"

"بتا، کیا علاج کروں؟"

"یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے، میری ماں موجود ہے، اس سے بات کر لیجئے۔"

شیبان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں تیری ماں سے بات کروں، کیا بات کروں؟"

ناظمہ کو غصہ آ گیا، جھنجھلا کر بولی۔ "یعنی ابھی تک آپ کا دل گومگو کی حالت میں ہے اور آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ کیا بات کی جائے۔"

شیبان نے کہا۔ "ناظمہ! میں دنیا سے ایک کٹا ہوا انسان ہوں۔ میں دنیا والوں کے آداب اور رسوم بھی بھول گیا اور ایک یہ بات بھی ہے کہ میں تیری ماں سے جس موضوع پر بات کروں گا، کیا وہ سن کر سناٹے میں نہیں آ جائے گی؟ کیا وہ مجھ پر ہنسے گی نہیں؟ یہی سوچ سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں، خدا مجھ پر رحم کرے۔"

ناظمہ نے افسوس کیا۔ "تب پھر قصہ ختم سمجھئے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔"

شیبان نے خوشامد کی۔ "ناظمہ! مجھے خوفزدہ نہ کر۔ کچھ سوچنے کا موقع دے۔"

نائلہ نے جواب دیا۔ "سوچ لیجئے لیکن سوچنے میں اتنا وقت نہ گزار دیجئے گا
میں یہاں سے چلی جاؤں اور آپ سوچتے ہی رہ جائیں۔"

شیان نے عاجزی سے کہا۔ "نائلہ! مجھے خوفزدہ نہ کرو۔ مجھے دو دن سو
کا موقع دے۔"

دوسری طرف سے نائلہ کی ماں بھی آگئی۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی بولی "یہ اتنی د
گئے تم ان سے کیا باتیں کر رہی ہو؟"

نائلہ نے گھبرا کر جواب دیا۔ "میں آنے ہی والی تھی ماں، میں اٹھنے ہی والی تھ

ماں نے نائلہ کو سمجھایا۔ "نائلہ! میں جانتی ہوں کہ یہ ویرانہ ہے اور یہاں رو
ٹوک اور طنز و طعن کرنے والے نہیں ہیں لیکن میں تو موجود ہوں اور تیرے باپ کے سا
جواب دہ بھی ہوں، اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تو احتیاط کر اور یہاں خلوت میں زیاد
وقت نہ دیا کر۔"

شیان کے دل پر چوٹ سی لگی کہ نائلہ کی ماں یہ ایمانداری و تقویٰ اس پر اعتم
نہیں کر رہی ہے۔

ماں نائلہ کو لے کر چلی گئی اور وہ جس انداز میں لے گئی تھی، اس میں جھنجھلاہ
تھی، غصہ تھا، برہمی تھی، ناراضی اور عدم اعتمادی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیان کا
دل اس سے خاصا متاثر اور غمگین ہوا۔ وہ مجروح چٹائی پر لیٹ گیا، لیکن اس وقت اس
سینے میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی، اس آگ میں یہ غم بھی شامل تھا کہ نائلہ زبردستی لے
گئی ہے اور یہ غم بھی کہ نائلہ کی ماں شیان پر اعتماد نہیں کرتی اور شاید وہ نائلہ کو نہ
حاصل کر سکے۔

اس نے پوری رات کروٹیں بدل بدل کر کاٹ دی۔ اس کے دل میں کسک ہو رہی
ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور نائلہ کے تصور کے ساتھ میٹھا میٹھا درد ہو رہا تھا، مستقبل میں
تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری رات کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے علی الصباح بستر چھوڑ دیا اور
کیا اور فجر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد وہ بے قصد و بے ارادہ کوہستانی سلسلوں میں نکل گیا
وہ سیبوں کے باغ میں گھس گیا، اس باغ میں وہ مزدوری کر چکا تھا۔ باغ کے مالک نے جب
شیان کو باغ میں داخل ہوتے دیکھا تو بہت خوش ہوا کیونکہ وہ شیان کے زہد
تقویٰ سے بہت متاثر تھا۔ شیان نے باغ کے مالک کو نہیں دیکھا۔ اس لئے وہ ایک
درخت کی جڑ میں تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور نائلہ کی آمد کے بعد پیش آنے والے وا

پر غور کرنے لگا۔ اسے اپنی حالت پر ترس آیا اور رونا آیا۔ نائلہ نے اس کو کہیں کا بھی نہ رکھا تھا۔ وہ
آنکھیں بند کر کے گڑگڑایا اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ اس کے دل سے نائلہ کی محبت زائل
کر دے۔ وہ تصوف کو نہیں ترک کر سکتا تھا بلکہ تصوف کی خاطر نائلہ کو چھوڑ سکتا تھا۔

باغ کا مالک اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور اس کی حالت زار پر غور کرتا رہا۔ اچانک
شیان کو بھی یہ احساس ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی موجود ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور باغ
کے مالک کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ باغ کے مالک نے اسے زبردستی بٹھا دینا چاہا اور پوچھا۔ "حضرت
میرے لائق کوئی خدمت؟"

شیان نے جواب دیا۔ "میرے بھائی! تو ذرا یہ تو بتا کہ تجرد بہتر ہے یا تاہل؟"

باغ کا مالک اس سوال پر چکرا گیا، بولا۔ "حضرت! آج آپ یہ کیسا سوال کر رہے
ہیں؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

شیان نے جواب دیا۔ "میرے دوست، میرے ساتھی! میں پوچھ رہا ہوں کہ
تاہل بہتر ہے یا تجرد؟"

باغ کے مالک کو شبہ گزرا کہ شاید شیان کا دماغ چل گیا ہے ورنہ ایسی بہکی
بہکی باتیں نہ کرتا۔

وہ کچھ دیر باغ ہی میں رہا۔ باغ کے اس سناٹے میں بھی نائلہ کی یاد نے کروٹ لی اور
وہ آہستہ آہستہ اس کا نام لے کر لطف و لذت حاصل کرنے لگا۔ دوپہر کے بعد وہ باغ سے بھی نکل
گیا اور بے مقصد ادھر ادھر گھومنے پھرنے لگا۔ شام سے ذرا پہلے اپنی کٹیا میں داخل ہوا۔ یہاں اس
کے ارادت مندوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ ہجوم اسے دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ شیان نے ان
سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پوچھا۔ "تم لوگ کیوں آتے ہو؟"

ہجوم نے جواب دیا۔ "آپ کی دعاؤں اور زیارت کے لئے۔"

شیان کچھ دیر کے لئے ان سب کے سامنے کھڑا ہو گیا، بولا۔ "تم سب آج مجھے جی
بھر کے دیکھ لو، ــــ مجھے شبہ ہے کہ شاید آج کے بعد میں تمہیں نہ نظر آؤں، رہا دعا کا مسئلہ تو
میں جہاں کہیں بھی ہوں گا تمہیں دعائیں دیتا رہوں گا!"

اس وقت نائلہ اپنے گھر سے نکلی اور ہجوم کے بیچ سے گزر کر کٹیا کے در پر آ کھڑی ہوئی
اور تحکمانہ شان سے شیان سے پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا مجھے چھوڑ کر؟ یہ کس
طرح ممکن ہے؟"

شیان نائلہ کو دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اسے اپنے ارادے میں تزلزل محسوس

ہوا۔ ہجوم نے نائلہ کو عجیب شک و شبہے سے دیکھا۔ شیان نے گھبرا کر جواب دیا۔ "نائلہ! اس وقت تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ کیا یہاں آنے سے پہلے اپنی ماں سے اجازت لے لی تھی یا خود سری سے چلی آئی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "جناب والا! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں اور میں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آپ کے معاملے میں ان کا کوئی حکم بھی نہ مانوں گی۔"

شیان نے آہستہ سے پوچھا۔ "اور اپنے باپ کو کیا جواب دے گی؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "جواب دینا میرا کام ہے، میں کوئی اچھا سا جواب باوا کو بھی دے لوں گی۔"

ہجوم نائلہ کو دیکھ کر کسی اور ہی شک و شبہے میں پڑ گیا۔ شیان بھی ہجوم کے شک و شبہے کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے نائلہ سے کہا۔ "نائلہ! تو اندر چلی جا، میں ابھی آتا ہوں۔"

نائلہ اندر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی شیان نے ہجوم سے پوچھا۔ "کیا تم لوگوں نے میرا دیدار کر لیا؟"

چند نوجوان ارادت مندوں نے طنزاً کہا۔ "دیدار کر لیا نہ صرف آپ کا، بلکہ آپ کی ان کا بھی۔"

شیان کے پاؤں میں لرزش آ گئی لیکن وہ ہمت کئے کھڑا رہا۔

کسی نے ہجوم سے کہا۔ "یارو! تم کس کی بات کر رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ یہ پیر آج کل اس لڑکی کے عشق میں مبتلا اپنے اللہ کے بجائے اس لڑکی کی تابعداری کر رہا ہے۔"

کسی طرف سے اور آواز آئی۔ "اللہ رحم کرے اور اسے اور اس کے تقوے کو اپنی پناہ میں رکھے۔"

لیکن ک[illegible]دت مند نے ان دونوں کو ڈانٹ دیا۔ "ظالمو! خدا کے غضب سے ڈرو اور اس بزرگ نوجوان پر کوئی ایسی تہمت نہ لگاؤ جس کے بارے میں تم کوئی یقین اور اعتماد سے نہ کہہ سکو۔"

شیان کو ان آوازوں نے اور زیادہ دل برداشتہ کر دیا۔ ہجوم سے کہا۔ "میں ایک عاجز و درماندہ انسان ہوں اور میں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں کوئی متقی اور دین دار ہوں۔ میں تو ایک گناہگار انسان ہوں اور میری آپ سب سے یہ درخواست ہے کہ خدا کے لئے میرا تعاقب نہ کریں، مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

یہ کہہ کر شیان اندر چلا گیا۔ ہجوم کچھ دیر تو وہیں کھڑا رہا لیکن پھر منتشر

ہونے لگا۔

اندر جاتے ہی وہ نائلہ پر برس پڑا، بولا۔ "یہ تو نے کیا کیا نائلہ؟ اگر تجھے میری کٹیا میں آنا ہی تھا تو عقبی راستے سے آ گئی ہوتی۔ تو نے سامنے سے آ کر بہت برا کیا۔ اب میں تیرے اور اپنے رشتے پر کس طرح غور کروں گا؟ میں بہت پریشان اور دل برداشتہ ہوں۔"

نائلہ نے جواب دیا۔ "اگر نادانستگی میں میں نے آپ کو دکھ پہنچایا ہے تو اس کی معافی چاہتی ہوں لیکن آپ کے ارادت مندوں کو بھی اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔"

شیان نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تجھے پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں ایک محترم انسان ہوں، لیکن جب لوگوں کا جذبۂ احترام کسی طرح مجروح ہو جاتا ہے تو وہ اسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔"

نائلہ نے سہم کر وعدہ کیا۔ "اب میں ان باتوں کا خیال رکھوں گی۔ مجھے اپنی غلطی پر افسوس ہے۔"

شیان نے پوچھا۔ "تیری ماں کہاں ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "گھر میں، اندر موجود ہیں۔"

شیان نے کہا۔ "میرے خلوت کدے میں آنے پر تیری ماں کو اعتراض ہوتا ہے اس لئے تو یہاں نہ آیا کر۔"

نائلہ بگڑ کر کھڑی ہو گئی، بولی۔ "اگر آپ کو میرا آنا ناگوار گزرتا ہے تو میں جاتی ہوں اور اب کبھی نہیں آؤں گی۔"

شیان نے نرمی سے جواب دیا۔ "ناگوار مجھے نہیں تیری ماں کو گزرتا ہے۔"

نائلہ نے غمزدہ لہجے میں کہا۔ "آپ خود تو میری طرف آتے نہیں، مجھے ہی آنا پڑتا ہے، اب آئندہ سے نہیں آؤں گی۔"

شیان کی مرضی یہی تھی کہ نائلہ چلی جائے، لیکن جب نائلہ بگڑ کر چلی گئی تو اسے اپنے آپ پر اور ساتھ ہی ہجوم کے ان لوگوں پر بڑا غصہ آیا جنہوں نے نائلہ اور خود اس پر فقرے بازیاں کی تھیں۔ اسے اپنی قابل احترام ذات سے نفرت ہونے لگی۔ وہ سوچتا، دنیا میں کوئی کچھ کرے، لوگ اس پر ہجوم کی شکل میں معترض نہیں ہوتے لیکن ایک صوفی کا کیا گناہ ہوتا ہے کہ لوگ ہجوم در ہجوم انگشت نمایاں کرنے لگتے ہیں۔ اسے تصوف سے چڑ ہونے لگی لیکن دوسرے ہی لمحے کسی نے دل میں کہا۔ "شیان! بات وہ نہیں ہے جو تو سوچ رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ

ہر کام میں خدائی مصلحت ہوتی ہے اور شاید خدا یہ نہیں چاہتا کہ تیری عبادت اور ریاضت نائلہ کے ذریعے خاک میں مل جائے۔ اس طرح خدا تجھ کو تنبیہ کر رہا ہے؟

شیان جس ذہنی ابتلا اور آزمائش میں پھنسا ہوا تھا، اس نے دل و دماغ پر ایک تاریکی سی مسلط کر دی تھی۔ وہ اپنی کٹیا سے نکل کر قاسیون کی پہاڑیوں میں ایک ایسی کھوہ تلاش کرنے لگا، جس میں وہ یکسوئی سے مراقبہ کر سکتا۔ وہ نائلہ سے اس صورت میں بچ سکتا تھا کہ یا تو نائلہ چلی جائے اور نائلہ نہیں جاتی تو وہ خود کہیں روپوش ہو جائے۔ یہ دوسری صورت اختیاری تھی اس لیے اس نے اس پر کاربند ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یکسوئی مراقبے کے لیے کسی گوشے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ یہیں مغارۃ الدم نامی غار بھی ہے۔ کہتے ہیں دنیا کا پہلا قتل یہیں ہوا تھا اور قابیل نے ہابیل کا خون اسی غار میں بہایا تھا۔ وہ مغارۃ الدم میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک پہاڑی چٹان پر خون کا سیاہ دھبہ اب بھی موجود تھا اور یہیں ایک بہت بڑا پتھر ہے جس سے ہابیل ہلاک کیا گیا تھا۔ شیان خون کے دھبے اور پتھر کے درمیان بیٹھ کر رونے لگا۔ وہ بڑی رقت سے کہہ رہا تھا۔ "افسوس کہ انسان مظلوم و جہول ہے۔ یہ اپنے آپ پر خود ظلم کرتا ہے۔"

اس کے بعد وہ اس غار میں رہنے لگا اور کٹیا واپس جانے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ نائلہ اس پر جو وبال لائی تھی شیان اس سے کانپ رہا تھا، وہ اپنے آپ پر لعنت ملامت کرتا کہ آخر اسے ہو کیا گیا تھا اسے پہلے کیوں نہیں ہوش آیا۔ وہ مغارۃ الدم میں پوری دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ یہاں اسے بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی، ایک ایسی خوشی جو کسی انسان کو چوروں اور لٹیروں سے اپنا مال و زر بچا کے حاصل ہوتی ہے۔

دس دن تک وہ مغارۃ الدم ہی میں روپوش رہا۔ پیاس لگتی تو وہیں کے ایک چشمے سے پیاس بجھاتا، بھوک لگتی تو وہیں کی جڑی بوٹیاں کھا کر معدے کو تسلی دے لیتا۔ ان دس دنوں میں بھی وہ ایک خطرہ برابر محسوس کرتا رہا۔ نائلہ اسے یہاں بھی یاد آتی رہی۔ ابتدائی چند دنوں میں تو اس کی یاد خیال کی طرح آتی اور نکل گئی لیکن اس کے بعد اس خیال میں شدت آنے لگی۔ نائلہ اس کے ذہن اور اعصاب پر چھائی چلی گئی۔ اس کا چلنا پھرنا، باتیں کرنا، مسکرانا، شوخی سے جواب دینا، اس کا قیامت آشنا سراپا، غرضیکہ نائلہ کی ایک ایک چیز یاد آنے لگی۔ اس کے تصور میں مراقبے سے زیادہ لذت ملنے لگی۔ نائلہ کی جدائی اور اس کے وقفے نے شیان کو یہ یاد کرانا شروع کر دیا کہ اس کے دل میں نائلہ نام کی جس لڑکی کا بت جاگزیں ہو گیا ہے وہ مراقبوں اور نماز روزوں کی عزلت نشینی سے نہیں نکالا جا سکتا۔ اس کی

عبادتیں، اس کے وظیفے، اس کے اوراد، ایک نائلہ کے سامنے مجبور اور بے بس تھے۔ زہد و تقویٰ کی صفیں وہ ہم برہم ہو رہی تھیں اور دس بارہ دن کی جدائی میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ راتوں کے پچھلے پہر سوتے میں وہ سرد آہیں بھر بھر کر نائلہ کا نام لیا کرتا۔ جاگتا تو بہت نادم ہوتا اور خدا سے توبہ و استغفار کرتا۔ ٹھیک پندرہ دن بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ اپنی کٹیا کی طرف مراجعت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے مغارۃ الدم پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور اپنی کٹیا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس خوف اور اندیشے سے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ اس دوران کہیں نائلہ اپنی ماں کے ساتھ واپس نہ چلی گئی ہو، جب وہ رجائی انداز میں یہ سوچتا کہ نائلہ موجود ہوگی اور اسے اپنے سامنے اچانک دیکھ کر اس کا خوشی سے کیا حال ہو جائے گا؟ تو اسے ایک عجیب سی لذت حاصل ہوتی۔ اس طرح وہ یہ بھی سوچتا کہ ممکن ہے نائلہ موجود ہی نہ ہو اور کہیں چلی گئی ہو، اس منفی سوچ سے وہ لرز جاتا اور دل و دماغ اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتے۔

جیسے جیسے وہ اپنی کٹیا کے قریب پہنچ رہا تھا، اس کے دل کی حرکت تیز ہوتی جا رہی تھی اس نے دور ہی سے اپنی کٹیا کے سامنے ایک چھکڑا کھڑا دیکھا، چھکڑے کے آگے ایک بیل گھوڑا جتا ہوا تھا۔ اس کا دل اور زیادہ زور سے دھڑکنے لگا۔ جب وہ اپنی کٹیا کے در پر پہنچا تو اس نے چھکڑے پر نائلہ اور اس کی ماں کو بیٹھے دیکھا، آگے کوچوان کے متصل وہ آدمی بیٹھا تھا جسے اس نے اس دن دیکھا تھا جب نائلہ اور اس کی ماں یہاں آئی تھیں اور یہ شخص انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ اس نے چھکڑے کی طرف دیکھا اور پھر نائلہ کی صورت دیکھنے لگا۔ نائلہ اسے دیکھتے ہی چھکڑے سے اتر پڑی اور فرط خوشی میں شیان کا ہاتھ پکڑ کر کٹیا کی طرف بڑھی بے اختیار پوچھا۔ "جناب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

شیان نے جواب دیا۔ "نائلہ! میں بہت دور چلا گیا تھا اور اتنے دنوں یہی کوشش کرتا رہا کہ تجھے بھلانے میں کامیاب ہو جاؤں لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں اس میں ناکام رہا۔"

نائلہ نے کہا۔ "لیکن اب میں اپنے گھر واپس جا رہی ہوں، میرا باپ مجھے لینے آ گیا ہے۔"

شیان نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ "کیا واقعی؟ کیا تو رک نہیں سکتی؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "میں اپنے والدین سے یہ کس طرح کہہ سکتی ہوں کہ آپ دونوں جائیں، میں نہیں رہوں گی۔"

نائلہ کی ماں نے آواز دی۔ "نائلہ تو وہاں کیا کر رہی ہے؟ چل دیر ہو رہی ہے۔"

نائلہ نے جواب دیا۔ "ہاں! ہاں ابھی چلتی ہوں، کیا آپ اللہ کے اس برگزیدہ بند
سے آخری ملاقات نہیں کریں گی؟"

ماں نے دور ہی سے جواب دیا۔ "میں اس وحشی صوفی سے نہیں ملوں گی یہ تو ہم
کچھ بتائے بغیر ہی چلا گیا تھا، پھر میں کیوں ملوں؟"

شیان نے نائلہ سے کہا۔ "تیری ماں اگر مجھ سے نہیں ملنا چاہتی تو اسے مجبور نہ کر
مجھ سے ناراض ہے، تو اپنے طور پر یہ سوچ کہ تو یہاں کس طرح رک سکتی ہے؟"

اس دوران نائلہ کا باپ بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ شیان کو سلام کر
ہوئے نائلہ سے کہا۔ "کیا بات ہے، تو چلتی کیوں نہیں؟" پھر شیان سے پوچھا۔ "محترم بز
آپ تو بخیریت ہیں؟ آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

شیان نے جواب دیا۔ "میں جس کی تلاش میں کٹیا سے نکلا تھا، اسے نہیں پا
اور اس کے آسرے میں، جو کچھ مجھے حاصل تھا، اسے بھی گنوا دیا۔"

نائلہ کے باپ نے چھکڑے والے سے کہا۔ "اے نوجوان! تو ہمارا انتظار کر۔"

نائلہ نے بڑی عاجزی سے باپ سے درخواست کی۔ "بابا جان! کیا ایسا ممکن نہ
ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے یہاں رہ جاؤں، رک جاؤں؟"

نائلہ کے باپ نے جواب دیا۔ "نائلہ! یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سب تو چلے جائیں
اور تو یہیں رہ جائے۔"

شیان نے کہا۔ "آخر تم لوگ جا کیوں رہے ہو؟ یہیں کیوں نہیں رہ جاتے؟"

نائلہ کی ماں نے دور سے جواب دیا۔ "بڑی مشکل سے تو واپسی نصیب ہو رہی ہے
اور تو کہتا ہے ہم یہیں کیوں نہیں رہ جاتے۔"

نائلہ کے باپ نے بیوی کو ڈانٹ دیا۔ "زبان دراز عورت! چپ ہو جا، درویش
سے گستاخی نہ کر۔"

نائلہ نے درخواست کی۔ "بابا جان! کیا ہم چند دنوں کے لئے رک نہیں سکتے؟"

باپ نے جواب دیا۔ "نائلہ میں دو چار دن تو رہ سکتا ہوں، اس کے بعد مجھے نکل
واپس ہو جانا ہے۔"

نائلہ نے عاجزی سے کہا۔ "چلئے دو چار دن ہی سہی، اس کے بعد میں بھی واپس
چلی چلوں گی۔"

لیکن نائلہ کی ماں نے پھر مخالفت کی، بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ

اس آدم بیزار سے اتنے متاثر کیوں ہو؟ مجھے تو یہ شخص ذرا بھی پسند نہ آیا۔"

نائلہ کے باپ نے پھر ڈانٹا۔ "میں کہتا ہوں تو اپنی زبان بند کرے گی یا نہیں؟"

نائلہ کی ماں آپے سے باہر ہو گئی۔ "تم لوگ اس وحشی کو جو چاہو سمجھو اور جیسی
عزت چاہو کرو لیکن میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ آدمیت کی بات کرتا ہی نہیں۔"

شیان کو نائلہ کی ماں کی باتیں بڑی گراں گزر رہی تھیں لیکن نائلہ کی وجہ سے
برداشت کرنا پڑ رہی تھیں، نرمی سے بولا۔ "اے عورت! تجھے ضرور میری کسی بات سے تکلیف
پہنچی ہے، اس لئے میری درخواست ہے کہ تو چند دن میرے قریب رہ، تاکہ میں تیرے دل سے
کدورت اور نفرت کی وہ گرد دھو دوں، جس نے تجھے شاکی اور بیزار کر رکھا ہے۔"

نائلہ کے باپ نے چھکڑے والے کو حکم دیا۔ "سامان اتار دیا جائے۔ ہم چند دن
رہ کر کوچ کریں گے۔"

اسی وقت چھکڑے پر سے سامان اتار دیا گیا اور نائلہ اپنے والدین کے ساتھ پھر
اپنے عارضی مکان میں چلی گئی۔ اس کے بعد نائلہ کے باپ نے شیان کے پاس حاضری دی
اور کہا۔ "مرد بزرگ! میں نے آپ کو بہت ستایا، اب اس کی میں معافی چاہتا ہوں اور اس
پر دل سے شرمندہ ہوں۔"

شیان نے کہا۔ "مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے مجھے ستایا ہے! آپ نے مجھے
کب ستایا؟"

نائلہ کے باپ نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو آپ کے قرب میں چھوڑ
دیا اور میں نے سنا ہے کہ میری عدم موجودگی میں آپ نے ان دونوں کا بڑا خیال رکھا، کیا یہ
کوئی معمولی بات تھی؟"

شیان نے عاجزی سے کہا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض
سمجھ کر کیا، اس میں کوئی جبر نہیں شامل تھا۔"

وہ دونوں بڑی دیر تک یوں ہی باتیں کرتے رہے۔

دوسرے دن صبح نائلہ کا باپ کہیں چلا گیا، نائلہ چپ چاپ شیان کے پاس
چلی آئی اور المیہ صورت بنا کر شیان سے کہنے لگی۔ "شیان! تمہیں اپنے اس ڈھونڈنے
میں کچھ ملا؟ کچھ حاصل ہوا یا یوں ہی چکر لگا کر واپس آ گئے؟"

شیان نے جواب دیا۔ "یہ تو کہہ رہی ہے نائلہ؟ میں نے مغارۃ الدم میں جا
کر یہ محسوس کیا کہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے اس کے لئے کسی غار یا ویرانے میں بیٹھنا ضروری

نہیں، میں نے تیرے پاس سے جا کر سخت غلطی کی تھی۔"

نائلہ نے شوخی سے پوچھا۔ "اب تو نہیں جاؤ گے کہیں؟"

"نہیں۔" شیبان نے جواب دیا۔ "اب میں کہاں جاؤں گا۔" پھر ذرا شرما کر بات پوری کی۔ "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے دل کی بات چھپانا نہیں چاہئے، کہہ دینا چاہئے اگر تو اجازت دے تو میں کچھ عرض کروں۔"

نائلہ نے کہا۔ "میری طرف سے اجازت ہے۔"

شیبان نے کہا۔ "نائلہ! جب رسول اللہؐ نے مرد کے لئے عورت کو جائز قرار دیا ہے تو کوئی اور یا میں اسے کیوں مسترد یا رد کروں! مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے اور رسول اللہ سے شرمندگی نہیں اٹھانا ہے اس لئے میں اتباعِ رسول میں شادی بھی کر سکتا ہوں اور یہ کام شاید اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔"

نائلہ نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں، پوچھا۔ "پھر کس سے شادی کر رہے ہو؟"

شیبان نے آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے جواب دیا۔ "میں کس سے شادی کر رہا ہوں، یہ سوال مت کر بلکہ یہ کہہ کہ وہ کون ہے جو مجھ سے شادی کر رہی ہے۔ مجھ سے جو بھی شادی کرنے کو کہے گی میں کر لوں گا۔ انکار نہیں کروں گا۔"

نائلہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی، بولی۔ "شیبان! معاف کرنا، میں تمہارا نام لے رہی ہوں، تم بہت بھولے ہو، کیسی سادہ لوحی سے باتیں کرتے ہو، یعنی تم کو ابھی تک ایسی کوئی لڑکی نہیں ملی جو تم سے شادی کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہو؟"

شیبان نے کہا۔ "اچھا اب تو ہی بتا کہ وہ کون سی لڑکی ہے جو مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "ہر وہ لڑکی جو آپ کو قریب سے دیکھے گی آپ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔"

شیبان نے فوراً سوال کیا۔ "کیا تو تیار ہو جائے گی مجھ سے شادی کرنے پر؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "یہ مسئلہ میرے والدین سے تعلق رکھتا ہے اگر وہ حامی بھر لیں گے تو میں بھی چپ ہو جاؤں گی۔"

شیبان نے کہا۔ "میں تو تیری بات کر رہا ہوں تو کیا کہتی ہے؟"

"اگر ماں اور بابا جان آمادہ ہو گئے تو پھر کون مزاحم ہو سکتا ہے؟"

شیبان نے کہا۔ "نائلہ! تو مجھ سے صاف صاف بات کر، میں تیرا عندیہ جاننا

چاہتا ہوں۔"

نائلہ نے چڑ کر کہا۔ "آپ کے پاس میرا بہت زیادہ وقت گزرتا ہے کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ میں آپ سے کچھ چاہتی ہوں، میں آپ کو کچھ سمجھتی ہوں۔"

شیبان اس جواب سے بہت خوش ہوا، بولا۔ "نائلہ! اب میں بہت مطمئن ہوں، تو یقین کر، جب میں نے اپنی کٹیا چھوڑی تھی تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں یہاں نہیں واپس آؤں گا۔ میں اس بات سے ڈر گیا تھا کہ تو اگر میرے پڑوس میں چند دن اور رہ گئی تو میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا، میں نے بربادی سے بچنے کی خاطر اپنی کٹیا چھوڑی تھی لیکن، لیکن...."

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ نائلہ نے کہا۔ "ہاں، ہاں، کہئے رک کیوں گئے؟"

شیبان نے کہا۔ "پھر میں مغارۃ الدم میں روپوش ہو گیا۔ میں نے وہاں خون کے ان دھبوں پر آنسو بہائے، جو قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ڈال دیئے تھے۔ میں نے اس انسان پر جو ظلوماً جہولا ہے اور جو سراسر خسارے میں ہے خوب خوب آنسو بہائے، میں نے خدا کو بڑی یکسوئی سے یاد کیا لیکن اس دوران میں مجھ پر ایک عجیب سا انکشاف ہوا۔"

نائلہ نے آہستہ سے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "وہاں میں نے اف!! یکسوئی میں یہ محسوس کیا کہ تو اور تیرا تصور کسی اجازت اور اطلاع کے بغیر میرے دل و دماغ پر چھاتے چلے جا رہے ہیں میرے اعصاب کو جھنجھوڑے دے رہے ہیں۔"

نائلہ نے کہا۔ "آپ ذرا جلد باز ہیں، کوئی اس طرح جلدی جلدی قدم تھوڑی اٹھاتا ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں جلد باز ہی، میں دیکھتا ہوں تو بھی کچھ کم جلد باز نہیں ہے۔" پھر آنکھیں بند کر لیں اور گویا نشے میں کہنے لگا۔ "لوگو! اب میں برداشت نہیں کر سکتا، ایک ایسا عذاب جس کی فوری کوئی تدبیر نہ کی جا سکتی ہو۔"

نائلہ نے پوچھا۔ "تو آپ کیا چاہتے ہیں؟ اور جو کچھ چاہتے ہیں اسے کس طرح حاصل کریں گے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اصل مسئلے یا سوال یہ نہیں ہیں جو تو دہرا رہی ہے، بلکہ یہ بتا کہ میں اگر تیری بابت کوئی بات کروں تو، تو اس کی مخالفت تو نہیں کرے گی؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "نہیں، میں مداخلت نہیں کروں گی، آپ مطمئن رہیں۔"

رات کو عشاء کے بعد شیبان کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اس وقت اندر سے نائلہ، اس کی ماں اور باپ بھی نمودار ہوئے۔ شیبان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نائلہ کی ماں آتے

ہی برس پڑی، بولی۔ ''اے صوفی۔ تو میری بیٹی کو کیوں ورغلاتا رہتا ہے، جب تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ یہاں ہم دونوں موجود ہیں، پھر تو نے یہ بات براہِ راست نائلہ سے کیوں کہی؟''

شیبان نے عاجزی سے جواب دیا۔ ''میرے لئے لائقِ صد احترام عورت! تو بات کو سمجھ نہیں رہی ہے، میں نے نائلہ سے جو کچھ کہا، اس کا عندیہ معلوم کرکے کہا تھا میں تیری انجمن میں آؤں۔''

ماں نے پوچھا۔ ''وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تو نے اس سے کیا کہا تھا؟''

شیبان نے جواب دیا۔ ''تو میری بات پر یقین نہیں کرے گی، نائلہ موجود ہے تو اس سے خود ہی پوچھ لے۔''

باپ نے بھی مداخلت کردی، بیزاری سے کہا۔ ''آخر یہ جھگڑا کیا ہے، تم لوگ آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟ کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔''

شیبان نے جواب دیا۔ ''میں اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں بتاؤں گا، نائلہ موجود ہے اس سے پوچھا جاسکتا ہے۔''

باپ نے نائلہ سے پوچھا۔ ''نائلہ! کیا بات ہے؟''

نائلہ نے رک رک کر اٹک اٹک کر جواب دیا۔ ''یہ بزرگ مجھ سے شادی کی درخواست کر رہے تھے۔''

نائلہ کی ماں ایک دم برس پڑی۔ ''وہی تو میں اس وحشی سے پوچھنے آئی ہوں کہ آخر یہ اس کو سوجھی کیا؟ اس نے اتنی بڑی درخواست آخر کس امید پر کردی؟''

نائلہ کے باپ نے بیوی کو ایک بار پھر ڈانٹا۔ ''یہ تو اتنی زور زور سے چلانے کیوں لگی ہے؟ میں تیرا شور وغل بالکل پسند نہیں کرتا۔''

ماں اس پر بھی بگڑ گئی۔ چیخ کر کہا۔ ''تم میرا زور زور سے بولنا کیوں بند کردینا چاہتے ہو؟''

باپ نے جواب دیا۔ ''اس لئے کہ تیری چیں چیں، آواز سے میرا دل ڈوبنے لگتا ہے اور میرے دانتوں میں کسکساہٹ سی ہونے لگتی ہے۔''

ماں بدستور چیختی رہی۔ ''تم بے شرم بن سکتے ہو لیکن میں نہیں بن سکتی، میں پوچھتی ہوں، آخر اس وحشی کی اتنی جرأت ہوئی کیسے؟''

شیبان نے شرمندگی سے کہا۔ ''صاحبان! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔''

نائلہ نے بھی ہمت اور جرأت سے کام لیا، بولی۔ ''ہاں! اب اس جھگڑے کو

تک رہنے دو اور میرا فیصلہ سن لو، میں نے اس نیک سیرت متقی نوجوان سے یہ درخواست کی تھی کہ یہ مجھ سے شادی کرلے، لیکن اس نے یہ کہہ کر میری درخواست مسترد کردی کہ اپنے والدین کی موجودگی میں تو ایسی بات نہیں کرسکتی۔''

ماں نے نائلہ کو پھر ڈانٹا۔ ''تو چپ رہ بنتِ غول بیابانی!''

نائلہ نے بھی اسی جوش سے جواب دیا۔ ''میں پھر یہی کہوں گی کہ میں شادی کروں گی تو اس نوجوان سے، ورنہ میں نہیں، اسی کٹیا میں رہ جاؤں گی اور واپس نہیں جاؤں گی۔''

نائلہ کے باپ نے اسے حیرت سے دیکھا، پوچھا۔ ''کیا سچ مچ؟ کیا تو نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے؟''

نائلہ نے جواب دیا۔ ''ہاں، اور یہ فیصلہ میں نے کچھ عرصے پہلے ہی کرلیا تھا۔''

ماں نے بڑے غصے میں کہا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ اس صوفی کو سحر آتا ہے ورنہ اس بے سروساماں وحشی پر کوئی لڑکی کس طرح ریجھ سکتی ہے۔''

باپ ایک دم مشتعل ہوگیا، بولا۔ ''واقعی یہ نائلہ کا عجیب فیصلہ ہے، افسوس کہ میں اس کی مخالفت بھی نہیں کرسکتا۔''

ماں نے نائلہ کا ہاتھ پکڑلیا اور زبردستی اٹھانے کی کوشش کی، بولی۔ ''اگر تم مخالفت نہیں کرسکتے تو نہ کرو، لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، میں نائلہ کی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گی۔''

نائلہ نے اکڑ کر کہا۔ ''میں اپنی زندگی کی مالک ہوں، تباہ کروں یا شاندار بنالوں، کسی اور کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔''

باپ نے نائلہ سے کہا۔ ''نائلہ! اتنے اہم معاملے میں عجلت سے نہ کام لے، خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر۔''

ماں نے سختی سے کہا۔ ''اوّل تو میں ایسا ہونے ہی نہ دوں گی اور اگر خدا کو یہی منظور ہے تو میں اس صوفی کو یہاں، اس ویرانے میں نہیں رہنے دوں گی اسے ہمارے ساتھ شہر چلنا ہوگا اور وہاں، دنیاداروں کی طرح کام کاج کرکے اپنی حیثیت بنانا ہوگی۔''

شیبان نے کہا۔ ''ایسا نہیں ہوسکتا، میں یہاں بھی اپنی محنت ہی کا کھاتا ہوں، شادی ہو یا نہ ہو، میں شہر نہیں جاؤں گا۔''

نائلہ نے شیبان کی خوشامد کی۔ ''شیبان! خدا کے لئے تم خاموش رہو اور بات مجھی کو کرنے دو!''

شیان چپ ہو گیا۔

اس رات تینوں میں دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا لیکن وہ نائلہ کے آگے بے بس ہو گئے۔

جب ماں باپ سو گئے تو نائلہ چپکے سے شیان کے پاس پہنچ گئی اور اسے سمجھایا۔
"شیان! تم میری ماں سے فضول بحث مت کرو، وہ جو کچھ کہتی ہے، کہنے دو، اصل فیصلہ تو میرا ہو گا۔"

شیان نے جواب دیا۔ "نائلہ! تیری ماں کے جسم میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔ کیا تو دیکھتی نہیں کہ وہ تصوف اور زہد کے خلاف کیسے نازیبا اور نامعقول الفاظ استعمال کرتی ہے؟"

نائلہ نے کہا۔ "ہاں! یہ بات میں نے بھی محسوس کر لی ہے لیکن اس وقت تو چپ رہو اور برداشت سے کام لو ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

شیان نے بے بسی سے کہا۔ "اگر تو کہتی ہے تو میں چپ رہوں گا، بہتر ہے۔"

نائلہ شادی پر اصرار کرتی رہی، ماں مخالفت کرتی رہی، باپ متذبذب رہا۔ ماں اپنے اس موقف پر ڈٹی رہی کہ اگر شیان یہ وعدہ کرے کہ وہ شادی کے بعد یہاں سے شہر چلا چلے گا تو وہ نائلہ کی شادی شیان سے کر دے گی۔

نائلہ کی ایما پر شیان نے کہہ دیا کہ وہ شرط پہلے سے قبول نہیں کرے گا، ہاں شادی کے بعد اس پر غور کرے گا اور شاید وہ اس شرط کو پورا بھی کر دے۔

شیان نائلہ کے عشق میں اس بری طرح گرفتار ہو چکا تھا کہ فرار کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف وہ خوش تھا کہ وہ نائلہ کو حاصل کئے لے رہا تھا، مگر دوسری طرف اسے یہ ملال بھی تھا کہ وہ جس مقصد سے گھر سے نکلا تھا، اس میں شاید ناکام ہو رہا تھا۔ انداز سلوک طے کر کے وہ خدا تک پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن اب شاید اس میں ناکامی ہو۔ پھر وہ یہ سوچنے لگتا کہ رسول اللہ نے تو کئی شادیاں کرنے کے باوجود خدا سے رابطہ نہیں توڑا تھا تو وہ ایک شادی کر کے خدا کو کس طرح بھلا سکتا ہے؟

شیان اور نائلہ کی شادی ہو گئی۔ اس نے شادی کے بعد بھی یہی کوشش کی کہ خدا کے تقرب کی کوشش کرتا رہے لیکن اب ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی تھی۔ باپ شہر واپس چلا گیا تھا لیکن ماں، بیٹی کے پاس ہی رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتی کہ کس طرح ان دونوں کو شہر لے جائے لیکن شیان انکار ہی کرتا رہا۔

اس واقعے کو کئی سال ہو گئے۔ اس دوران نائلہ تین بچوں کی ماں بن گئی، دو لڑکے ایک لڑکی، لڑکے بڑے تھے لڑکی چھوٹی۔ اب نائلہ کی ماں نے جھگڑے کا دوسرا انداز اختیار کیا۔ وہ بار بار یہی کہتی کہ تو نے تو اپنی زندگی اس ویرانے میں گزار دی، لیکن ان تینوں بچوں کا کیا بنے گا؟

اس نے سوال نے نائلہ کو بھی فکر مند کر دیا اور شیان بھی سوچنے لگا۔ کھیتوں اور باغوں میں کام کر کے جو اجرت ملتی تھی وہ اتنی نہیں تھی کہ ان سب کی معقولیت سے گزر بسر ہو جاتی۔ بچے بیمار پڑتے تو ان کے دوا علاج میں بڑی دشواری پیش آتی۔ کھانے کو معقول غذا نہ ہوتی اور بچے رونے دھونے لگتے تو ان تینوں کے دلوں پر سانپ سا لوٹ جاتا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی ہوتی چلی گئیں، جمع ہوتی رہیں، انہوں نے نائلہ اور شیان کو بھی متاثر کیا۔ اب اپنی ماں کے ساتھ نائلہ بھی یہ کہنے لگی تھی کہ "میں اس ویرانے میں مزید نہیں رہ سکوں گی، شہر چلو!"

ماں تائید کرتی۔ "اگر شیان نہیں جاتا تو نہ چلے، یہیں رہے، تو اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میرے ساتھ چل۔ کل یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو ان کا کیا بنے گا؟"

شیان ان دونوں سے نہیں لڑ سکتا تھا، کہتا۔ "آخر شہر میں ہمیں کیا مل جائے گا، جو خدا وہاں ہے وہی خدا یہاں بھی ہے، وہ رازق ہے، پتھروں تک میں کیڑوں کو غذا پہنچاتا ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "پہنچاتا ہو گا پتھروں میں غذا لیکن میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں انسان ہوں اور میرے بچے انسان کے بچے ہیں پتھر میں کیڑے مکوڑوں کی طرح خدا کے رزق کا کیوں انتظار کریں۔ میرے بچے بھی دوسرے انسانوں کی طرح جدوجہد کریں گے اور کوئی مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

شیان کی ساری دلیلیں بیکار ہو گئی تھیں، بولا۔ "نائلہ! آخر تجھے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو تو ایسی نہیں تھی؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "پہلے تم بھی ایسے نہیں تھے، پہلے ہمارے یہ بچے بھی نہیں تھے۔"

شیان نے بے بس ہو کر مہلت مانگی۔ "تب پھر مجھے سوچنے اور کسی قطعی فیصلے تک پہنچنے کا موقع دے۔"

نائلہ نے جواب دیا۔ "تم خوب سوچ لو اور جو چاہو فیصلہ کرو لیکن ایک بات ذہن نشین رہے!"

شیان نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "وہ یہ کہ تم کوئی بھی فیصلہ کرو، لیکن میں اپنے بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی، تم اپنا فیصلہ مجھ پر مسلط نہیں کر سکتے۔"

شیبان نے کوئی جواب نہیں دیا اور تین دن تک اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ چوتھے دن نائلہ نے پوچھا۔ "شیبان! تم نے کوئی فیصلہ کیا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تو جا سکتی ہے لیکن بچے میرے پاس رہیں گے۔"

نائلہ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ کھیلنے لگی، بولی۔ "واہ کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس بیکار فیصلے میں خواہ مخواہ تین دن ضائع کر دیے اور یہ نہیں سوچا کہ یہ مسئلہ ہی بچوں کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے۔ بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو میں تمہارے اسی ویرانے میں اپنی زندگی بتا دیتی۔"

شیبان نے بڑے بے بسی و بیچارگی سے کہا۔ "جب تو بھی چلی جائے گی اور تیرے ساتھ تینوں بچے بھی چلے جائیں گے تب پھر یہاں رہ ہی کیا جائے گا؟"

نائلہ نے طنز کیا۔ "خدا جس کی تجھے مدت سے تلاش ہے۔"

شیبان نے کہا۔ "لیکن خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔"

نائلہ نے پھر طنز کیا۔ "لیکن اس حقیقت کا تمہیں پہلے تو شاید علم نہیں تھا۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "تھا، کیوں نہیں تھا۔"

نائلہ نے کہا۔ "اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو خدا کی تلاش میں ویرانوں کی خاک نہ چھانتے۔"

شیبان اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، بولا۔ "نائلہ! میں حیران ہوں کہ یہ نکتہ پہلے میری سمجھ میں کیوں نہیں آیا تھا۔"

نائلہ کی ماں بھی ان دونوں کی بات چیت سن رہی تھی، بولی۔ "شیبان! کیا تو بھی ہمارے ساتھ چلے گا؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "ہاں، میں بھی ساتھ چلوں گا لیکن میں یہ سوچ سوچ کر ہمت ہار بیٹھا ہوں کہ اب میں دنیا میں خود کو اہل کس طرح ثابت کروں گا، دنیا کے لائق کس طرح بنوں گا۔"

نائلہ کی ماں نے کہا۔ "تو اس کی فکر نہ کر، میرا شوہر ایک بااثر شخص ہے، وہ کوئی اچھا سا منصب دلا دے گا۔"

شیبان ہچکچا رہا تھا، بولا۔ "معلوم نہیں کیوں، یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا لیکن نائلہ اور بچوں کی خاطر جانا ہی پڑے گا۔"

چند دنوں کے بعد نائلہ کا باپ بھی آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ چھکڑا بھی لایا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ شیبان شہر جانے پر آمادہ ہو گیا ہے تو اسے بڑی خوشی ہوئی، بولا۔ "شیبان! میں اس فیصلے پر تجھے مجبور تو نہیں کر سکتا تھا لیکن میری خواہش یہی تھی، آج میں بہت خوش ہوں۔"

شیبان کو اپنی کٹیا چھوڑنے کا بڑا ملال تھا۔ اس نے روانگی سے پہلے کٹیا پر ایک الوداعی نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ دل پہلے ہی سے امنڈ آ رہا تھا۔ اس نے اپنا قول لٹا لیکن اپنے پدر شفیق کا یہ قول انکھار نے دیا کہ

"تجرد تاہل سے بہتر ہے۔"

نائلہ بہت خوش تھی۔ جب یہ سب چھکڑے میں بیٹھ گئے تو شیبان کے منہ سے چیخ نکلی، بولا۔ "اے میری تنہائیوں کی رفیق کٹیا! میں نے تیری آغوش میں خدا کی جستجو شروع کی تھی اور اب سالوں کے بعد مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ خدا تو ہر کہیں ہے اور اسے شہر والوں میں بھی تلاش کیا جا سکتا ہے لیکن اگر میں شہر میں ناکام رہا تو میں شاید ایک بار پھر تیری آغوش میں سمٹ آؤں۔"

نائلہ نے جھنجھلا کر اگرچہ ہنستے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم یہاں پھر واپس آؤ گے؟"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں تو، ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

ماں نے کہا۔ "پھر تو واپسی کی بات کیوں کر رہا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ جب میں نے دنیا چھوڑی تھی تو یہی فیصلہ کر کے آیا تھا کہ اب میں وہاں نہیں جاؤں گا لیکن آج واپس جا رہا ہوں، اب مجھے کچھ پتہ نہیں کہ شہر میں مستقلاً ہی رہ جاؤں گا یا یہ کٹیا پھر آباد کرنا پڑے گی۔"

نائلہ کے باپ نے اپنی بیوی کے کان میں کہا۔ "مت الجھ، اب یہ واپس نہیں آئے گا، بیوی بچوں کی مضبوط بیڑیوں نے اسے بے بس کر دیا ہے اور یہ بیڑی اتنی وزنی ہے کہ اسے یار بار اٹھایا بھی نہیں جا سکتا۔"

خاصی دیر بعد ان کا چھکڑا دمشق میں داخل ہو گیا۔ شیبان نے اس شہر کو ایک مدت کے بعد دیکھا تھا، اب اس میں خاصی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ یہیں اس کی ماں بھی رہتی تھی جس کا کچھ پتہ نہ تھا کہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔ دمشق کے نظارے اسے ماضی کی یاد دلا رہے تھے۔ اس کا چھکڑا عام گزرگاہوں سے ہوتا ہوا ایک خاص شاہراہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں بڑے بڑے محلات کھڑے تھے۔

کچھ دیر بعد اس کا چھکڑا ایک شاندار محل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ محل کے پھاٹک پر

سنتریوں اور محافظوں کا ایک دستہ مستعد اور چوکس کھڑا تھا۔ نائلہ کے باپ نے گاڑی ... کر دربانوں سے بات چیت شروع کر دی۔ شیبان نے نائلہ سے دریافت کیا۔ "نائلہ یہ ... کا قصر ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا ہم لوگ اس لائق ہیں کہ اس شاندار قصر میں قیام کریں؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں! میں تمہیں اسی لئے لائی ہوں کہ آدمیوں ... کر تمہیں آدمی بنا دوں۔"

کچھ دیر بعد بڑا پھاٹک کھل گیا اور یہ لوگ چھکڑے سے اتر کر پیدل اندر داخل ہو گئے۔ اس موقع پر نائلہ عجیب کردار ادا کر رہی تھی۔ اس نے تینوں بچے شیبان کے ... کر دیئے۔ شیبان نے دو کو تو کاندھے پر بٹھا لیا اور ایک کی انگلی پکڑ لی اور اس کے بعد قافلہ پھاٹک کے اندر داخل ہو کر آگے بڑھا۔ پھاٹک کے بعد ایک بڑا سا قطعہ ملا۔ جس ... سبزے اور پھولوں کے درختوں کی روشیں بڑی بہار دے رہی تھیں۔ اس میدان کو عبور ... کے بعد محلات کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔ اور ہر چبوتروں میں محافظ کھڑے ان ... آمد کا دلچسپ منظر دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً انہی محلوں میں سے کسی ایک محل سے کچھ لوگ با... نکل آئے اور ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ شیبان کی رگوں میں خون خشک ہو گیا ... میں جو شخص سب سے آگے تھا اسے شیبان نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔ یہ ہشام بن ... ملک خلیفۃ المسلمین تھا اور اپنی بھینگی آنکھ کی وجہ سے دور ہی سے پہچان لیا جاتا تھا ... کے ارد گرد موجود لوگوں کو بھی شیبان نے پہچان لیا۔ ان میں ایک تو امیر المومنین کا قاضی ... بن صفوان تھا، وہی قاضی جسے خلیفہ کے دیئے ہوئے دینار چپکے سے دے دیئے گئے تھے ... میں امیر المومنین کا کاتب سالم بھی تھا۔ یہ سب شیبان کو اس حال میں دیکھ کر بہت خو... ہو رہے تھے اور اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ شیبان کو چکر سا آ گیا۔

نائلہ کی ماں نے امیر المومنین کو دیکھتے ہی ادب سے سلام کیا اور شیبان کی سفا... کی۔ "امیر المومنین! یہ میرا داماد شیبان ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں ان ... سے اس امید میں لے آئی ہوں کہ امیر المومنین اسے بھی اپنے خادموں میں شامل فرما لیں گے۔"

ہشام نے اپنی بھینگی آنکھوں سے شیبان کی طرف دیکھا لیکن شیبان کو ... گمان گزرا کہ ہشام کسی اور کو دیکھ رہا تھا۔ خلیفہ نے شیبان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ... یاد پڑتا ہے کہ میں اس سے کہیں مل چکا ہوں۔"

قاضی ابن صفوان نے عرض کیا۔ "امیر المومنین! یہ وہی شیبان ہے جس سے ... سب جبل لبنان میں مل چکے ہیں اور جس کی کٹیا پر موٹا موٹا لکھا تھا۔ "انسان کے حق میں ... آدم ہے، گمنامی نام و نشان سے اور نادار درویش قبول عطیات سے بہتر ہے۔"

شیبان نے شرم سے گردن جھکا لی۔ دونوں بچوں کو کاندھوں سے اتار دیا اور عرض کیا۔ "اب میں نے اس قول کے نیچے ایک قول اور لکھ دیا ہے۔"

قاضی ابن صفوان نے پوچھا۔ "کون سا قول؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "تجرد تاہل سے بہتر ہے۔"

قاضی ابن صفوان مسکرانے لگا بولا۔ "وحشی انسان! یہ قول تیرا نہیں امیر المومنین کا ہے۔"

نائلہ کی ماں نے پھر درخواست کی۔ "امیر المومنین میرے داماد اور چھوٹے چھوٹے نواسی نواسوں کے حق میں کچھ ارشاد فرمائیں۔"

ہشام نے اعلان کیا۔ "شیبان کو میرے مصاحبین میں شامل کیا جائے تاکہ اس کا اور اس کے بچوں کا مستقبل سدھر جائے۔"

جب ہشام یہ اعلان کر رہا تھا، اس وقت نائلہ کی ماں قاضی ابن صفوان سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ "قاضی صاحب! میں نے آپ کی اور امیر المومنین کی انا کی خاطر اس شاہین کو اسیر کر لیا ہے اور یہ میرا اللہ جانتا ہے کہ میں نے اس پر کتنی محنت کی ہے، اب مجھے میری محنتوں کا صلہ مرحمت فرمایا جائے۔"

اس کی اس سرگوشی کو شیبان نے بھی سن لیا، اس کے دل پر بڑی چوٹ پڑی۔ اسے رہنے کے لئے ایک شاندار محل عطا کیا گیا، اس نے رات کو رقت زدہ آواز میں کہا۔ "نائلہ! میں تیری اور تیرے بچوں کے مستقبل کی خاطر دمشق میں آ گیا ہوں، تجھے یاد ہوگا کہ میں کٹیا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن جب تم نے مجھے یہ بتایا کہ جو خدا اس کٹیا، اس ویرانے میں ہے وہی شہروں میں بھی موجود ہے، اس وقت میں نے تیری بات مان لی تھی لیکن شہر آ کر یہ عقدہ کھلا کہ مجھے تیری بات نہیں ماننا چاہیئے تھی۔"

نائلہ نے کہا۔ "اگر میری تجویز پر تو عمل نہ کرتا تو میں بھی تجھے دیکھ لیتی۔"

شیبان کو اندر سینے میں جھٹکے سے لگتے محسوس ہوئے، اسے بڑے زور کا درد آیا۔ ہشام نے اسے اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا تھا اور نائلہ اس سے تند و تیز لہجے میں ... کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان تند و تیز ہواؤں میں تلاش حق کا چراغ کس طرح روشن رکھ سکے گا۔ پہلے تو اسے یہ یقین تھا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور وہ اسے ہر جگہ تلاش کر سکے گا لیکن اب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ خدا ہر کہیں ہو سکتا ہے لیکن انسانی بادشاہت کی عمل داری میں شاید وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں کے مستقبل پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اب نائلہ کی ماں کے بقول شاہین اسیر ہو چکا تھا۔ شیبان کا دل شکستہ آدم تھا۔ وہ کسی بچے کی طرح زار و قطار رونے لگا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

لہو کا راگ

اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں جب انگریز تاجروں نے ہندوستان کے حکمران بننے کا خواب دیکھنا شروع کیا تو ان کا پہلا شکار نواب سراج الدولہ ہوا۔ اس نوجوان اور ناتجربہ کار نواب کو زیر کرنے کے لیے سفید فام بدیسی تاجروں نے

کون کون سے حربے استعمال کیے۔ بنگالیوں اور ہندوؤں کی صدہا بیٹیوں اور قہرمانیوں کی خوبصورت کہانی۔ سرتاپا تجسس اور انداز تحریر قلم کی جادوگری کا شاہکار ہے۔ اس عہد کے تہذیب و تمدن کی ایک خوبصورت تصویر۔ وہ سب کچھ جو ایک قاری ایک کہانی میں چاہتا ہے

دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ خادم نے انگلیوں کے جوڑوں سے دستک دی اور جب تھوڑی دیر بعد یہ دروازہ کھلا تو اندر سے ایک میراثی نمودار ہوا وہ جھک کر پہلے معزز مہمان کی خدمت میں آداب بجا لایا اور سرتاپا فدویت سے مسکرا کر بولا۔ "حضور کی تشریف آوری کا کس طرح اور کس زبان سے شکریہ ادا کروں؟"

معزز مہمان نے ادھر ادھر دیکھ کر رازداری سے کہا۔ "ہم اندر بیٹھنا چاہتے ہیں!"

میراثی اسے اندر لے گیا۔ وہاں جھاڑ فانوسوں کے سائے تلے قیمتی فرش بچھے ہوئے تھے۔ دیوان پر جگہ جگہ آلات موسیقی رکھے ہوئے تھے نووارد مہمان جب مسند نشین ہو گیا تو اس کا خادم اس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ میراثی نے اپنے ہاتھ ناف پر رکھ لئے اور سر جھکا کر پوچھا "ہمارے لائق کوئی خدمت ہے؟"

نواب نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر کسی کو تلاش کیا پھر پوچھا۔ "بشو! منی کہاں ہے؟"

بشو نے جواب دیا۔ "ابھی حاضر کرتا ہوں!"

نواب نے حکم دیا۔ "ساتھ ہی بنو کو بھی حاضر کیا جائے!"

بشو دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ نواب نے کلاہ اتار کر ایک طرف رکھ دی، اس کے سفید بال گدی پر بکھر گئے۔

تھوڑی دیر بعد بشو دو حسین فتنوں کو لے کر حاضر ہو گیا۔ ان کے جسموں پر کسا ہوا قیمتی [illegible] اس مکنے کی حد تک چست تھا۔ چوڑی دار ریشمی پاجامے میں پنڈلیاں شیشے کی طرح چمک رہی تھیں اور کسمساتے پر تنگ اور کوتاہ زرکار کرتیاں ابھرے ہوئے فتنوں کو گویا بہ جبر روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی لمبی زلفیں چوٹیوں سے بے نیاز پشت اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ نواب کے سامنے آتے ہی جھک گئیں، دونوں بار فرشی سلام کیا۔ ان کے مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے سے سفید [illegible] موتیوں جیسے دانت دودھ کے بنے ہوئے لگتے تھے۔

نواب انہیں دیکھتے ہی تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ "حسن و جمال کے نورانی پیکرو! تسلیمات بجا لا کر ہمیں شرمندہ مت کرو۔ ہم خود ہی تمہاری پرستش کے لئے یہاں حاضر ہوتے ہیں!"

اس کے بعد نواب چند قدم آگے بڑھا اور دونوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی نشست گاہ تک لے آیا۔

خود بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس ان دونوں کو بٹھا لیا۔ ان کے روبرو چند گز کی دوری پر بشو ہاتھ باندھے کھڑا خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔

نواب نے موٹے ہونٹ اور گداز جسم کی لڑکی کی ٹھوڑی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور چہرے کو اوپر اٹھاتا ہوا بولا۔ "منی! مرشد آباد تمہیں پسند آیا؟"

مرشد آباد کے صوبے دار علی وردی خان نے اپنے نواسے مرزا محمد کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی کیونکہ یہی مرزا محمد مستقبل میں سراج الدولہ کے نام سے بنگال کی صوبے داری پر فائز ہونے والا تھا۔ شادی کی خوشی میں ایک ماہ تک پورے مرشد آباد کی دعوتیں ہوتی رہیں۔ محلے محلے اور گھر گھر [illegible] تقسیم ہوئے تقریباً بیس لاکھ روپے کی خلعتیں اور جواہرات بانٹے گئے اور پورا شہر رنگ و نور میں ڈوبا رہا۔ جہاں چند ماہ پہلے تک مرہٹوں کے خلاف جنگ کے نقارے بجتے رہتے تھے وہاں کی ہواؤں اور فضاؤں میں شہنائیوں اور نفیریوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

[illegible] انعام و اکرام کے امیدوار ملک کے گوشے گوشے سے چل کر مرشد آباد پہنچ چکے تھے۔ دہلی کی مغل سلطنت اپنے صوبے داروں کے ہاتھوں کمزور اور ذلیل و خوار ہو رہی تھی اور چونکہ داد و دہش اور شان و شوکت صوبے داروں کے دربار میں چلی گئی تھی اس لئے [illegible] اہل طرب بھی دہلی سے رخصت ہو کر صوبے داروں کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ مرشد آباد میں [illegible] آبادی نے ملک بھر کے اہل طرب کو اکٹھا کر دیا تھا اور یہ اپنے فن کا شاندار مظاہرہ کر کے توقع سے کہیں زیادہ انعام و اکرام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے۔ آنے والے طائفوں کو محل کے مقابل چار برجوں والی پتھریلی عمارت میں ٹھہرایا گیا تھا۔ سازندے اور گانے والیاں امید سے زیادہ دولت کما لینے کی خوشی میں سرشار واپسی کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ان کا سامان بندھ چکا تھا۔ بوندا باندی کا سماں تھا۔ شمالی افق کی بلندیوں پر بجلی کوند رہی تھی، اسی عالم میں چار برجوں والی پتھریلی عمارت کے صدر دروازے میں ایک سجا ہوا رتھ داخل ہوا۔ اس میں جتے ہوئے شاندار گھوڑے کا سیاہی مائل سفید جسم کسی شفاف دھات کی طرح چمک رہا تھا۔ رتھ عمارت کے اندرونی درمیانی دروازے پر رک گیا۔ ایک [illegible] جسامت اور قد و قامت کا شخص [illegible] خادم کے ساتھ نیچے اترا۔ اس کا [illegible] نظر آ رہا تھا۔ یہ دونوں عمارت کے

منی نے بناوٹی شرم و حیا سے جواب دیا۔ "بہت زیادہ حضور نواب، اور آپ کی بخششیں اور جود و سخا! انہیں تو کبھی بھی فراموش نہ کیا جا سکے گا!"

نواب کی ہوس آنکھوں میں سمٹ آئی۔ اس نے بشو کو گھور کر دیکھا اور حکم دیا۔ "جاؤ!" اس کے بعد اپنے خادم کی طرف گھوم گیا اور نرمی سے کہا۔ "اور تم بھی!"

وہ جن خاموشی سے باہر چلے گئے، نواب نے تحکمانہ کہا۔ "دروازے بند کر دیے جائیں" حکم کی پوری پوری تعمیل ہو گئی۔ اس تخلیے میں نواب نے کچھ زیادہ جسارتوں سے کام لیا دونوں نوخیز پھول، نادان بچیوں کی طرح بزرگ کی آغوش میں سمٹ گئیں۔ اشتہا دن ساٹھ سالہ نواب بیس بائیس سالہ نوخیز جسموں سے یوں لطف اندوز ہوتا رہا جیسے کوئی تھکا ہارا ضعیف و ناتواں تشنہ کام پانی سے بھری ہوئی بھاری مشک سے ایچ کر رہ جائے۔ خاصی دیر بعد نواب نے فرصت کا سانس لیا اور دونوں لڑکیاں اپنی طبیعتوں کے تکدر کو چھپائے ادب سے اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ نواب نے اپنی منظورِ نظر سے کہا۔ "منی! تم یہیں رہو گی، تم واپس نہیں جاؤ گی"

منی نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے حضور نواب؟ کیا ہمارے پتا جی رضامند ہو جائیں گے؟"

"اوہ ہو!" نواب نے لاپروائی سے کہا۔ "بشو کی کیا مجال کہ ہمارے حکم سے سرتابی کرے۔ میر جعفر خان سپہ سالار افواج بنگال ہیں، تم ہماری سلطنت کی حدود میں ہو اور ہماری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتیں!"

دونوں لڑکیاں خوفزدہ ہو گئیں، نواب کی آواز پھر ابھری، بولا۔ "لیکن تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں منی بیگم! ہم تمہیں مرشد آباد کے قیام کے عوض پانچ سو روپے ماہانہ ادا کر جائیں گے!"

منی نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دوسری لڑکی بولی۔ "اور ہمارے لیے کیا حکم ہے نواب صاحب؟"

نواب نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے جب منی بیگم یہاں رہیں گی تو تمہیں بھی ٹھہرنا پڑے گا اور تم سب کی رہائش اور قیام کی ساری ذمہ داریاں ہمارے سر رہیں گی!"

نواب کے جواب نے دونوں کے چہروں پر تازگی پیدا کر دی۔

تھوڑی دیر بعد بشو کو اندر بلا لیا گیا اسے نواب کے فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا۔ اسے کیا انکار ہو سکتا تھا! بخوشی رضامند ہو گیا لیکن میر جعفر نے ان پر یہ قید بھی لگا دی کہ اس کے تعلقات کا چرچا نہیں ہونا چاہیے۔ اس عہد و پیمان کے بعد محفل رقص و موسیقی جمی اور بوڑھا نواب دیر تک

چراغ سحری کی طرح بھڑکتا رہا۔

میر جعفر کے جانے کے بعد بشو نے دونوں لڑکیوں کو خوب اچھی طرح سمجھایا کہ موقع بڑا اچھا ہے جلد از جلد جتنا زیادہ فائدہ اٹھانا ممکن ہے اٹھا لیا جائے کیونکہ یہ آندھی کے آم ہیں، بوڑھا میر جعفر لب گور ہے معلوم نہیں کب چل بسے۔ میر جعفر ہر دوسرے تیسرے دن حاضری دیتا اور مقررہ رقم کے علاوہ کافی انعام و اکرام دے کر رنگین محفل جماتا اور جی کی ہوس نکال کر واپس جاتا۔ کچھ عرصے بعد میر جعفر یہ محسوس کرنے لگا کہ وہ دونوں لڑکیوں پر فضول دولت لٹا رہا ہے ان سے شادی کر لینا چاہیے کیونکہ دونوں کو بیویاں بنا کر وہ بیک وقت دو فائدے حاصل کر سکتا تھا ایک تو یہ کہ جب دونوں بیویاں بن کر گھر آ جائیں گی تو وہ روز روز کے انعام و اکرام کے فضول خرچ سے صاف بچ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اب تک ان دونوں پر جو کچھ خرچ کر چکا تھا کسی حد تک اس کے واپس مل جانے کا امکان بھی پایا جاتا تھا لیکن بشو نے میر جعفر کی پیشکش کو نہایت نرمی سے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ "حضور والا! ہم کھانے کمانے والے لوگ، اگر اپنا کاسہ گدائی آپ کے حوالے کر دیں گے تو ہم کیا کریں گے؟"

میر جعفر نے جواب دیا۔ "کسی فقیر کو اگر تاج و تخت مل رہا ہو تو اسے خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے! تمہاری دونوں بیٹیاں ہمارے حرم میں ملکہ کی حیثیت سے داخل ہوں گی تمہیں تو ہماری پیشکش پر فخر کرنا چاہیے! تم دو ٹکے کے میراثی اپنی دونوں حسین بیٹیوں کے طفیل بنگالہ کے سپہ سالار اور صوبے دار علی وردی خان کے بہنوئی کے پدر نسبتی کا مرتبہ حاصل کر لو گے!"

بشو چپ ہو رہا لیکن اس خاموشی کے پیچھے خطرناک منصوبے جنم لینے لگے بظاہر اس نے جو خاموشی اختیار کی تھی اس کا میر جعفر نے یہ مطلب لیا کہ شاید وہ رضامند ہو گیا ہے، اس نے حکماً پوچھا۔ "پھر ہمیں کب تک تمہاری دونوں بیٹیوں کو اپنی ملکہ بنا لینا چاہیے؟"

بشو نے افسردگی سے جواب دیا۔ "یہ تو حضور والا کی مرضی پر منحصر ہے جب چاہیں انہیں لے جائیں لیکن یہ خاکسار ایک درخواست ضرور کرے گا؟"

میر جعفر نے پوچھا۔ "وہ کیا؟ کہو!"

بشو نے کہا۔ "اگر حضور والا منی اور ببو کو ایک ساتھ اپنے حرم میں داخل کریں گے تو یہ کوئی اچھی بات نہ ہو گی اس لیے اس ناچیز کی رائے میں حضور کسی ایک کو اپنے ساتھ رکھیں بعد میں موقع محل دیکھ کر دوسری کی بابت بھی سوچ لیا جائے گا؟"

میر جعفر کو یہ تجویز پسند آئی، بولا۔ "آدمی عقل مند ہو!" اس کے بعد منی کا ہاتھ پکڑ لیا، بولا۔ "یہ ہے ہماری منی بیگم، پہلے اسے ہم اپنی ملکہ بنائیں گے!"

اسی وقت دونوں میں شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ میر جعفر نے منی سے پوچھا "کہو تمہیں یہ رشتہ پسند آیا؟"

منی نے جواب دیا۔ "کون ہے جو اس معزز رشتے کو پسند نہ کرے گا۔ میرے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ میں عنقریب بنگال کے سپہ سالار کی بیوی بن جاؤں گی!"

میر جعفر نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی کھچڑی داڑھی منی کے لب و رخسار میں گدگدی پیدا کرنے لگی۔

دوسرے دن علی الصباح بشو کہیں چلا گیا۔ دوپہر کو جب واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ وہاں میر جعفر پہلے ہی سے موجود تھا۔ منی ناچ رہی تھی۔ اور وہ سامنے بیٹھا داد و تحسین کے پھول برسا رہا تھا۔ کسی کسی وقت وہ سرد آہ بھی بھرنے لگتا۔ بشو نے میر جعفر کو سلام نہیں کیا اور تیز تیز چل کر میر جعفر کے قریب جا بیٹھا۔ بشو کی یہ گستاخی میر جعفر کو پسند نہ آئی۔ تیوریاں چڑھا کر بولا۔ "بشو کیا تم درباری آداب اور منصبی احترام سے بھی واقف نہیں ہو؟"

بشو ہنسنے لگا۔ بزرگانہ انداز میں بولا۔ "نواب صاحب عقلمند آدمی ہیں۔ کل آپ نے مجھے اپنا پدر نسبتی قرار دے دیا تھا۔ اس جدید رشتے اور تعلق کی بنا پر میں اسی عزت اور احترام کا مستحق ہوں جس کے حق دار نواب صاحب کے والد بزرگوار ہوں گے۔" پھر کچھ افسردہ ہو کر بولا "لیکن میں اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ شرفا ہم جیسوں کو سبز باغ دکھا کر اپنا مطلب تو ضرور نکال لیتے ہیں لیکن ہمیں وہ عزت نہیں دیتے جس کا وہ جذبات میں آ کر وعدہ کر لیتے ہیں!"

بوڑھا نواب جوش میں آ کر ایک دم کھڑا ہوا اور عقیدت و احترام سے بشو کے ہاتھ کو چومنے لگا۔ اس طرح وہ بشو کے حضور اپنے رشتہ فرزندی کا اظہار کر رہا تھا۔ بشو نے نواب کے سفید بالوں والے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور درازی عمر کی دعائیں دینے لگا۔

منی کی بہن بجو اس رشتے سے خوش نہیں معلوم ہوتی تھی، وہ خود بھی بوڑھے نواب کی بیوی بن کر محل میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ گو منی نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ زیادہ فکر مند نہ ہو اس کے جاتے ہی بجو بھی بلا لی جائے گی لیکن سردست بجو کے لئے یہ کیا کم دکھ تھا کہ میر جعفر منی کی موجودگی میں بجو کو نظر انداز کر رہا تھا حالانکہ حسن و جمال میں وہ منی سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

بشو، میر جعفر اور منی کو سازندوں کے درمیان چھوڑ کر اندر چلا گیا، وہاں بجو کو اداس دیکھ کر پوچھا۔ "ارے تو کیوں اداس ہو رہی ہے بجو؟ تو کیا سوچ رہی ہے؟"

بجو نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ بشو خود ہی کہنے لگا۔ "مجھے خوب معلوم ہے

کہ تو بڑی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اسی طرح اداس ہو جاتا۔" پھر آہستہ سے بجو کے گال تھپتھپا کر بولا "لڑکی ہے۔ جو کسی بوڑھے کے سر پر سہرے میں اپنی جوانی گزارنا پسند کرے گی لیکن تو مت گھبرا۔ میں نے وہ نسخہ چھوڑا ہے کہ نواب میر جعفر اس میں پھنس کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے گا!"

بجو نے جل کر جواب دیا۔ "بتا جی! میں نواب کی دلہن بننا چاہتی ہوں!"

"لڑکی!" بشو کی حیرت سے آنکھیں کھل گئیں۔ "تو اس بوڑھے کی بیوی بننا چاہتی ہے جو قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہے!"

بجو نے جواب دیا۔ "ہاں میں نواب میر جعفر کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔"

"یہ کیوں؟"

بجو نے جواب دیا۔ "میں دولت کے ساتھ ہی عزت اور مرتبہ بھی حاصل کرنا چاہتی ہوں اور بوڑھے نواب کی بیوی بن کر میں دونوں ہی چیزیں حاصل کر لوں گی!"

بشو فکر مند ہو گیا۔ بولا۔ "میں تجھ پر جبر بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مرشد آباد ہے یہاں صوبے دار، ولی عہد اور سپہ سالار کا حکم چلے گا لیکن اگر تو پسند کرے تو میں تجھے ایک مشورہ ضرور دوں گا!"

بجو نے بڑی بڑی بادام جیسی آنکھیں بشو کی طرف اٹھا دیں، پوچھا "کیسا مشورہ؟ بتائیے!"

منی کو نواب میر جعفر ہی سے شادی کر لینے دے اور تو کوشش کر کہ ولی عہد بنگالہ نوجوان مرزا محمد کسی طرح تجھے پسند کرے۔ اگر تو نے اس نوجوان کو شکار کر لیا تو سپہ سالار میر جعفر تیرا ادنیٰ ملازم ہو گا!"

بجو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن نوجوان شہزادہ مجھے ملے گا کہاں؟ اس سے ملاقات کس طرح ہو گی؟"

بشو نے چٹکی بجائی بولا۔ "بس تو فوراً بن سنور کر تیار ہو جا۔ شہزادہ آنے ہی والا ہے، میں اسے خود ہی بلا آیا ہوں، میں اس پر قسمت کو منی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑ دیا چاہتا ہوں، ایسا میں نے اس لئے سوچا تھا کہ میں تم دونوں کو بوڑھے نواب کی زوجیت میں نہیں دینا چاہتا تھا۔" پھر کچھ رک کر کہا۔ "لیکن اگر تو نے نوجوان شہزادے کو اپنی طرف رجوع کر لیا تو پھر میں منی کو میر جعفر سے بخوشی بیاہ دوں گا اور میں بیک وقت شہزادے اور سپہ سالار کا پدر نسبتی بن جاؤں گا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہو گا۔ بہت بڑا مرتبہ، اور میرا شمار بھی یہاں کے امرائیں ہونے لگے گا۔"

بجو نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموشی سے اٹھ کر سنگار کرنے لگی۔ دوسرے لفظوں میں نوجوان شہزادے کو فتح کرنے کے لیے بناؤ سنگار اور ناز و ادا کے ہتھیاروں سے

مسلح ہونے لگی۔

گھنگھروؤں کی جھنکار، طبلے کی تھاپ اور سارنگی کی ریں ریں میں ذرا سا انتشار پیدا ہو گیا۔ نوجوان سراج الدولہ اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے بوڑھے سپہ سالار کو اس رنگ میں دیکھ کر شرم سی محسوس کی لیکن میر جعفر بے شرمی سے بیٹھا رہا۔ اس نے نوجوان ولی عہد کو ناچ گانے سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دی۔ سراج الدولہ نے ہاتھ کے اشارے سے میر جعفر کو ایک طرف بلانا چاہا لیکن میر جعفر نے تخلیے کا حکم دے کر شہزادے کو اپنے پاس بلا لیا۔ جب سراج الدولہ اس کے پاس جا بیٹھا تو میر جعفر نے رازداری سے پوچھا۔ "کوئی خاص خبر؟ کہیں مرہٹوں کے چڑھ دوڑنے کی خبریں تو نہیں آ گئیں؟"

سراج الدولہ نے ذرا پس و پیش سے جواب دیا۔ "آپ والدہ محترمہ کے پھوپھا ہیں اس رشتے سے ہم بھی آپ کو پھوپھا کہتے ہیں۔ نانا جان ہمیں ولی عہد مقرر فرما چکے ہیں مگر اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہمیں عملی تربیت درکار ہے جو آپ لوگوں ہی سے مل سکتی ہے لیکن آپ کو یہاں دیکھ کر ہمیں عجیب طرح کی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے!"

میر جعفر زور زور سے ہنسنے لگا۔ بولا۔ "صاحبزادے! یہ جگہ جہاں اس وقت آپ تشریف فرما ہیں، تربیت کا مشہور گہوارہ ہے۔ اہم امور ملکی اور جنگی میں سر کھپانے والے لوگ ذرا سکون کا سانس لینے یہاں آ جاتے ہیں۔ یہ طائفہ دہلی واپس جا رہا تھا ہم نے سوچا اس سے کچھ دن اور لطف اندوز ہو لیں!"

سراج الدولہ نے جذبۂ نفرت کو چھپانے کی کوشش کی۔ بولا۔ "لیکن ہم نے تو کچھ اور ہی سنا ہے!"

"وہ کیا؟" میر جعفر نے چونکتے انداز میں سوال کیا۔

"یہ کہ آپ انہیں روک رہے ہیں اور ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں!"

میر جعفر ابھی اس انکشاف پر پوری طرح حیرت کا اظہار بھی نہ کر سکا تھا کہ بشو اجازت لیے بغیر اندر داخل ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ "قبلہ شہزادے کی تشریف آوری کا بندہ کس زبان سے شکریہ ادا کرے۔ اگر حکم ہو تو یہ ناچیز شہزادے کی دل بستگی کا سامان کرے!"

میر جعفر نے شوخی سے مسکرا کر حکم دیا۔ "اجازت ہے۔ شہزادے ہمارے مہمان ہیں اس محفل بے تکلف میں رشتوں کے تکلفات ختم ہو جاتے ہیں!" پھر سراج الدولہ سے کہا۔ "صاحبزادے، قبلہ وقت شہر کے اندیشے میں دبلے مت ہوئیے جب اقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں آ جائے اس وقت یہ باتیں اچھی لگیں گی!"

سراج الدولہ غصے میں اٹھنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ایک دروازے سے ہیرو داخل ہوئی اور تسلیمات کرتی ہوئی دونوں کے قریب آ گئی۔ میر جعفر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سراج الدولہ بھی اس عشوہ طراز کے چہرے کو غور سے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ ہیرو کی پتلی کمر بل پر بل کھا رہی تھی۔ اس نے پہلے میر جعفر کے روبرو جھک کر دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد سراج الدولہ کی طرف بڑھی، گھٹنوں کے بل جھک کر اس نے سراج الدولہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن شہزادے نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اپنا ہاتھ بائیں بغل میں دبا لیا۔ ہیرو نے پھرتی سے بایاں ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ سراج الدولہ کو یوں لگا جیسے کوئی ذرہ آتش سارے جسم میں سرایت کر گئی۔ ہیرو ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور شوخ نظروں سے مسکراتے ہوئے شہزادے کو یوں دیکھا جیسے شکایت کر رہی ہو۔

نوجوان شہزادہ بھی ہیرو کے ناز و ادا سے اپنے دل میں معمولی سی لگاوٹ محسوس کرنے لگا لیکن میر جعفر دونوں کے جذبات کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اسی لمحے جیب سے ایک قیمتی ہار نکال کر ہیرو کی طرف اچھال دیا جسے اس نے ایک ماہر کی طرح زمین پر نہیں گرنے دیا۔ سراج الدولہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسی ہی حرکت کرتا تھا لیکن میر جعفر کی موجودگی میں ایسا نہیں کر سکا۔ بشو کو شہزادے کی طرف سے مایوسی ہوئی، اس وقت اس کی نظر میں میر جعفر ہی بڑا آدمی تھا۔

اس کے بعد منی اور ہیرو نے مل کر رقص کا مظاہرہ کیا۔ جب وہ دونوں تھرکتی پیروں کو پھرتی سے گھمانے کے انداز میں اٹھاتی ہوئی گھنگھروؤں کی جھنکار کے ساتھ دونوں کے قریب پہنچتیں میر جعفر جھوم جھوم جاتا اور نوجوان سراج الدولہ ضبط و احتیاط کے باوجود ایسی محویت کا شکار ہو جاتا کہ اس کے بیتے جذبات جسم کے ایک ایک عضو اور اس کی ایک ایک حرکت سے پڑھے جا سکتے۔ منی حسن میں ہیرو سے کم نہیں تھی لیکن ہیرو تو پھر بھی ایک بہترین رقاصہ تھی۔ ایک ساتھ رقاصی کے بعد دونوں نے الگ الگ رقص کا مظاہرہ بھی کیا۔ اور اس میں بھی ہیرو نے منی کو پیچھے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد دونوں نے الگ الگ گیت سنائے اور ہیرو کی آواز سوز و ساز کا نشتر بن کر دونوں کے دلوں کو برما گئی لیکن میر جعفر منی پر زیادہ مہربان تھا۔ اس نے اسے اتنا نواز دیا کہ سراج الدولہ کو خفت ہونے لگی اور اس کے دل میں ہیرو کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔

خاتمے پر میر جعفر نے سراج الدولہ سے پوچھا۔ "کہیے صاحبزادے! کچھ پسند آیا؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "جو کچھ تھا خوب تھا!"

بشو نے ذرا قریب آ کر عرض کیا۔ "حضور! اس ناچیز کو تو ایسا لگا گویا شہزادے صاحب کو قبلہ تشریف فرما ہے آیا!"

سراج الدولہ نے فوراً سمجھ لیا کہ بشو کہنا کیا چاہتا ہے، سراج الدولہ نے دونوں کو

انعام واکرام سے محروم رکھا تھا۔ یہ صورت حال بشو سے بری کھلا سکتی تھی' اس نے آہستہ سے کہا
بہانا اس مقصد سے ہرگز نہیں آئے تھے یہ ہم پر قرض رہا۔ پھر چکا دیں گے لیکن چلتے چلاتے یہ
کہہ جائیں گے کہ سردست ہمارے سامنے شمشیر وسناں اور توپ و تفنگ کی بازی کھیلی ہوئی ہے
اسے جیت لیں اس کے بعد بازی کی ہار بھی خوبصورت ہو جائے گی!"

بشو نے نظروں ہی نظروں میں پوچھا کہ کب ملاقات ہوگی؟

سراج الدولہ نے بشو سے کہا۔ "تم ہم سے ملنا۔"

میر جعفر نے ان کے نامہ وپیام کا مفہوم پا لیا تھا بولا۔ "کوئی ضرورت نہیں' ہمارے
پاس جو کچھ ہے شہزادے کے نانا علی وردی خان کا ہی دیا ہوا ہے شہزادے کی طرف سے ہم
ادا کریں گے!"

محفل اجڑ گئی۔ جو سراج الدولہ بشو کی خواہش پر میر جعفر کو شرمندہ ... لیکن
آیا تھا خود شرمندہ ہو کر واپس نکلا۔ سراج الدولہ اس نشست میں ایک ...
محسوس کی' میر جعفر کو آداب نشست وبرخاست' انداز بزم آرائی' اور خوبصورت اور ...
پر غیر معمولی عبور حاصل تھا' اور شاید حسین عورتیں ان کی رسیا ہوتی ہیں تبھی تو انہوں نے ایک
پر بڈھے کو ترجیح دی۔

بشو اپنے انعام کی خاطر سراج الدولہ کے پاس پہنچ گیا۔ سراج الدولہ نے اسے ...
دیا۔ بشو نے کچھ کہنے اور کچھ نہ کہنے کے مذبذب انداز میں کہا۔ "کیا حضور والا نے بہو بی کا رقص
بغور ملاحظہ فرمایا تھا؟"

سراج الدولہ نے سادگی سے جواب دیا۔ "ہاں انہیں اپنے فن پر کامل عبور حاصل
"اور آواز کی بابت حضور والا کی کیا رائے ہے؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "سرسوتی ان کے گلے میں اتر گئی ہے گیت اور آواز
جتنی تعریف بھی کی جائے کم ہے!"

بشو کی باچھیں کھل گئیں' بولا۔ "بس حضور والا! جناب کے انعام واکرام سے
قیمتی تو یہ تحسین وآفرین کے گرانمایہ الفاظ ہیں' مجھے کچھ بھی نہ ملتا اور یہ چند الفاظ کانوں کی
دل میں اتر جاتے تو بندہ یہ سمجھتا کہ اسے سب کچھ مل گیا!"

سراج الدولہ خاموش رہا۔ بشو وہاں اس خیال سے بیٹھا رہا کہ نوجوان ولی عہد
اور بھی کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

بشو نے خود ہی سراج الدولہ ... در حقیقت یہ بات کہ میں اپنی دونوں ...

ہی حضور میر جعفر سے بیاہ دوں' تو یہ ناممکن ہے۔ میں ایسا کیوں کروں؟ ہاں حسن کی حد تک تو گوارا
بھی ہے مگر بہو کو کس طرح ان کے حوالے کر دوں؟"

سراج الدولہ نے پوچھا۔ "کیا وہ واقعی دونوں بہنوں سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں بہو کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ دینا چاہتا ہوں۔"

سراج الدولہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "میر صاحب کے اس فعل کو نانا جان کس
طرح گوارا کر لیں گے؟"

بشو نے اپنی جھنجلاہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "اگر درمیان میں آپ آجائیں تو شاید
وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں' ورنہ مجھ میں تو اتنا دم خم ہے نہیں کہ میر صاحب کا مقابلہ
کر سکوں!"

سراج الدولہ نے صاف صاف جواب دیا۔ "بشو! تم کسی اور خوش فہمی میں ہرگز
نہ رہنا۔ اپنے دل میں فریب کار خواہشات کو ہرگز نہ پنپنے دینا۔ ہم ایک بات تمہیں صاف صاف
بتا دینا چاہتے ہیں' وہ یہ کہ ہم میر صاحب کی دشمنی کے آدمی نہیں ہیں' ہمیں تم سے ہمدردی ضرور ہے
لیکن یہ میر صاحب جیسی ہرگز نہیں ہے!"

بشو کا خیال تھا کہ ولی عہد ابھی خام کار ہے اگر دو چار بار سراپا قیامت بہو کو اس سے
ملا دیا جائے تو سراج الدولہ یقیناً اپنا فیصلہ بدل دے گا' پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ اس کی شادی
ابھی نئی نئی ہوئی ہے لامحالہ بیوی کی چاہت دل میں گہری ہوگی' جب یکسانی اس چاہت کو کم
کرے گی تو شہزادہ یقیناً ڈٹ کر بہو پر مائل ہوگا!

اس نے سراج الدولہ سے درخواست کی۔ "حضور والا! جب یہ خادم جناب کا
انعام واکرام لے کر بہو کے پاس پہنچے گا تو وہ شکریے کی ادائیگی کے لیے حضور والا کی قدم بوسی
کی خواہش کرے گی' اس وقت کے لیے کیا حکم ہے؟"

"ہماری طرف سے اس کا شکریہ تم وصول کر لینا!"

بشو نے مایوسی سے کہا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جناب والا!" پھر غمزدہ آواز میں کہا
"آپ لوگ ہی ہمیں منہ لگاتے ہیں اور ہمیں اپنی زندگی میں جو عزت بھی ملتی ہے اس کے منبع یا
مخزن آپ لوگ ہی ہوتے ہیں ان اعترافات اور حقائق کے پیش نظر حضور والا کو ہمیں شرف قدم
بوسی سے محروم نہیں رکھنا چاہیے!"

سراج الدولہ نے عاجز آ کر جواب دیا۔ "ہمیں منظور ہے' اگر بہو بیگم ہمارے روبرو
ہی شکریہ ادا کرنا چاہیں تو انہیں ضیافت خانے میں حاضر ہو جانے کی اجازت ہے!"

بشو نے خوش ہو کر کہا۔ "بندہ پروری کا شکریہ!"

اس کے جانے کے بیس پچیس منٹ بعد ہی میر جعفر بھی پہنچ گیا۔ اسے بشو کے آنے اور واپسی کا کوئی علم نہ تھا۔ اس نے نوجوان ولی عہد سے کہا "مرزا محمد کیا آپ کو [...] پسند ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں تو پھوپھا جان! کیوں؟ خیریت تو ہے!"

میر جعفر نے پوچھا۔ "اور بجو؟ وہ کیسی ہے؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "اچھی ہے لیکن پسند کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا [...]"

میر جعفر نے بے شرمی سے کہا۔ "تو سنو مرزا محمد، وہ دونوں عنقریب تمہاری پھپھیاں [...] کر محل میں آنے والی ہیں!"

سراج الدولہ نے حیرت سے کہا۔ "اچھا! کب؟"

"ہاں! ہم تو بس ایک بات جانتے ہیں! ہم سب بازار میں کھڑے ہیں! ایک منڈی میں یہاں لین دین ہو رہی ہے۔ اگر چیز پسند ہے اور خریدنے کے لئے پاس دولت بھی ہے تو خریدار کو پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہیے!" جب میر جعفر نے یہ دیکھا کہ سراج الدولہ کسی طرح کھل ہی نہیں رہا تو کہنے لگا "مرزا صاحب ہم بشو کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ ہم نے سوچا اگر ہم انہیں آپ کی طرف سے کچھ دیں گے تو زیادہ سبکی ہوگی، بجو یا منی کو آپ کی طرف سے جو کچھ بھی دیا جائے کہ آپ کی طرف سے باقاعدہ نام لے کر دیا جانا اس وقت اور مصلحت کا تقاضا ہے!"

سراج الدولہ اس شاطر کی باتیں خوب سمجھ رہا تھا۔ پھر بھی پوچھا "کیا ہم آپ کو وہ چیزیں دے دیں جو بشو یا بجو کو پہنچانا چاہتے ہیں!؟"

"یقیناً یقیناً!" میر جعفر نے جواب دیا۔ "ہماری خواہش ہے کہ یہ فرض فوراً ہی ادا کر دیا [...]"

سراج الدولہ نے تجاہل عارفانہ سے سوال کیا۔ "کیا نقد روپے دے دیے جائیں؟"

"اس سے بہتر کیا بات ہوگی!"

سراج الدولہ نے میر جعفر کو دس ہزار روپے دے دیے اور اس پر یہ بات کسی طرح بھی نہ ظاہر ہونے دی کہ وہ بشو کو پہلے ہی خوش کر چکا ہے۔

میر جعفر نے ساری رقم خود ہی دبا لی۔

میر جعفر نے بہت ... بجو تنہا رہ گئی۔ وہ بشو کے ساتھ سراج الدولہ کے ضیافت خانے میں پہنچی اور ... ولی عہد کے انعام و اکرام کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ سراج ... زندگی منقش آبنوسی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بجو جھکی ہوئی تھی۔ بجو کے پیچھے

[...] پانچ سات قدم دور بشو کھڑا تھا۔ بجو نے شہزادے کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنے [...] بوسوں سے آتش کدہ بنا دیا۔

سراج الدولہ اپنے ہاتھ نہ کھینچ سکا۔ اس نے اپنے جذبات کا ابلتا ہوا لاوا ضبط و احتیاط [...] دبا دیا۔ بدقت تمام آہستہ آہستہ اس نے کہا۔ "بی بی! تم دہلی واپس جاؤ، وہاں تمہیں مغل خاندان [...] شہزادے مل سکتے ہیں، یہاں مرشد آباد میں کیا رکھا ہے! ایک سراج الدولہ جس کا پیدا معتر[...] ناعلی [...] وردی خان کسی اور ہی ڈھب کا انسان ہے ہم اس کی موجودگی میں بے بس ہیں!"

بجو کو ایسا لگا جیسے سراج الدولہ عالم خواب میں بول رہا ہو، دردناک غم زدہ آواز میں مسکرا کر [...] "حضور والا! آپ نے بجا فرمایا۔ میں دہلی واپس جاؤں گی لیکن چند دنوں کے لئے مجھے یہ اجازت [...] فرمائیں کہ میں آپ کے سامنے اپنے جملہ کمالات کا بھرپور مظاہرہ کر لوں!" اتنا کہہ کر وہ خاموش [...] وہ سراج الدولہ کا رد عمل دیکھنا چاہتی تھی۔

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "تم جب سے یہاں آئی ہو اپنے کمالات کا مسلسل مظاہرہ [...] رہی ہو کیا اب بھی کچھ ایسے کمالات ہیں جو تم اب تک نہیں پیش کر سکیں؟"

بجو نے سر اٹھایا۔ سراج الدولہ کا ایک ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا شہزادے کی [...] آنکھیں چار ہوئیں تو بجو کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے قطرات چھلکنے لگے اور رخساروں پر ان کی [...] لکیریں حیرت اور کرب کا باعث بن گئیں۔

بجو نے کہا۔ کمالات کا مظاہرہ قدر ناشناسوں کے سامنے نہیں کیا جاتا حضور والا! یہ تو [...] بالعموم دل کے معاملے ہیں سینکڑوں کانوں اور آنکھوں کا ہجوم رقص اور موسیقی کے کمالات کو دل تک [...] لے جانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور وہ سوز جس میں ایک حساس مغنیہ یا رقاصہ دن رات پگھلتی [...] ہے نا اہلوں، ناواقفوں اور انا سے بہرے دلوں کے دلوں میں کس طرح جگہ بنا سکتا ہے!"

سراج الدولہ نے عاجز آتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

بجو نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "حضور والا اب بھی کچھ نہیں سمجھے؟ اس سمجھ [...] کی صوبے داری، گستاخی معاف، اس ناچیز کی تو عقل حیران ہے!"

سراج الدولہ خفیف ہو کر بولا۔ "صوبے داری میں حسن و عشق کا کیا کام؟ کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم ہم سے اظہار عشق کر رہی ہو؟ آخر تمہاری باتوں کا کیا مطلب ہے؟"

بجو نے بے چارگی سے جواب دیا۔ "بھلا میری کیا مجال کہ میں حضور والا سے اظہار عشق کروں! [...] عشق اور صوبے داری کے محل ہیں! ایسا کبھی بھی ممکن ہوا ہے جو آج ہوگا؟" پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بشو کی [...] طرف واپس جاتی ہوئی بولی۔ "بشو! واپس چلو، واپس دہلی چلو، یہی بہتر ہے [...] اب یہیں [...]

نہیں رہ سکتی!"

سراج الدولہ کرسی سے اٹھ کھڑا اور تیز تیز قدموں سے ان دونوں کے قریب پہنچا۔ بولا۔ "تم ہمیں غلط نہ سمجھو، ہمارے سینے میں بھی دل ہے لیکن اس دل کو امورِ مملکت نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔ ہم دوسری فردی خواہشات کو اندر جانے بھی نہیں دیتے!"

بنّو نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ "عشق تو ہم لوگ بھی نہیں کرتے ... ذات تو اس معاملے میں بطورِ خاص شہرت رکھتی ہے لیکن چند دنوں سے میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ جونک پتھر میں بھی لگ سکتی ہے!"

سراج الدولہ نے تالی بجا کر ایک خدمت گار کو بلایا اور اسے حکم دیا۔ "... دماغ شربت لاؤ!"

خدمت گار چلا گیا تو اس نے بنّو کو ایک کرسی پیش کی، بولا۔ "تم ..."
لیکن وہ کھڑی رہی اور آہستہ سے بولی۔ "حضور والا! یہ ہرگز نہ سمجھیے کہ میں ... میں گرفتار ہو گئی ہوں!"

سراج الدولہ کو اس کی ذہنی الجھن پر شبہ ہو چلا تھا۔ بنّو کی بات ختم ... تھی۔ شربت آگیا۔ اشارہ پاتے ہی خدمت گار وہاں سے چلا گیا۔ سراج الدولہ نے ... کے باوجود شربت کا پیالہ بنّو کے منہ سے لگا دیا۔ بنّو نے احسان مندانہ نظروں سے سراج الدولہ ... اور غٹ غٹ چڑھا گئی۔

سراج الدولہ نے بشّو سے کہا۔ "پرسوں ہم بنّو کے کمالات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ..."
بشّو نے عاجزانہ دریافت کیا۔ "حضور والا کہاں؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "یہیں ضیافت خانے میں!"
بنّو نے سوگوار آنکھیں سراج الدولہ سے ملائیں۔ بشّو سے پہلے وہاں سے ہٹ ... بشّو نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "حضور والا! بنّو کی گستاخی محسوس نہ فرمائیں ... بڑی بہن سے جب سے جدا ہوئی ہے اداس اداس اور کھوئی کھوئی رہتی ہے اور حالتِ وارفتگی ... کیسی کیسی حرکتیں کر گزرتی ہے!"

سراج الدولہ مسکرا دیا۔

تیسرے دن بنّو نے رقص و موسیقی کا جو شاندار مظاہرہ کیا، اس کا کوئی جواب نہ تھا ... دن اس کے فن میں محبت کی سوزش بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ سراج الدولہ سے متاثر ہو گئی ... سراج الدولہ کو حاصل کر لینا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کو چالاک، مدبر اور بیدار مغز ...

... دی خاں یہ کسی طرح بھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔ سراج الدولہ کے پائے ثبات میں بھی لرزش آتی لیکن ... وہ اس کام کی خود میں ہمت نہ پاتا تھا۔ پہلے اس نے یہ کہا تھا کہ "بی بی! تم دہلی واپس جاؤ!" اور ... ظاہر ہے کے بعد اس نے یہ خواہش کی کہ "بی بی! تم یہیں مرشد آباد ہی میں رہو!"

میر جعفر بھی ان حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ بنّو اس سے خوفزدہ تھی۔ اس نے اپنے ... خوف کا سراج الدولہ پر بھی اظہار کیا لیکن سراج الدولہ میر جعفر کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتا ... اس نے بنّو کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ "ہم جب بھی چاہیں گے نانا جان سے کہہ کر میر جعفر کو معزول کرا دیں گے!" اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا۔ "بی بی! ہم مستقبل کے صوبے دار ہیں۔ میر جعفر ہمارے چھوٹے بھائی ... اور ان کی خوش تدبیری نہیں کبھی بھی ناراض نہ ہونے دے گی!"

لیکن بنّو یہی کہتی۔ "حضور والا! آپ اس شریر شخص کے فتنوں سے شاید پوری طرح واقف نہیں ہیں!"

"وہ ہمارے خلاف کون سا قدم اٹھا سکتا ہے؟"

"کیا یہ کم ہے کہ وہ مجھ ناچیز کو حضور والا سے ملنے نہیں دے گا!"

سراج الدولہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جہاں تک ہم دونوں کے ملنے کا تعلق ہے، نانا جان کے سوا ہمیں ملنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا لیکن اگر تمہارے ذہن میں ملنے کا کوئی بھی اور مفہوم ... ہو تو اس کی وضاحت کر دینا ہمارا فرض ہے!" پھر وہ رک کر ... "ایک ایسی ملاقات جو ہمارے شب و روز اور زندگی کے ہر لمحے پر محیط ہو جائے تقریباً ناممکن ہے!"

بنّو نے اداسی سے اپنا سر جھکا لیا۔ بولی۔ "پھر مجھے دہلی چلا جانے دیجیے!"

سراج الدولہ نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔ "تمہاری خوشی! تمہاری مرضی!!"

ضیافت خانے کی تقریب سے اٹھ کر سراج الدولہ بیوی کے پاس پہنچا تو وہاں میر جعفر پہلے ہی سے موجود تھا۔ میر جعفر نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "مرزا محمد! بنّو تنہا آئی تھی یا بشّو بھی ساتھ تھا؟"

بیوی لطف النساء سامنے بیٹھی تھی۔ میر جعفر نے نہایت نازک مسئلہ چھیڑ دیا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ "بشّو بھی ساتھ آیا تھا!"

لیکن میر جعفر نے بات کاٹ دی۔ "ہم نے سنا ہے کہ ساتھ آیا تو تھا لیکن بنّو کو تمہارے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ کیسی ملاقات رہی؟" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

لطف النساء نے سوال کیا۔ "کیا بنّو کو واقعی رقص و موسیقی میں کوئی کمال حاصل ہے؟"

میر جعفر نے شرارت سے جواب دیا۔ "ایسی ویسی! وہ اگر چاہے تو بڑے بڑے فرماں روا ..."

کو نگلنے و تاراج نہیں سکتی ہے اور میرا تو یہ خیال ہے۔ اسے ہمارے دشمن مرہٹوں نے یہاں بھیجا ہے اسی شبہے کے پیش نظر جو کی بڑی بہن سے شادی کر کے انہیں مطلوب کر دیا ہے اور جب تک ہم زندہ ہیں ان کی ایک بھی نہ چلنے دیں گے!"

لطف النساء نے بے زاری سے کہا: "تب پھر اس حسین ناگن سے ہمیں چوکنا اور دور رہنا چاہیے!"

میر جعفر تو یہ شوشہ چھوڑ کر چلا گیا لیکن لطف النساء اور سراج الدولہ میں اس بات پر کئی دن تک ان بن رہی اور سراج الدولہ نے جو سے ملنا جلنا یکسر ترک کر دیا۔

ایک دن اس نے اپنے ایک معتمد کو جو کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ واپس آ کر اس نے جو خبر دی اس سے سراج الدولہ کے غم و غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس معتمد نے بتایا کہ وہاں وہ پہنچا تو اس نے میر جعفر کو جو کی رقص و موسیقی میں مشغول دیکھا۔ میر جعفر نے اسے دیکھ کر یہ فقرہ بھی چھوڑا کہ "یہ مشغلہ نوجوانوں کے لئے نہیں پختہ کار لوگوں کے لئے ہیں، اس کے لئے ہمت اور تجربے کی ضرورت ہے!"

اس بات نے سراج الدولہ کو مشتعل کر دیا اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ نانا علی وردی سے کہہ سن کر وہ میر جعفر کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کرا دے گا۔

اس فیصلے کے بعد اس نے اپنے صوبے دار نانا سے ملنے اور بات کرنے کا ایک جواز مقصد بنایا۔ لیکن اس سے غلطی یہ ہو گئی کہ اس نے اپنے ارادے کا ذکر خاندان کے کچھ اور لوگوں کے سامنے بھی کر دیا۔ اس سے سراج الدولہ کا یہ مقصد تھا کہ وہ لوگ سراج الدولہ کے غم و غصے کی خبر میر جعفر تک پہنچا دیں، دوسرے یہ بات بھی تھی کہ اس میں سراج الدولہ کی مشتعل مزاجی اور رنجش اور شاہانہ روش بھی شامل تھی۔

سراج الدولہ کے ارادوں سے مطلع ہو کر میر جعفر اس کے پاس آیا اور ناگواری سے اس خبر کی تصدیق چاہی تو سراج الدولہ نے صاف صاف کہہ دیا: "آپ اپنی اصلاح فرما لیں ورنہ پھر جو نتائج بھی نکلیں گے، اس کی ذمہ داری خود آپ پر ہو گی!"

میر جعفر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا: "اس کا کیا نتیجہ نکلے گا بھلا؟"

سراج الدولہ نے بے مروتی سے جواب دیا: "وہی جو آپ دو مردوں کی زبانی سن چکے ہیں!"

میر جعفر نے بے نیازی سے کہا: "یعنی یہ کہ آپ مجھے سپہ سالاری کے عہدے سے ہٹا دیں گے؟"

سراج الدولہ نے نرمی سے جواب دیا: "اگر آپ کی بے اعتدالیاں برقرار رہیں تو

بھی ممکن ہے!"

میر جعفر نے نہایت تلخ اور حاسدانہ لہجے میں کہا: "مرزا محمد! آپ کئی بار ہماری اہانت کر چکے ہیں، جو کسی طرح بھی اچھی بات نہیں اور ہم آپ کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ آپ جو چاہتے ہیں اس میں ناکام رہیں گے۔ اپنی ران کا گھوڑا ہو یا عورت، ایک سپاہی کی ماہرانہ شہسواری ہی انہیں اس کے قابو میں رکھ سکتی ہے۔ آپ خیالی نوجوان ہیں، جنہیں حکومت ورثے میں مل جائے گی ان رموز و نکات پر کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں!"

سراج الدولہ نے غصے میں چیخ کر کہا: "ہم ایسا ضرور کریں گے! آپ نے مفتی سے شادی کی اور اب اس کی چھوٹی بہن جو سے بھی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ نے نابینا شاعر ابوالعلا معری کی وہ نظم نہیں سنی جس میں اس نے بڑھاپے کی شادی پر گہرا طنز کیا ہے، وہ کہتا ہے جب کسی بوڑھے کی نوجوان بیوی گھر میں موجود ہو اور اس کی دیوار کے سائے میں محلے کے اوباش نوجوان زور زور سے گیت گانا شروع کر دیں تو سمجھ لو کہ اس بوڑھے کی بدنصیبی کا بھیانک آغاز ہو گیا!"

میر جعفر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا: "احمق نابینا لوگوں کی باتیں ہم آنکھ والوں کے لئے مشعل راہ کس طرح بن سکتی ہیں اور صاحبزادے! کل جب آپ اپنے نانا علی وردی خان کے پاس ہماری شکایت لے کر جائیے گا تو انہیں یہ بات بھی بتا دیجئے گا کہ ان کی بیٹی اور آپ کی خالہ مہر النساء کی حسن پرستی کی وجہ سے خوبصورت نوجوانوں نے بازار میں نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ "صاحبزادے! اگر آپ روک سکتے ہیں تو اپنی خالہ مہر النساء کو روکئے جو اپنے شوہر کی موجودگی میں دوسرے مردوں سے ناجائز تعلقات رکھتی رہی!"

سراج الدولہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ غصے اور غم میں بھرا ہوا نانا کے پاس پہنچا اور نانا سے سب کچھ کہہ دیا۔ علی وردی خان مرہٹوں سے الجھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ان جھگڑوں کے لئے کہاں وقت تھا لیکن اس بات کی اجازت ضرور دے دی کہ سراج الدولہ اپنی خالہ مہر النساء کے معاشقے کی تحقیق کرے اور جو شخص بھی مہر النساء سے تعلقات قائم رکھنے کے گناہ کا مرتکب ہو، انہیں قتل کر دیا جائے۔ میر جعفر کی بابت یہ سمجھا کہ یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس میں دخل نہ دیا گیا۔

سراج الدولہ شرمندہ ہو کر واپس آ گیا۔

سراج الدولہ کے اندر ایک جنگ جاری ہو گئی۔ اس جنگ کی فریق تھیں، بجز اور اس کی خالہ مہر النساء جس کا شوہر نوازش علی ڈھاکے کا حاکم تھا اور اس کے نائب حسین قلی خان سے اس کی خالہ مہر النساء نے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ سراج الدولہ حسین قلی خان کے قتل کا خفیہ فرمان حاصل کر چکا تھا۔ وہ سوچتا کہ اس کی خالہ جیسی گھناؤنی زندگی گزار رہی

ہے کیا وہ بہو کے ساتھ اسی قسم کے تعلقات استوار کرے اور پھر اس کے بعد ہر حسین اور خو[برو] عورت کا متوالا بن جائے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے بہو سر جھکائے اداس سامنے کھڑی پوچھ رہی ہے: "حضور والا! جب آپ کی خالہ کو یہ آزادی حاصل ہے تو خود آپ نے اخلاق[یات] کی فضول بیڑی اپنے پیروں میں کیوں ڈال رکھی ہے؟"

اس کش مکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ سراج الدولہ کسی کو بتلائے بغیر چپ چاپ باہر نکلا اور تنہا بہو کے پاس پہنچ گیا۔ رات کی سیاہی کو کالی گھٹا ڈھلنے اور زیادہ سیاہ کر دیا تھا۔ بشو نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ غیر متوقع آمد پر بہو کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ سراج الدولہ نے اپنی جیب سے قیمتی موتیوں کا ایک ہار نکال کر بہو کے گلے میں ڈال دیا اور مہر دلیوں کی تھیلی [...] پھینک دی۔ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے کھڑے ٹمٹماتے دیے کی روشنی میں دیکھتے رہے۔ آخر کار سراج الدولہ ہی نے اس سکوت کو توڑا۔ پوچھا: "کیا تم لوگ سونے والے تھے؟"

"ہاں، لیکن یہ کیسے جانا حضور والا نے؟"

اس نے جواب دیا۔ "شمعیں بجھائی جا چکی ہیں، ان کی جگہ ایک دیا ٹمٹما رہا ہے اور ماحول کی ہر شے پر خوابیدگی طاری ہے!"

"آپ نے کیسے زحمت کی؟ کوئی خوش خبری؟" بہو نے مسرت سے پوچھا۔

"نہیں! تم سے ملنے کو جی چاہا چلے آئے!"

بہو کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ بولی: "اس طرح دید و شنید سے حاصل! حضور والا تو آگ لگا کر چلے جائیں گے اور بندی تڑپتی سلگتی رہ جائے گی؟"

"بہو!" سراج الدولہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا تم ہم سے بیٹھنے کو بھی نہ کہو گی؟"

بشو وہاں سے ٹل گیا تو بہو اس کے ساتھ مسہری پر بیٹھ گئی۔

سراج الدولہ نے اس کی زلفیں مٹھی میں لے لیں اور انہیں سونگھ کر بولا: "اگر تم چاہو تو ہم میں ایک رشتہ استوار ہو سکتا ہے!"

بہو نے شک و شبہے سے پوچھا: "کون سا رشتہ؟"

"شادی کے بغیر ہم دونوں دوست کی طرح رہ سکتے ہیں!"

بہو نے اس کی مٹھی سے اپنی زلفیں چھڑا لیں۔ بولی: "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا!"

"کیوں؟ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ اس میں قباحت کیا ہے؟"

بہو نے بے دلی سے جواب دیا: "میری طبیعت اس پر راغب نہیں ہوتی! میں عزت دار م[...]

[...] کی متلاشی ہوں!"

سراج الدولہ نے کہا: "تمہارا مرتبہ بلند رہے گا۔"

بہو نے اداسی سے جواب دیا: "مرتبہ! کاش آپ جان سکتے کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ حضور [بھی] وہی نکلے جو دوسرے ہیں!"

سراج الدولہ نے عاجز آ کر پوچھا: "پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

"وہی درجہ جو میری بہن منی نے حاصل کر لیا ہے!"

"یعنی شادی!" وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ "لطف النسا کی موجودگی میں تم سے شادی کس [...] طرح ممکن ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!"

بہو اس سے ذرا دور ہٹ گئی۔ بولی: "یہ رفاقت یوں کیا مجھے جسارت کی اجازت ہے [...] درخواست کروں گی کہ مجھ سے دور رہیے۔ اس کے بغیر کوئی بات بھی ممکن نہیں!"

سراج الدولہ دیے کی مدھم روشنی میں کچھ دیر بہو کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "[...] بس یہی کہنے آئے تھے ہم۔ تم دوست بن کر رہ سکتے ہیں میاں بیوی بن کر نہیں۔" پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ جب ہوش میں آیا تو بولا: "یا پھر تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد شاید ہماری خواہش بھی پوری کر دی جائے!"

"کس بات کا انتظار؟ کس وقت کا انتظار؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا: "ہمارے برسر اقتدار آ جانے کے وقت کا انتظار، اور دن زیادہ نہیں ہے، اس وقت ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے!"

"ہم تند و تیز طوفان کی زد میں تو بیٹھے ہیں اور کچھ پتہ نہیں کہ کب اور کہاں پھینک دیے جائیں، اگر کچھ ہونا ہے تو ابھی ہو گا ورنہ پھر شاید کبھی بھی نہ ہو سکے۔"

سراج الدولہ نے جواب دیا: "تم ہماری مجبوریاں کیوں نہیں سمجھتیں؟" وہ وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکا۔ کوئی واضح فیصلے کیے بغیر واپس چلا آیا۔

باہر بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ بھیگتا ہوا اپنے محل میں داخل ہوا۔ گیلے کپڑے اتارے اور کاغذ کا ایک پلندہ نکلوا کر شمع کی روشنی میں کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کے نانا علی وردی خان کا فرمان تھا۔ اجازت نامہ جس میں اسے اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی خالہ مہر النسا کے [...] حسین قلی خان کو قتل کر دے۔ اس کے چہرے سے درشتی اور عزم صمیم سپیدۂ سحر کی طرح جھلک رہے تھے۔ وہ فرمان کے مطالعے میں کچھ ایسا کھویا ہوا تھا کہ اپنے پیچھے کھڑی ہوئی لطف النسا کے وجود کو محسوس تک نہ کر سکا۔ لیکن جب لطف النسا کو دیکھا تو علی وردی خان کا فرمان چھپا لیا۔ پھر [...]

نے اس کی بابت پوچھا بھی لیکن اس نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

شمع کی کمزور روشنی میں وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔ لطف النسا شوہر کے [illegible] کا سبب جاننا چاہتی تھی، لیکن کوشش کے باوجود نہ جان سکی۔ اس کا تذبذب کیا ہے اس کا [illegible] نہ حاصل کر سکی، ہو۔ مہرالنسا اور حسین قلی خاں، یہ تثلیث تھی جس نے سراج الدولہ کو [illegible] کر رکھا ہے۔ اس نے سوچا اگر وہ بہو سے تعلقات قائم کرتا ہے تو اسے کوئی حق نہیں پہنچ[illegible] اپنی خالہ مہرالنسا اور حسین قلی خاں کے درمیان حائل ہو اور حسین قلی خاں کو قتل کر دے [illegible] وہ بہو سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لے، تب پھر وہ خاندان کے ناموس کی خاطر حسین قلی خا[ں] کر دینے میں حق بجانب ٹھہرے گا۔

اور رات کے پچھلے پہر، صبح ہوتے ہوتے وہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گیا۔ بہو [سے] کے لئے انقطاع تعلق اور حسین قلی خاں کا قتل، طلوع آفتاب سے دو گھڑی پہلے اس نے [بستر] چھوڑ دیا۔ غسل کیا۔ وضو کرکے نماز پڑھی۔ پھر لباس تبدیل کرکے جسم پر ہتھیار سجائے اور محل [سے] نکل گیا۔ چپا وَل سے دو سو سپاہی لئے اور موتی جھیل روانہ ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑی جھیل [تھی] جو اپنے عجیب محل وقوع کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتی تھی۔ اس کے وسط میں مہرالنسا کا قلعہ [نما محل] تھا۔ اور محل تک جانے کے لئے ایک ہی تنگ سا راستہ تھا۔ سراج الدولہ اپنی سپاہ کے [ساتھ] موتی جھیل میں داخل ہو گیا۔ ولی عہد سے کون واقف نہ تھا۔ محل کے دربان تعظیم بجا لائے۔ سراج الدولہ سیدھا اپنی خالہ کے پاس پہنچا۔ مہرالنسا نے خلاف امید اپنے سامنے دیکھ[ا تو حیران رہ] گئی۔ پوچھا۔ "مرزا محمد! کیسے آنا ہوا؟"

سراج الدولہ نے اپنا ارادہ چھپاتے رکھا، بولا۔ "ہم ڈھاکے کے نظم و نسق کی بابت حسین قلی خاں سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں!"

مہرالنسا اسے حسین قلی خاں کی خواب گاہ میں لے چلی گئی۔

حسین قلی خاں کا کمرہ اشیائے تعیشات سے پر تھا۔ ڈھاکے کی ململ کا انگرکھا جو [اس کے] چکنے جسم پر چپکا ہوا تھا اور آب رواں کے پردے ہوا سے پانی کی لہروں کی طرح ہلکورے لے [رہے] تھے۔ سراج الدولہ نے کمرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا۔ حسین قلی خاں ان دونوں [کو اپنے] سامنے دیکھ کر سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔ لیکن چہرے پر ناگواری کے اثرات صاف ظاہر [تھے] کیونکہ حسین قلی خاں خوب جانتا تھا کہ سراج الدولہ اسے پسند نہیں کرتا۔ مسلح سراج [الدولہ کا] پہنچنا حسین قلی خاں کے لئے تشویش کا سبب بن گیا تھا۔

حسین قلی خاں نے پھرتی سے باہر نکل جانا چاہا۔ لیکن سراج الدولہ نے اس کا [راستہ]

روک لیا۔ اور تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں چبھوتے ہوئے حکم دیا۔ "بھاگنا مت! کیونکہ موت نے تمہیں محاصرے میں لے لیا ہے!"

مہرالنسا خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ سراج الدولہ نے اپنی خالہ کو حکم دیا۔ "خالہ! کمرے کا باہری دروازہ کھول دیجئے!"

مہرالنسا اس حکم کا مطلب سمجھے بغیر آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ کمرے کے باہر ہری ہری گھاس کے وسیع و عریض میدان میں سراج الدولہ کے مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پر اس کے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ ان کی نظریں اسی کمرے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ سراج الدولہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ دو سو گھوڑے ایک ساتھ دوڑ پڑے اور ان کی ٹاپوں سے موتی جھیل کی فضا گونج اٹھی۔

حسین قلی خاں بے بسی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ سراج الدولہ نے اپنی خالہ کو حکم دیا "خالہ! آپ اندر جائیے!"

حسین قلی خاں نے اپنی محبوبہ سے درخواست کی۔ "مہرالنسا! مجھے اس درندے سے بچا لو!" لیکن مہرالنسا کو یقین ہو چکا تھا کہ حسین قلی خاں اب بچ نہیں سکتا۔ پھر بھی اس نے سراج الدولہ سے تحکمانہ سوال کیا۔ "مرزا محمد! تم یہ سب اپنے طور پر کر رہے ہو یا اس کے لئے تم نے بادشاہ جان سے کوئی فرمان بھی حاصل کر لیا ہے؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "فرمان ہماری جیب میں ہے کارروائی کے بعد آپ کو دکھا دیا جائے گا!"

حسین قلی خاں نے سراج الدولہ سے رحم کی درخواست کی۔ "مرزا محمد! تم مجھے معاف کر دو، میں زندگی بھر تمہاری غلامی کرنے کو تیار ہوں۔"

"ناممکن!" سراج الدولہ نے جواب دیا۔

"لیکن تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟"

"او دشمن ناموس! کیا تو واقعی اتنا ہی سادہ اور معصوم ہے جتنا اپنی باتوں سے ظاہر کر رہا ہے؟"

حسین قلی خاں، مہرالنسا سے مخاطب ہوا۔ "مہرالنسا! تم مرزا محمد سے وہ فرمان تو طلب کرو جس کی رو سے یہ مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے!"

اس سوال سے حسین قلی خاں، سراج الدولہ کی توجہ ذرا سی دیر کے لئے اپنی طرف سے ہٹانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس ذرا سی عدم توجہی سے وہ اپنے تحفظ کا آخری قدم اٹھانا چاہتا تھا

چالاک مہرالنسا بھی برگشتہ مقدر کی طرح آنکھیں پھیر چکی تھی اور اب مرزا محمد بادشاہ کے
اجازت بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا!"

سراج الدولہ کے آدمی کمرے کو محاصرے میں لے چکے تھے، سراج الدولہ نے پھر
دیا۔ "خالہ! آپ اندر جائیں!"

مہرالنسا نے جاتے جاتے حسین قلی خاں سے کہا۔ "حسین قلی! میں تجھ سے بے زار ہو
چکی تھی، تیرے اس انجام سے میں بہت خوش ہوں۔ بے وفا انسان تو اسی انجام کا مستحق تھا!"

مہرالنسا اندر چلی گئی۔ حسین قلی خاں نے پوری قوت سے تلوار کو پیٹ پر سے ہٹانے
کی کوشش کی لیکن سراج الدولہ نے اسے پیٹ میں اتار دیا۔ حسین قلی نے خوفناک چیخ ماری،
سراج الدولہ نے چلا کر اپنے آدمیوں کو کمرے کے اندر طلب کیا اور ذرا سی دیر میں پورا کمرہ
آدمیوں سے بھر گیا۔ سراج الدولہ کے اشارے پر کئی تلواریں کمرے میں لہرائیں اور حسین قلی خاں
بچانے لگیں، پناہ کی تلاش میں ادھر اُدھر بھاگا ہوا لیم شحیم جسم فرش پر گر کر پھڑکنے لگا اور
کے حوالے سپاہیوں کے دامن تر کر گئے۔

مہرالنسا نے دروازے کی جھری سے اپنے محبوب کو قتل ہوتے دیکھا تو آنسو نہ روک سکی،
روتی آواز میں یہ کہتی اندر چلی گئی۔ "مرزا محمد! میں اس کا بدلہ لوں گی اور حسین قلی خاں کا خون
منصب و اقتدار کو لے ڈوبے گا۔"

حسین قلی کے انجام نے ہمتوں کو خوفزدہ کر دیا۔ اور وہ مرشد آباد سے نکل گئے۔ میر
کو ڈر لگا کہیں یہ نوجوان کوئی اس کے خلاف قدم نہ اٹھا بیٹھے لیکن علی وردی خاں کو میں اتنا
مند کرتا تھا۔ اس نے سراج الدولہ کو قابو میں رکھا۔ میر جعفر مہرالنسا سے ملا اور دیر تک سے
دیتا رہا۔ مہرالنسا اس بوڑھے سپہ سالار سے رو رو کر مدد کی درخواست کرتی رہی، لیکن میر
کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا کیونکہ علی وردی خاں ابھی زندہ تھا اور اس چالاک اور ذہین
رہتے ہوئے میر جعفر کی کوئی سازش بھی نہیں پنپ سکتی تھی، اس نے مہرالنسا کو یہ مشورہ
کہ وہ احتیاطاً اپنی حفاظت کے لئے ایک فوج ضرور تیار کرے تاکہ اگر پھر ایسا موقع پیش
سپاہ سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔

مہرالنسا نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور سپاہی بھرتی کرنے لگی۔

منی اب منی بیگم بن چکی تھی، میر جعفر کی اب بجو پر نظریں تھیں، اس نے بشو کو مال و دولت
سے خوش کرنا چاہا لیکن اسے اس ڈر نے محتاط رکھا کہ کہیں نوجوان ولی عہد اس سے ناراض نہ
ہو جائے۔ دوسرے خود بجو بھی یہ نہیں چاہتی تھی۔

سراج الدولہ نے بجو کا خیال دل سے نکال دیا تھا، وہ اپنے نانا علی وردی کی
طرح پاکباز زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ بجو ہر روز اس کی راہ تکتی۔ بالآخر وہ مایوس ہو گئی۔ بشو بجو کو
دلاسے دیتا اور پوچھتا۔ "کیوں ری! کہیں آخری ملاقات میں تو نے شہزادے کو مایوس تو نہیں کیا۔
ورنہ اس طرح یکایک سراج الدولہ کا غائب ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

بجو نے اسے ساری روداد سنائی۔ تو صحیح بات سامنے آئی۔ بشو سراج الدولہ سے
آخری بات کرنے گیا۔ جب اس نے نوجوان ولی عہد سے یہ کہا کہ "بجو کی شادی کے کئی اچھے رشتے
آئے ہیں، میں چاہتا ہوں حضور والا کی منظوری کے بغیر یہ کام نہ کیا جائے!"

سراج الدولہ کے دل میں طوفان اٹھا کہ چلو ایک بار اس سے پھر مل لیں، لیکن خاندانی
غیرت اور ناموس کے خیال نے اس کے پیر پکڑ لئے۔ سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "تم جہاں چاہو
اس کی شادی کر دو!"

بشو افسردہ ہو کر واپس ہوا اور جب اس نے بجو کو ساری تفصیل سنائی تو بجو کو بڑا
دکھ ہوا۔ بشو نے کہا۔ "آدمی دنیاوی رشتوں اور منصوبوں کے اعزاز پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔
سراج الدولہ نے بھی اپنی ولی عہدی اور خاندانی ناموس پر تجھے قربان کر دیا ہے، بول! اب
کیا کہتی ہے؟"

بجو نے جواب دیا۔ "بابا جی! دہلی واپس چلیے!"

بشو نے مجبوری سے کہا۔ "دہلی چلنے میں مجھے کوئی عذر نہیں لیکن اب دہلی میں کچھ بھی
نہیں رکھا، مرشد آباد دہلی سے کئی گنا اچھا ہے!"

بجو نے زیادہ مزاحمت بھی نہیں کی۔

اسی لمحے میر جعفر اندر داخل ہوا۔ جب دونوں سے اس کی نظریں ملیں تو دل میں
ایک عجیب طوفان اٹھا۔ میر جعفر نے کسی تمہید کے بغیر کہا "بشو! آج ہم تم سے بجو کا رشتہ
مانگنے آئے ہیں!"

بشو کیا جواب دیتا وہ تو بہت دنوں سے راضی تھا، بولا۔ "یہ ناچیز حضور والا کے
کسی فیصلے کے خلاف کبھی چل سکتا ہے بھلا؟!"

معلوم نہیں کیا سوچ کر بجو بھی راضی ہو گئی۔

پھر یہ افواہ پورے مرشد آباد میں گونجنے لگی کہ میر جعفر نے کسی ناچنے والی لڑکی سے پہلے
شادی کی اور اب اس کی بہن سے کر رہا ہے جو شرعاً ناجائز ہے اور پھر لوگوں نے اس خبر کی تصدیق
اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کر لی میر جعفر بجو کو دلہن بنا کر اپنے محل میں لے گیا۔

ایک دن میر جعفر منی بیگم اور بہو بیگم کو سراج الدولہ کے محل میں لے گیا۔ سراج
...ے محل کی خواتین کو منی اور بہو کے سامنے جانے سے روک دیا۔ اس نے کہا۔ "ان باہر والیوں کے ساتھ
...اندان کی معزز خواتین کس طرح آ سکتی ہیں بھلا؟"

میر جعفر نے دونوں کی وکالت کی کہا۔ "میں آپ کا پھوپھا ہوں اور اس رشتے سے یہ
...دونوں آپ کی پھپھیاں ہیں، پھر ان سے یہ پردہ کیسا؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "قبلہ! جو کچھ ہو چکا ہے شرمندہ کرنے کے لئے کافی
...ے خدا کے لئے اب اور زیادہ شرمندہ نہ کیجیے!"

بہو سراج الدولہ کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔ اور زبان سے ایک لفظ نکالے بغیر
...اسے دیکھتی رہی۔

شہزادے نے گھبرا کر کہا۔ "آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور مجھے ڈر ہے کہ ہم
...عل ہو کر کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھا بیٹھیں!"

میر جعفر بیگمات پر چلا گیا کہ انہیں راضی کرکے اپنی دونوں بیویوں کو اندر لے جائے
سراج الدولہ سے ذرا دور جا کھڑی ہوئی۔ بہو نے موقع غنیمت جان کر کہا۔ "حضور والا!
...ے اس بوڑھے انسان سے اس لئے شادی کی ہے کہ یہ جناب کے خاندان کا ایک فرد ہے اور میں
...کے طفیل آپ کے محل میں آنے جانے کے لائق ہو جاؤں گی!"

سراج الدولہ نے جلدی جلدی کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ پھر بھی وہ عزت
...مرتبہ حاصل نہ کر سکیں جس کا آپ کے دل میں ارمان ہوگا!"

"کوئی پرواہ نہیں!" بہو نے دل جلے لہجے میں کہا۔ "جناب والا نے میرا دل توڑا ہے،
...آپ کے دل کو خدا سلامت رکھے، اب یہ تو بتایئے کہ آپ ہمیں اپنی خواتین سے بھی نہیں
...لنے دیجئے گا۔ یہ ... قدرت کا ستم کب تک چلے گا آخر؟"

شہزادے نے سرد مہری سے کہا۔ "جب تک ہم زندہ ہیں!"

اندر سے میر جعفر جھنجھلایا ہوا باہر نکلا۔ محل کی خواتین ولی عہد سراج الدولہ کے منشا
...مرضی سے کوئی قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھیں، انہوں نے دو ناچنے گانے والیوں کو محل سرا
...نے سے منع کر دیا تھا۔

منی نے غصے میں کہا۔ "میں بنگال کے سپہ سالار کی بیوی ہوں، میں اپنی بے عزتی
...لوں گی!"

سراج الدولہ میر جعفر کا خیال کر گیا ورنہ اس گستاخ عورت کو کوئی سخت ترین

جواب ضرور دیتا۔

اسی سال علی وردی خاں استسقاء کے مرض میں مبتلا بستر مرگ پر پڑا زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ حکیموں نے اسے پرہیز کا مشورہ دیا۔ اس سمجھ دار انسان نے مسکرا کر کہا۔ "اس عمر کا استسقاء ہمیشہ لاعلاج ہوا کرتا ہے، ہم زندگی کے دن پورے کر چکے ہیں پھر پرہیز کا فائدہ؟"

اس نے نوجوان سراج الدولہ کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ اپنے نانا پر جھکا تو علی وردی خاں نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی اور کہا۔ "ہم تمہاری جانشینی کا اعلان کر چکے ہیں، ہمارے بعد تم بنگالہ کے صوبے دار ہو گے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا چچازاد بھائی شوکت جنگ تمہاری جانشینی کو تسلیم نہ کرے گا اور سینہ تان کر تمہارے سامنے آ کھڑا ہوگا۔"

مغموم دل بیٹے نے پوچھا۔ "اس وقت اس ناچیز کو کیا کرنا ہوگا؟"

علی وردی خاں نے جواب دیا۔ "شمشیر کی جگہ تدبیر سے کام لینا۔ لیکن بدرجہ مجبوری آخری فیصلہ تلوار ہی کرتی ہے۔ سو تم تلوار بھی اٹھا سکتے ہو لیکن بدرجہ مجبوری!"

سراج الدولہ نے سوگوار آنکھیں جھکا لیں اور سوال کیا۔ "نانا جان! اگر طبیعت اجازت دے تو انگریزوں اور دوستوں اور دشمنوں کی بابت بھی کچھ فرما دیجئے۔"

علی وردی کی آنکھوں میں چمک آ گئی، نواسے کا سوال بہت اچھا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے چراغ! ان زرد آباد کاروں (انگریزوں) سے بچ کر رہنا۔ انہوں نے جنوبی ہند کے نوابوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں برباد کر دیا ہے، پھر مغلیہ ان سے بھی ہوشیار رہنا جنوبی ہند کے مرہٹے ہیں جو تمہیں ہمیشہ تنگ کرتے رہیں گے لیکن خبردار ایک ہی وقت میں ان تینوں قوتوں سے مت الجھنا۔" یہ کہتے کہتے بوڑھے صوبے دار کا شہپر خیال ماضی میں چلا گیا۔ جہاں اس کا مصطفیٰ خاں نامی افغان حلیف جرنیل اسے انگریزوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہا تھا اس نے علی وردی خاں کو کلکتے پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن علی وردی خاں ٹال گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفیٰ، علی وردی کے دونوں بھائیوں کے ساتھ، اس کے پاس حاضر ہوا تھا اور تینوں نے مل کر انگریزوں پر حملہ آور ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن علی وردی مرہٹوں سے الجھا ہوا تھا اس لئے اس بار بھی ٹال گیا تھا، علی وردی نے مصطفیٰ کو چلا جانے دیا تھا، اور اس کے پیچھے اپنے دونوں بھائیوں سے کہا تھا۔ "بابا! مصطفیٰ خاں تو سپاہی اور نوکری پیشہ شخص ہے، اس کا کیا ہے یہاں سے جائے گا تو کسی اور دربار سے وابستہ ہو جائے گا۔ مصطفیٰ خاں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ہماری توجہ اسی پر رہے جو نا ممکن ہے لیکن ہم تم دونوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے تم اس کی ہمنوائی کیوں کر رہے ہو۔ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ انگریزوں نے ہم سے کیا برائی

کی ہے کہ ہم ان کا بڑا چاہیں، مرہٹے اڑیسہ اور بہار کے راستوں سے ہم پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔ ہماری
خشکی کے دشمن ہی ہمیں چین نہیں لینے دے رہے' اور ان کی وجہ سے صحرا میں جنگ کی جو آگ
جلی ہے وہ ابھی بجھنے کا نام نہیں لے رہی' ان حالات میں اگر ہم مصطفیٰ خان کی تجویز پر عمل کر کے دریا
میں بھی آگ لگا دیں گے تو پھر کون ہے جو اس دوطرفہ آگ کو بجھائے گا!"

سراج الدولہ فکر و دانش میں غرق علی وردی خان کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر
رہا تھا۔ یکایک علی وردی بیدار ہو کر کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا "ہاں تو ہم کیا کہہ رہے تھے؟"

سراج الدولہ نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔ "ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں
سے مت الجھنا۔"

"ہاں تو میرے چراغ! تجھے وہ افغان جرنیل مصطفیٰ خان تو یاد ہوگا؟"

"خوب یاد ہے نانا جان! اس کی شجاعت اور جنگی تدبیر کا کوئی جواب نہ تھا!"

"ہاں تم سچ کہتے ہو۔" علی وردی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "اور تمہیں یہ بھی یاد ہو
گا کہ مصطفیٰ خان ہماری آپس کی ناانصافیوں ہی میں قتل ہو گیا!"

سراج الدولہ نے روتے ہوئے کہا۔ "اس نے ہم سے بغاوت کی تھی اگر ہم اسے
قتل نہ کرتے تو وہ ہمیں قتل کر دیتا!"

"تم ٹھیک کہتے ہو!" علی وردی خان نے کہا۔ "لیکن وہ بڑا مردم شناس اور مستقبل بین
جرنیل تھا۔ اس نے ہمیں کلکتے کے تاجروں (انگریزوں) کی تباہی پر آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن ہم نے
اس وقت اس کا مشورہ رد کر دیا تھا۔ مگر آج! آج جب ہم اپنے دشمنوں پر نظر ڈالتے ہیں تو
ہمیں یہ غیر ملکی تاجر ہی سب سے زیادہ خوفناک نظر آتے ہیں اگر ہم کچھ دن اور زندہ رہتے تو اس
غیر ملکی فتنے کا خود ہی قلع قمع کر دیتے۔ لیکن اب یہ تمہارا کام ہے تم اقتدار سنبھالتے ہی ان سوداگروں
کی طاقت توڑ دو۔ سراج میرے چراغ! انہیں سپاہی رکھنے اور قلعے تعمیر کرنے کی اجازت
نہ دینا اگر ایسا ہوا تو سمجھ لو کہ بنگال تمہارے ہاتھ سے گیا!"

علی وردی بولتے بولتے تھک گیا تھا۔ آنکھیں بند کر کے کچھ دیر کے لئے خاموشی
اختیار کی پھر کہا۔ "ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے بہت سے امراء اور رشتے داران سفید فام
سوداگروں کے کاروبار میں حصے داری حیثیت سے سرمایہ لگا چکے ہیں' انگریزوں کے کاروباری
[illegible] بھی قابل اعتبار نہیں ہیں' انہیں پہچان کر ان سے ہوشیار رہنا!"

علی وردی خان گراں قدر نصیحتیں اور پیش بینیاں کر کے رخصت ہو گیا اور سراج
الدولہ اس کا جانشین قرار پایا۔ امراء نے نذرانے پیش کئے۔

دوسری طرف سراج الدولہ کی خالہ مہرالنساء اس کے اقتدار کو تسلیم کرنے پر آمادہ
نہ تھی' اس نے بیس ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر رکھی اور وہ اپنی اس سپاہ کے ذریعے
سراج الدولہ کی صوبے داری کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ سراج الدولہ کا چچا
زاد بھائی شوکت جنگ بھی صوبے داری کا دعوے دار تھا اور وہ خود کو علی وردی خان کا حقیقی
جانشین تصور کرتا تھا۔ اس نے مغل فرماں رواں سے سند صوبے داری حاصل کرنے کے لئے اپنا
نمائندہ دہلی روانہ کر دیا۔ سراج الدولہ نے بھی یہی کیا اور اپنی صوبے داری کی سند اور توثیق
کے لئے اپنا وفد دہلی روانہ کر دیا۔ دہلی کے کمزور فرماں رواں نے دونوں ہی کو بنگال کی صوبے داری
کی سندیں عطا کر دیں۔ شوکت جنگ نے نعرہ بلند کیا۔ "علی وردی خان کا اصل جانشین میں ہوں اور مجھے
دہلی کے مغل فرماں روا نے صوبے داری کی سند بھی عطا کر دی ہے!"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "مجھے بھی مغل فرماں روا کی سند صوبے داری حاصل ہے اور مرنے
والے صوبے دار علی وردی خان خود بھی مجھے اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے!"

دونوں میں ٹھن گئی۔ شوکت جنگ بہار چلا گیا اور پورنیا کے قلعے میں بیٹھ کر جنگ کی تیاری
کرنے لگا۔

قاعدہ تھا کہ جب کوئی نیا صوبے دار اپنا منصب سنبھالتا تھا تو امراء اور ماتحت با اثر قوتیں
اس نئے صوبے دار کو نذرانے دیتیں اور مبارک باد پیش کرتیں۔ لیکن انگریز تاجروں نے ایسا نہیں کیا!
انہوں نے نہ تو علی وردی کی موت پر رسم تعزیت ادا کی اور نہ ہی سراج الدولہ کی تخت نشینی پر نذرانے
اور مبارک بادی کی رسم ادا کی۔ اس نے اس غیر معمولی تغیر پر میر جعفر سے مشورہ لیا۔ بوڑھے سپہ سالار نے
اسے مشورہ دیا کہ فی الحال انگریزوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے کیونکہ اس کے دو بڑے حریف اس کے خاندان
ہی میں موجود ہیں' پہلے ان سے نپٹ لیا جائے اس کے بعد انگریزوں پر توجہ دی جائے!

سراج الدولہ خوب جانتا تھا کہ اس کے یہ دو حریف کون ہیں؟ ایک تو اس کا چچازاد
بھائی شوکت جنگ تھا اور دوسری حریف اس کی خالہ مہرالنساء تھی۔

میر جعفر کا گھر تھا۔ سراج الدولہ نے دوپہر کا کھانا اپنے چچا کے ساتھ کھایا اس دستر
خوان پر میر جعفر کا سب سے بڑا بیٹا مرزا صادق بھی موجود تھا جسے لوگ صادق کے بجائے میرن کہتے تھے اور
جس [illegible] تھا کہ وہ اپنے باپ کی طبعی اور فطری خصوصیات کا مثنیٰ تھا۔ بس ظلم اور بے رحمی میں
[illegible] آگے [illegible] اس [illegible] تو بہت مشہور تھا۔ "رحم اور انصاف کسی مصرف کے نہیں' ان سے دغا
[illegible] تم [illegible] قابل نفرت ہیں"
[illegible]

چلی تھی۔ مہرالنسا کی ماں اور سراج الدولہ کی نانی قلعے میں داخل ہوئی اور بیٹی کو سمجھایا۔ "مہرالنسا! سراج الدولہ سے مت لڑو۔ سراج تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا ورنہ آج تمہاری دولت چھینی جاتی۔ بشرطیکہ تم نواب کی چند شرطیں مان لو۔"

مہرالنسا مایوس اور بدحواس تھی بولی۔ "اماں! سراج الدولہ مجھے معاف نہیں کرے گا!"

ماں نے جواب دیا۔ "یہ تیرا خام خیالی ہے تو مجھ پر اعتماد کر!"

مہرالنسا نے نا امیدی سے کہا۔ "وہ کہتا ہے کہ میں اپنے ایک افسر میر نذیر علی کا سر اس کے پاس روانہ کر دوں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی!"

ماں نے کہا۔ "میر نذیر علی کو ہمارے روبرو پیش کر دو!"

مہرالنسا ماں کو لے کر اس کمرے میں چلی گئی جہاں کچھ عرصے پہلے حسین قلی خان قتل کیا گیا تھا۔ وہاں ایک سرخ و سفید رنگت کا ادھیڑ عمر شخص سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی آخری دو انگلیاں انگوٹھیوں میں چھپی ہوئی تھیں۔

مہرالنسا نے حسین قلی کے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ظالم سراج الدولہ نے یہیں پر حسین قلی کو نہایت سفاکی سے قتل کیا تھا اور اب وہ میر نذیر کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے!"

ماں نے بردباری سے پوچھا۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

مہرالنسا نے جواب دیا۔ "اپنی جان کا تحفظ اور میر نذیر علی کی زندگی کا ایک پروانہ، میں اسے بحفاظت تمام دہلی بھیج دینا چاہتی ہوں!"

بیگم علی وردی خان نے اس کی شرط منظور کر لی اور وہ قلعے سے نکل کر نواسے سراج الدولہ کی فوج میں چلی گئی، وہاں اسے جملہ کیفیت سے آگاہ کر دیا اور آخر میں میر نذیر علی کے لئے پروانۂ راہداری کے اجرا کی درخواست کی۔

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "اب اس کی کوئی ضرورت تو نہیں رہی کیونکہ خالہ کی سپاہ ہتھیار ڈال چکی ہے لیکن آپ کہتی ہیں تو ہم میر نذیر علی کو پروانۂ راہداری بھی عطا کر دیں گے مگر خالہ کو صاف صاف یہ بھی بتا دیجیے کہ وہ اپنے حواس میں رہیں! انہیں ہم سے پرخاش نہیں رکھنی چاہیے انہیں نانا جان نے صوبے داری عطا کی ہے!"

حسب وعدہ میر نذیر علی کو پروانۂ راہداری عطا کر دیا گیا۔ مہرالنسا نے بہت سا سونا اس کے حوالے کیا اور تخلیے میں اس سے چمٹ کر خوب روئی اور رو کر کہا۔ "نذیر علی! میں نے تمہیں بچا لیا ہے تم بنگال چھوڑ دو۔ تمہاری جدائی مجھ پر اذیت ناک ہے لیکن سراج الدولہ ہم دونوں کو ایک جا نہیں دیکھ سکتا!"

بیچیں اس دیجتو سے بھی ملاقات ہوئی جو میر جعفر کے خسر کا اعزاز حاصل کر کے امرا میں شامل ہو
...تھا۔ یہیں منی بیگم بھی تھی جو کسی ملکہ کی طرح سپہ سالار کے محل پر حکومت کر رہی تھی اور یہیں ببو بیگم بھی
...و رہتی جو منی بیگم کا مرتبہ تو نہیں حاصل کر سکی تھی لیکن منی بیگم کے بعد کا درجہ اسے بھی حاصل تھا۔ وہ
...سے آنکھیں نہیں ملا سکا لیکن بیجو بار بار اس کے آس پاس منڈلاتی رہی۔ وہ نوجوان صوبے دار قیلولے کے لئے
...سالار کے محل ہی میں رک گیا۔ یہیں اس کی خدمت میں اس کی خالہ مہرالنسا کے خلاف ایک شکایتی خط
...یا گیا۔ یہ خط میر جعفر بیجو کے ذریعے سراج الدولہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسے جہانگیر نگر
...کے ایک سی وقائع نویس نے بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔ "وقائع نویس صوبے دار بنگال کی خدمت
...یہ اطلاع پہنچاتے ہوئے شرم اور اذیت محسوس کر رہا ہے کہ اس کی بیوہ خالہ مہرالنسا نے میر نذیر علی
...ایک شخص سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور اس نے اپنی حفاظت اور صوبے داری کے حصول
...کے لئے بیس ہزار فوج بھرتی کر لی ہے۔ اگر ان خطرات کا فوری تدارک نہ ہوا تو شاید حالات قابو
...باہر ہو جائیں!"

سراج الدولہ تلملا کر اٹھ بیٹھا۔ دانت پیس کر بولا۔ "ہم اس ذلت کو نہیں برداشت کر سکتے ہم
...تیری سرکوبی کو جلد ہی پہنچتے ہیں!"

بیجو سراج الدولہ کے اضطراب سے لطف اندوز ہو رہی تھی، بولی۔ "شرفا نے اپنے انداز
...لیتے ہیں ہم ناچنے گانے والیاں جب کسی شریف مرد کا دامن پکڑ لیتی ہیں تو پھر کسی اور کا تصور تک
...نہیں، لیکن اس دور کی شریف زادیاں! خدا ان کے اطوار کا سایہ ہم پر نہ ڈالے!"

سراج الدولہ نے اسی وقت قلم دوات طلب کی اور مہرالنسا کے نام فرمان جاری کیا۔

"جہانگیر نگر ڈھاکہ کے مرحوم حاکم نوازش علی کی بیوہ مہرالنسا کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ
...علی نامی افسر کے تعلق سے بدنامی اٹھا رہی ہے۔ یہ باتیں صوبے دار بنگالہ کے خاندان کے لئے شرمناک
...فرمان کے وصول کرتے ہی مہرالنسا کا یہ فرض ہے کہ وہ میر نذیر علی کو قتل کرا دے اور اس کا سر
...ادھر بھیج دے!"

سراج الدولہ نے یہاں بھی بیجو پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

سہ پہر کو میر جعفر سے مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے شوکت جنگ اور مہرالنسا سے نپٹا جائے
...بعد ازاں انگریزوں پر توجہ دی جائے۔ سراج الدولہ اپنے محل میں واپس آ گیا۔

مہرالنسا کا جواب آ گیا۔ اس نے سراج الدولہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔ سراج الدولہ
...آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور موتی جھیل کا قلعہ محاصرے میں لے لیا گیا۔
...بیس ہزار سپاہی مدافعت کرنے لگے لیکن تیسرے دن یہ سپاہ محاصرے سے تنگ آ کر ہتھیار ڈال

میرنذیر علی نے مہر النسا کو بھینچ بھینچ کر پیار کیا، بولا۔ "مہر النسا! میں تمہیں زندگی بھر دکھوں گا!"

مہر النسا نے اس کے سینے میں سمٹتے ہوئے ... تم دہلی جاؤ اور وہاں میرے ... فوج بھرتی کر دیں سراج الدولہ سے فیصلہ کن معرکہ چاہتی ہوں!"

میرنذیر علی نے کہا۔ "اس کام کے لئے بہت سرمائے کی ضرورت ہے!"

"اور اس کی تم کیوں فکر کرتے ہو!" مہر النسا اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ "دولت ... میں دوں گی، میرے پاس بڑی دولت ہے، میں کسی نہ کسی طرح وقتاً فوقتاً تمہیں بھیجتی رہوں گی!"

میرنذیر علی جان بچا کر دہلی چلا گیا اور مہر النسا موتی جھیل کا قلعہ خالی کرنے پر مجبور ہو گئی ... سراج الدولہ نے اسے حراست میں لے لیا اور اس کے مال و دولت کو بحق صوبے دار ضبط کر کے خزانے میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن ان سپاہیوں کو معاف کر دیا گیا جو مہر النسا کی طرف سے سراج الدولہ سے جنگ ... رہے تھے۔

اسی دوران کسی نے سراج الدولہ سے مخبری کی کہ مہر النسا کا ہندو دیوان راج بلبھ اپنے بیٹے ... کشن داس کے ذریعے بہت ساری دولت کلکتے روانہ کر چکا ہے اور آج کل وہ انگریزوں کے تحفظ میں ... سراج الدولہ نے راج بلبھ پر بھی سختی کی اور اس سے دستیاب نہ ہو سکنے والے خزانے کی بابت معلومات حاصل کرنا چاہی لیکن راج بلبھ نے اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

مہر النسا سراج الدولہ کے محل میں اتار دی گئی، جہاں اس کی چھوٹی بہن سراج الدولہ کی ماں آمنہ بیگم نے شاندار پذیرائی کی۔ مہر النسا نے رو رو کر اپنے بھانجے کے ظلم و ستم کی اپنی بہن سے شکایت ... لیکن آمنہ بیگم نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ اب مزید ظلم و ستم نہیں ہوگا۔ صبر سے کام لو سب ٹھیک ہو جائے گا!

مہر النسا نے آنچل پھیلا کر بھیک مانگنے کے انداز میں بہن سے درخواست کی۔ "آمنہ بیگم ... سراج الدولہ تمہارا بیٹا ہے، میرا دیوان راج بلبھ اس کی قید میں ہے کیا تم اسے رہا نہیں کرا سکتیں؟"

آمنہ نے جواب دیا۔ "میں اسے رہا تو کرا دوں گی لیکن تم مجھ سے پہلے یہ وعدہ کرو کہ آئندہ ... سراج الدولہ کے خلاف سازشیں نہیں کرو گی!"

"میرا وعدہ، جس طرح چاہو وعدہ لے لو چاہو تو ہاتھ میں کلام پاک دے کر عہد لے لو ..."

آمنہ مطمئن ہو گئی، کہا۔ "آج تمہارا دیوان راج بلبھ رہا ہو جائے گا!"

آمنہ کی پرزور سفارش پر سراج الدولہ نے راج بلبھ کو رہا کر دیا۔ آزادی پاتے ہی راج بلبھ ... محسنہ سے ملنے آیا۔ پہلے تو اس نے پردے کی آڑ میں موجود آمنہ بیگم کا شکریہ ادا کیا پھر جب آمنہ بیگم

چلی گئی اور اس کی جگہ مہر النسا آ بیٹھی تو راج بلبھ نے جھک جھک سجدے کرنے کے انداز میں مہر النسا کا شکریہ ادا کیا۔

مہر النسا نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ "راج بلبھ! تم یہاں تنہا ہو یا اور کوئی بھی ہے؟"

راج بلبھ نے جواب دیا۔ "میں تنہا ہوں بیگم صاحبہ! ارشاد، حکم!"

مہر النسا کی محتاط آواز سنائی دی۔ "تم کلکتے کے امی چند سے رابطہ قائم کرو، امی چند کمپنی کا بہت بڑا ٹھیکیدار ہے اور کلکتے میں اس کا بہت بڑا کاروبار ہے، اسے بیک وقت کمپنی اور سراج الدولہ کا اعتماد حاصل ہے۔ امی چند سے کہو وہ سراج الدولہ کے خلاف کارروائی کرنے پر کمپنی کو آمادہ کرے ... اسے اس سلسلے میں کافی انعام دیا جائے گا!"

راج بلبھ نے سراج الدولہ کے خلاف نفرت کا اظہار کیا، بولا "آپ بے فکر رہیں بیگم صاحبہ! سراج الدولہ سے بھیانک بدلہ لیا جائے گا!"

مہر النسا نے ٹھنڈی سی سانس بھری، بولی۔ "میں اس وقت تک شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھا سکتی ... جب تک سراج الدولہ کی لاش سڑکوں پر گھسیٹتی ہوئی نہ دیکھ لوں گی!"

راج بلبھ نے تسلی دی، کہا۔ "بے فکر رہو بیگم صاحبہ بے فکر رہو!"

میر جعفر اپنی دونوں بیویوں کو لے کر مہر النسا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سراج الدولہ کو یہ ... ملاقات پسند نہ تھی لیکن وہ اپنی خالہ پر ضرورت سے زیادہ دباؤ بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ میر جعفر کے پاس ... بہانہ تھا کہ وہ مرحوم صوبے دار علی وردی خاں کی بیوہ بیٹی کی مزاج پرسی کو حاضر ہوا ہے، سراج الدولہ ... نے بیگم اور بچوں کو محل کی خواتین کے سامنے جانے سے منع کر رکھا تھا۔ لیکن مہر النسا نے اس پابندی کو ... بلا لیا اور دونوں کو اپنے کمرے میں لے کر بیٹھ گئی۔ ان کے درمیان میر جعفر بھی موجود رہا۔ وہ لوگ جتنی دیر بھی بیٹھے مہر النسا سراج الدولہ کی شکایت ہی کرتی رہی، وہ خدا اور رسول کے واسطے دے دے کر میر جعفر کو سراج الدولہ کے خلاف اکساتی رہی، اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ سراج الدولہ غاصب ہے اس نے زبردستی صوبے داری ہتھیا لی ہے۔

میر جعفر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مہر النسا! ہم تمہارے پھوپھا ہیں تم مایوس مت ہو ہم جلدی مدد کریں گے!"

مہر النسا نے جھنجلا کر سوال کیا۔ "آخر کس طرح اور کب؟ جب سراج الدولہ انگریزوں کو بھی باہر کرے گا اس وقت؟"

میر جعفر نے آہستہ سے کہا۔ "تم عورت ہو مہر النسا! ملکی امور تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتے، بہرحال ہماری کوشش ہے کہ حق دار کو اس کا حق ضرور دیا جائے!"

مہرالنساء نے تقریباً سرگوشی میں کہا۔ "انگریزوں کو ملا لیجئے! یہی اس کا بہترین علاج ہے"
میر جعفر نے جواب دیا۔ "ہمیں انگریزوں کی کسی ایسی ہی پیشکش کا انتظار ہے جو صبح و شام
آنے ہی والی ہے۔"

وہیں سراج الدولہ بھی پہنچ گیا۔ اس نے ہم پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور میر جعفر کو حکم دیا
"آپ انگریز گورنر راجر ڈریک کے نام ہماری طرف سے فرمان جاری کیجئے کہ وہ اپنی حد
سے آگے نہ بڑھیں ورنہ اس کا بہت برا انجام ہوگا اور دیکھئے آپ اسے صاف صاف لکھ دیجئے کہ
تک جو قلعہ بندیاں ہو چکی ہیں وہ انہیں تڑوا دیں اور راج بلبھ کے بیٹے کرشن داس کو میرے حوالے
کر دیں۔"

میر جعفر سراج الدولہ کو لے کر محل کے دفتر میں پہنچا۔ ادھر مہرالنساء کو منی بیگم اور جگت سیٹھ
کرنے کا شاندار موقع ہاتھ آگیا۔ دونوں نے مہرالنساء کی بڑی تعریف کی جس نے انہیں اپنے پہلو میں بیٹھنے
کی جگہ پیش کی تھی۔

منی بیگم نے کہا۔ "بہن! یہ تو اچھوتوں سے بھی بدتر تھی، سراج الدولہ نے ہم دونوں پر
کا محل میں داخلہ بند کر رکھا تھا۔ اب تم آئی ہو تو ہمیں یہاں تک آنے کی اجازت بھی مل گئی ہے!"
مہرالنساء نے جواب دیا۔ "بس چند دن کی بات ہے پھر نہ تو سراج الدولہ ہوگا نہ اس کے برے
کرتوت اور نہ اس کے خلاف یہ شکایات ہوں گی!"
منی بیگم نے حیرت سے پوچھا۔ "کیسا انقلاب آنے والا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو بتایئے!"
مہرالنساء نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "وہ وقت اب جلد ہی آنے والا ہے۔"
جگت سیٹھ سراج الدولہ سے گویا اب بھی ہمدردی رکھتی تھی بولی۔ "سراج الدولہ اب اتنی نفرتوں اور سازشوں
کے مستحق بھی نہیں ہیں، ان کا چہرہ تو دیکھو کیسا اترا اترا رہتا ہے، ان کی حرکات و سکنات سے ایسا لگتا ہے جیسے
ہزاروں آدمیوں کے درمیان ایک بے سہارا انسان ہیں!"
منی بیگم نے اسے ڈانٹا۔ بولی۔ "بدبخت! اپنی زبان بند کر، جس نے ہمارے گھروں میں ہمیں ذلیل
کیا اس کی برائی یا ہمدردی کا ذکر کر کے خواہ مخواہ ہمارا دل نہ دکھا۔"
اسی رات سراج الدولہ کو ایک بے نام چند سطری خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا۔
"حضور والا! ہوشیار رہیں کہ عورتیں تک آپ کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں، حضور کی خالہ
مہرالنساء انگریزوں سے مل گئی ہیں اور ان کی انگریزوں سے باقاعدہ خط و کتابت ہو رہی ہے، انہیں پکڑنے
کی کوشش کیجئے!"
سراج الدولہ نے غیر معمولی شعلہ مزاجیوں کا مظاہرہ کیا کہ مہرالنساء کے ہر طرف جاسوس بٹھا دیئے

اور مہرالنساء اس سے لاعلم رہی۔
منی بیگم کی آمد و رفت بڑھ چکی تھی اور مہرالنساء بھی اس کے پاس چلی جایا کرتی تھی۔ سراج الدولہ
ان ملاقاتوں کو عجلت اس لئے نہ بند کر سکا کہ اس سے میر جعفر سے تعلقات خراب ہو جاتے اور جب سے چچا زاد
بھائی شوکت جنگ سے اختلافات ہوتے تھے اس کے امرائیوں ہی دو حصوں میں بٹ چکے تھے اب وہ میر
جعفر جیسے بڑے عہدے دار کو اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دوران اسے معلوم ہوا کہ شوکت جنگ
تیاریاں کر چکا ہے اور عنقریب مرشد آباد آنے والا ہے، سراج الدولہ نے پورنیا کا رخ کیا، وہ شوکت
جنگ کو اس کے مستقر ہی میں شکست دینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ مرشد آباد اور پٹنہ کے درمیانی شہر راج محل
تک ہی پہنچا تھا کہ اس کی ماں کی طرف سے خفیہ پیغام ملا۔
آمنہ بیگم نے اپنے بیٹے کو لکھا تھا۔ "سراج الدولہ! ہمیں محل کی ایک نئی کنیز میر دلا کے پاس
سے چند خطوط ملے ہیں جو انتہائی پُراسرار ہیں، انہیں ملاحظہ کرو اور ان کے مطابق اپنی سرگرمیاں جاری رکھو!"
سراج الدولہ نے بادامی کاغذ پر لکھے ہوئے ان تین خطوں کو پڑھا ان میں سے ایک میں
لکھا تھا۔
"ہمیں آپ سے ہمدردی ہے، آپ کے ساتھ واقعی بڑی زیادتی ہوئی ہے نئے صوبے دار کا
ایک فوجی افسر یار لطف خاں اس شرط پر ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہے کہ ہم سراج الدولہ کے بجائے
صوبے دار بنا دیں، ہمیں آپ کی منظوری درکار ہے کیونکہ آپ علی وردی خاں کی سب سے بڑی بیٹی ہیں،
یار لطف خاں کیسا ہے؟ کمپنی اس بابت بھی اطمینان کرنا چاہتی ہے۔ یوں کمپنی شوکت جنگ کو برسر اقتدار
لانا چاہتی ہے؟"
آخر میں راجر ڈریک، انگریز گورنر کلکتہ کے دستخط تھے۔
دوسرا خط سراج الدولہ کے چچا زاد بھائی شوکت جنگ کے نام تھا اس میں لکھا تھا۔
"کمپنی آپ کی طرف سے آپ کی خالہ مہرالنساء سے خاصی مراسلت کر چکی ہے، سراج الدولہ غاصب
ہے جس نے اپنے رشتہ داروں کے حقوق غصب کر لئے ہیں، آپ کی خالہ کا خیال ہے کہ اگر سراج الدولہ کی جگہ
آپ کو صوبے دار بنا دیا جائے تو کمپنی کے حق میں آپ زیادہ سود مند ثابت ہوں گے، کمپنی آپ کے لئے کام
کرنا چاہتی ہے بشرطیکہ آپ ان تمام مصارف کی ادائیگی کا اقرار کریں جو اس مہم میں کمپنی خرچ کرے گی! اس کے
علاوہ کمپنی تجارتی آزادی اور بعض اہم مصارف کی بھی خواہشمند ہے۔ آپ اس مراسلے کا جواب اپنی خالہ
مہرالنساء کے توسط سے دے سکتے ہیں!"
اس پر بھی راجر ڈریک کے دستخط تھے۔
تیسرا خط سراج الدولہ کے نام تھا۔ یہ اس فرمان کا جواب تھا جس میں سراج الدولہ نے کمپنی

کے قلعوں کو مسمار کر دینے اور اپنی خالہ مہر النساء کے دیوان زادے کرشن داس کو مرشد آباد بھیجنے کا حکم دیا۔ کلکتے کے انگریز گورنر نے اس کا نہایت مختصر جواب دیا تھا۔

"کمپنی آپ کے احکام کی تابع نہیں ہے وہ نہ تو اپنی قلعہ بندیاں توڑے گی اور نہ کرشن داس کو آپ کے حوالے کرے گی۔ کمپنی آپ کو سرے سے جائز صوبیدار ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اس لئے اس نے کسی ایسی تقریب میں آج تک حصہ نہیں لیا جو آپ کی صوبیداری کے زیر اثر منعقد کی گئی ہو!"

سراج الدولہ نے شوکت جنگ پر لشکر کشی موقوف کی اور راج محل سے قاسم بازار کی طرف چل پڑا۔ قاسم بازار مرشد آباد کے جنوب میں ذرا فاصلے پر واقع تھا اور یہاں کمپنی کی فیکٹری تھی فیکٹری ایک شاندار قلعے کے اندر تھی، سراج الدولہ نے انگریز گورنر ڈریک کو زبانی کہلا بھیجا۔

"تم ہمارے دشمنوں کو پناہ دیتے ہو، ہمارے ملک کے اندر قلعہ بندیاں کرتے ہو لیکن ہم تمہیں من مانی نہیں کرنے دیں گے اور تمہیں نیست و نابود کر کے دم لیں گے!"

سراج الدولہ طوفان کی طرح قاسم بازار پر ٹوٹ پڑا اور چشم زدن میں اس پر قبضہ کر لیا اور سب سے بڑا افسر ولیم واٹس گرفتار کر لیا گیا یہاں سے وہ کلکتہ روانہ ہونے والا تھا کہ خلاف توقع اس کی ماں آمنہ بیگم قاسم بازار پہنچ گئی اور اس نے سراج الدولہ کو کلکتے پر حملہ کرنے سے منع کیا لیکن سراج الدولہ نے ماں کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا۔ "نانا جان نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور انگریزوں کے عزائم بھی اچھے نہیں ہیں" اس لئے بہتر یہی ہے کہ فتنے کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔"

آمنہ بیگم چپ ہو رہی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہی بتا رہے تھے کہ وہ بہت ملول ہے، سراج الدولہ نے پوچھا۔ "آخر آپ یہ کیوں چاہتی ہیں کہ کلکتے پر حملہ نہ کیا جائے اور کمپنی کی تجارتی کوٹھیاں اور قلعہ بندیاں نہ توڑی جائیں!"

ماں نے افسردگی سے جواب دیا۔ "کلکتے کی مختلف تجارتوں میں ہماری بھاری رقمیں پھنسی ہیں تمہاری حملہ آوری میں وہ ڈوب جائیں گی؟"

سراج الدولہ نے کوئی جواب نہ دیا اور فوج لے کر کلکتے پہنچ گیا۔ انگریزوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ دریائے ہگلی میں کھڑے ہوئے جہازوں میں بیٹھ بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ فرار ہونے والوں میں ڈریک بھی تھا۔ سراج الدولہ نے کلکتے کا محاصرہ کر لیا جو انگریز فرار نہیں ہو سکے تھے وہ قلعے کے اندر چلے گئے۔ سراج الدولہ نے قلعے پر گولہ باری کا حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کی عمارتیں بجنے لگیں، مقابلے کے نتائج کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد انگریزوں نے ہالویل نامی ایک اہم قوم کی رہنمائی میں سراج الدولہ سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔

چار گھنٹے بعد قلعے پر سفید جھنڈا لہرا دیا گیا۔ سراج الدولہ نے گولہ باری کی موقوفی کا حکم دیا اور پانچ گھنٹے بعد جب وہ اپنی فوج کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو انگریز اپنے رہنما ہالویل کے ساتھ سراج الدولہ کے روبرو اس طرح پیش ہوئے کہ ان کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ دیئے گئے تھے سراج الدولہ نے ازراہ ہمدردی ان کے ہاتھ کھلوا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ کرشن داس کو حاضر کیا جائے۔ کرشن داس بھی حاضر کر دیا گیا وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ لیکن خلاف امید سراج الدولہ نے اسے معاف کر دیا اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔

کلکتے کو انگریزوں سے پاک کرنے کے بعد سراج الدولہ مرشد آباد واپس ہونے والا تھا۔ اس نے مانک چند نامی ایک ہندو کو کلکتے میں اپنا نائب مقرر کیا۔ سراج الدولہ کی ماں آمنہ بیگم اپنے فاتح بیٹے کی خدمت میں دبے قدموں حاضر ہوئی اور کچھ کہے سنے بغیر ایک طرف بیٹھ گئی بیٹے نے ماں کو اداس دیکھ کر سوال کیا۔ "آپ اداس کیوں ہیں؟"

ماں نے افسوس کے ساتھ کہا۔ "مرزا محمد! تم ایک بار میری درخواست رد کر چکے ہو اس لئے دوسری درخواست پیش کرتے ہوئے ہچکچا رہی ہوں!"

سراج الدولہ نے عقیدت و محبت سے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں بوسہ دے کر کہا۔ "آپ درخواست نہیں حکم دیں، آپ اپنے پہلے جس حکم کا ذکر فرما رہی ہیں اس کے نہ ماننے میں ایک خاص مصلحت تھی لیکن اب جو حکم دیں گی اس کی تعمیل ہو گی!"

آمنہ بیگم نے کہا۔ "ہالویل کو رہا کر دو!"

سراج الدولہ اس سفارش پر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ماں نے ہالویل کی سفارش کیوں کی؟ اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہاں بھی ماں کا کوئی تجارتی مفاد آڑے آ رہا ہو اس نے ہالویل کو رہا کر دیا جس نے انگلستان واپس جا کر سراج الدولہ کے خلاف خوب خوب الزام تراشیاں کیں اور کیسی کیسی تہمتیں لگائیں۔

سراج الدولہ نے شوکت جنگ پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دے کر ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کو ختم کر دیا اس جنگ میں شوکت جنگ مارا گیا۔

مرشد آباد میں مہر النساء کی سخت نگرانی شروع کر دی گئی اور مینی بیگم یا کسی اور عورت کے اس کے پاس جانے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ دوسری طرف مدراس سے انگریزی فوج سراج الدولہ سے بدلہ لینے کے لئے چل کھڑی ہوئی۔ اس فوج کی قیادت ایڈمرل واٹسن کے ذمے تھی اور اس کا نائب کلائیو تھا۔ کلائیو ایک پرجوش اور مہم جو سپاہی تھا جسے میدان جنگ میں لڑنے کے ساتھ ہی مکر و فریب سے کام نکالنے کا فن بہت اچھا آتا تھا۔ اس نے کلکتے کے نواح میں داخل ہوتے ہی سراج الدولہ کے

نائب مانک چند کو ملا لیا۔ جس سے کلکتہ دوبارہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ سراج الدولہ نے کلائیو کو ڈانٹا کہ وہ من مانی نہ کرے لیکن کلائیو نے الٹا انگریزوں کے نقصانات کا معاوضہ طلب کر لیا۔ سراج الدولہ مشتعل ہو گئے۔ کلائیو نے اس کے امراء کو سازش کے جال میں پھانسنے کی کوششیں شروع کر دیں!

اس نے مہرالنساء کو لکھا: "آپ اگر ذرا سی ہمت سے کام لیں تو آپ کی ساری شکایات دور ہو سکتی ہیں براہ کرم آپ صوبے دار کے فوجی افسروں سے ہماری بات چیت کرا دیں!"

مہرالنساء کو کلائیو کا یہ پیغام بڑی مشکل سے ملا۔ مہرالنساء میر جعفر سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئی آمنہ بیگم نے اسے اجازت دلوا دی اور مہرالنساء سیدھی میر جعفر کے پاس پہنچی۔ منی بیگم اور جو نے اس کا استقبال کیا۔ مہرالنساء نے جو سے سرد مہری برتی اور موقع پا کر منی بیگم سے کہا۔

"منی! چاہے تم برا مانو لیکن میں یہی کہوں گی کہ جو اعتبار کے لائق نہیں ہے!"

منی نے منہ بنا کر کہا۔ "میں خود بھی یہی سمجھتی ہوں کہ جو غاصب سراج الدولہ سے ہمدردی رکھتی ہے اور ہمیں اس کی طرف سے محتاط رہنا چاہئے!"

اسی لمحے جو آ گئی اور دونوں خاموش ہو گئیں! جو نے اس خاص حالت کو صحیح انداز میں محسوس کر لیا اور خود ہی وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد مہرالنساء نے منی سے پوچھا۔ "منی بیگم! کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارے شوہر کو صوبے دار بنا دیا جائے اور تم صوبے دار کی بیوی کہلاؤ؟"

منی بیگم کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا، پوچھا "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

مہرالنساء نے کہا۔ "پھوپھا جان کو بلاؤ۔ فرنگی انہیں صوبے دار بنانے پر آمادہ ہیں!"

اسی وقت میر جعفر کو بلا لیا گیا اور بڈھا سپہ سالار ہنسی خوشی غداری پر آمادہ ہو گیا۔

مہرالنساء نے کہا۔ "پھوپھا جان! اب یہ کام آپ کا ہے کہ فرنگیوں سے رابطہ قائم کریں اور ان سے اپنے معاملات طے کر لیں!"

اور اس کے دوسرے دن میر جعفر کا ایک خاص فرستادہ کلائیو کے پاس روانہ ہو گیا لیکن اس سے پہلے جو کا نمائندہ سراج الدولہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ جس نے نوجوان صوبے دار کو لکھا تھا:-

"حضور والا! آپ کی خالہ مہرالنساء نے ہوشیاری سے مجھے ہٹا کر میری بہن منی بیگم اور میرے شوہر میر جعفر سے کچھ صلاح مشورے کئے ہیں۔ میں نے کئی بار ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی لیکن نہیں سن سکی۔ ہاں کئی بار کلائیو اور انگریزوں کا ذکر ضرور سننے میں آیا۔ حالات نہایت پراسرار ہیں، نہایت چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے!"

سراج الدولہ نے اس کا توڑ کا اثر لیا۔ اور میر جعفر کو سپہ سالاری کے منصب سے ہٹا کر اس کی جگہ میر مدن کو سپہ سالار بنا دیا اس کے علاوہ میر جعفر کو حکم دیا گیا کہ وہ محل سے باہر نہ نکلے اور اس پر چوکیدار مقرر کر دیئے گئے۔ میر جعفر اور میرن غصے اور حسد کی آگ میں جلنے لگے۔

انگریز کلائیو کی سرکردگی میں سازشوں کے سہارے چندر نگر تک پہنچ گئے۔ سراج الدولہ نے ان کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن فوجی سرداروں نے غداری کی اور سراج الدولہ کو مصلحت اندیشی سے کلائیو سے صلح کرنا پڑی ـــــ اس صلح کی رو سے ایک انگریز سفیر مرشد آباد میں رہنے لگا اور یہیں سے سازش کی آگ شعلے دینے لگی۔

انگریز سفیر واٹس میر جعفر کے پاس ڈولی میں بیٹھ کر گیا اور میر جعفر سے پوچھا "کلائیو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اگر آپ کو بنگال کی صوبے داری پر فائز کر دیا جائے تو اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میر جعفر اندر سے سادہ کاغذ لے آیا اور اس کے نیچے اپنے دستخط کر کے کاغذ واٹس کے حوالے کر دیا بولا۔ "کلائیو سے کہنا انہیں اختیار ہے جو چاہیں لکھ لیں، زبانی یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ اگر میں صوبے دار ہو گیا تو انگریزوں کے دشمن فرانسیسیوں کے کارخانے اور کوٹھیاں تباہ و برباد کر دوں گا اور انہیں بنگال میں دوبارہ نہیں آباد ہونے دوں گا۔ کلکتے اور قاسم بازار کے حملوں میں انگریزوں کا جتنا نقصان ہوا ہے اس کا معاوضہ دوں گا اور کلکتے کے اردگرد انگریزوں کو مزید زمین دی جائے گی!"

واٹس یہ کاغذ لے کر واپس چلا گیا۔

کلکتے کا امی چند نامی سکھ آمنہ بیگم کے ساتھ مل کر کاروبار کرتا تھا۔ سراج الدولہ بھی اس کا احترام کرتا تھا انگریزوں نے اسے دوسرے امراء سے سازباز کرنے پر آمادہ کر لیا۔ سارے معاملات طے پا گئے لیکن انگریزوں نے نہایت عقلمندی سے امی چند کو سازش کی خبر تفصیل سے لاعلم رکھا۔ امی چند بلا کا چالاک تھا وہ انگریز سفیر واٹس سے ملا اور اسے دھمکی دی، بولا۔ "واٹس! تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا مگر اب تم لوگ بہت بے ایمان ہو۔ تم نے مجھ سے کام لیا اور جب انعام کا وقت آیا تو میرا حصہ بھی تم خود ہضم کر جانا چاہتے ہو؟ بتاؤ اگر میں سراج الدولہ کو اس سازش سے آگاہ کر دوں تو کتنے ہیں جو زندہ بچیں گے اور میں ایسا ضرور کروں گا!"

واٹس ڈر گیا اس نے کہا: "ہم خود تو کوئی وعدہ کر نہیں سکتے کلکتے کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے تمہارا مسئلہ رکھ دیا جائے گا۔ وہ جو فیصلہ بھی کرے گی تمہیں اس سے مطلع کر دیا جائے گا!"

امی چند نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا: "تم اپنی سلیکٹ کمیٹی کو مطلع کر دو کہ سراج الدولہ کے خزانے سے جو کچھ نکلے اس کا پانچ فیصد میرے حوالے کیا جائے اگر یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر مجھے تیس لاکھ روپے علی الحساب ادا کئے جائیں!"

واٹس نے امی چند کی بات چیت کلکتے کی سلیکٹ کمیٹی کو روانہ کر دی۔

واٹس سے بات چیت کے بعد امی چند نے سراج الدولہ سے ملاقات کی اور باتوں ہی باتوں میں بتا دیا۔ "حضور والا! آپ کو صوبے داری سے الگ کرنے کے لئے میر جعفر اور انگریزوں کے درمیان کسی سمجھوتے کا امکان موجود ہے۔ شاید ابھی یہ معاہدہ نہیں ہوا ہے لیکن کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔"

سراج الدولہ نے امی چند کا شکریہ ادا کیا اور انعام و اکرام سے نوازا اور میر جعفر کے آس پاس سخت پہرا بٹھا دیا گیا۔

کلکتے کی سلیکٹ کمیٹی نے عہد نامہ مرشد آباد روانہ کر دیا۔ اس پر میر جعفر کے دستخط ہونے تھے۔ واٹس پریشان تھا کہ چوکی پہرے کی موجودگی میں میر جعفر کے دستخط کس طرح لے جائیں۔ آخر اسے ایک چھوٹی ترکیب سوجھی۔ اس نے پردے دار پالکی منگوائی اور اس میں بیٹھ کر پردہ گرا دیا اور یہ پالکی میر جعفر کے محل میں داخل ہو گئی۔

دبلا پتلا سفید ریش میر جعفر اپنے بیٹے اور ولی عہد میرن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے معاہدے کی شرائط پڑھیں اور وہ دستخط کرنے ہی والا تھا کہ واٹس نے قلم پکڑ لیا۔ بولا: "حضور نواب صاحب یہاں کلام پاک کا کوئی نسخہ تو ضرور موجود ہوگا!"

میر جعفر اس کا مقصد سمجھ گیا۔ جزدان سے قرآن نکالا اور ایک ہاتھ سے قرآن پاک سنبھالا اور ایک ہاتھ اپنے بیٹے میرن کے سر پر رکھا اور کہا "میں ان دونوں کی قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس معاہدے کی ہر دفعہ اور ہر شرط پر پوری دیانت داری سے عمل کروں گا۔"

اس کے بعد اس نے معاہدے پر دستخط کر دیے۔

واٹس اسی وقت واپس چلا آیا۔ امی چند سے اس نے یہ کہا کہ "تمہیں تیس لاکھ روپے ادا کر دیے جائیں گے۔ سلیکٹ کمیٹی کا معاہدہ کلکتے میں موجود ہے، وہاں جا کر اسے دیکھ سکتے ہو!"

امی چند نے کلکتے پہنچ کر وہ عہد نامہ دیکھ لیا جس میں امی چند کو تیس لاکھ روپوں کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ عہد نامہ بادامی کاغذ پر تھا اور اس پر امیر البحر واٹسن اور کلائیو کے دستخط بھی موجود تھے۔

ان معاہدات کے بعد کلائیو کا رویہ سخت ہو گیا اور وہ کلکتے سے مرشد آباد کی طرف فوجیں لے کر بڑھا۔ اپنی اس پیش قدمی کے جواز میں کلائیو نے سراج الدولہ کو لکھا۔ "آپ کے اور انگریزوں کے درمیان اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں بہتر ہے کہ اس معاملے میں آپ اپنے ہی امرا کو حکم بنا لیں، ان میں میر جعفر کا نام میں بطور خاص لوں گا۔ یہ اگر ہمیں مورد الزام ٹھہرائیں گے تو میں خاموشی اختیار کر لوں گا لیکن اگر انہوں نے آپ کو غلطی پر ٹھہرایا تو پھر آپ ہمارے نقصانات کی تلافی کریں گے۔ بارشیں شروع ہو چکی ہیں اور چونکہ

آپ کی طرف سے جواب آنے میں دیر ہو جایا کرتی ہے، اس لئے میں خود ہی آپ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

سراج الدولہ پریشانی کے عالم میں نظر بند میر جعفر کے پاس پہنچا۔ اس مایوسی کی حالت میں سراج الدولہ نے یہی مناسب سمجھا کہ میر جعفر کو ناراض نہ کیا جائے کیونکہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے تجربہ کار سپہ سالار کی سخت ضرورت تھی۔

بوڑھا سپہ سالار نوجوان صوبے دار کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بوڑھے سپہ سالار نے آج سراج الدولہ میں وہ چستی اور طراری نہیں دیکھی جو اس کا فطری خاصہ تھی۔ وہ سست اور مایوس نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تنہائی کا احساس پایا جاتا تھا۔

میر جعفر نے سوال کیا۔ "اس ناچیز کے لئے کوئی نیا حکم؟"

سراج الدولہ میر جعفر کے سینے سے لگ گیا۔ بولا۔ "آپ ہماری فوج کے سپہ سالار ہی نہیں ہمارے پھوپھا بھی ہیں، ہم دونوں میں خون کا رشتہ ابھی موجود ہے کیا اس برے وقت میں آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

میر جعفر نے محبت سے سراج الدولہ کی پشت تھپتھپائی اور پر جوش آواز میں کہا۔ "مرزا محمد! آپ ہماری طرف سے ہمیشہ بدگمان رہے ہیں حالانکہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ آپ کے مقابلے میں ان سفید فام فرنگیوں کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے بے بنیاد شبہات پر ہمیں سپہ سالاری سے الگ کیا۔ ہمیں نظر بند کر دیا لیکن ہم نے ہمیشہ یہ سوچ کر ذلتیں گوارا کر لیں کہ آپ ابھی نوجوان اور ناتجربے کار ہیں کبھی نہ کبھی آپ پر اصل حقائق واضح ہو جائیں گے چنانچہ شاید وہ وقت اس وقت میرے سامنے ہے اور آپ اپنی غلطیوں پر ندامت محسوس کر رہے ہیں!"

"ہاں!" سراج الدولہ نے کہا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ پرانی باتیں بھلا کر نئے سرے سے تعلقات استوار کریں!"

میر جعفر نے کہا۔ "ہم نے سب کچھ بھلا دیا!"

سراج الدولہ نے کلام پاک طلب کیا۔ جب یہ آ گیا تو اس نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور قسم کھائی۔ "ہم صوبے دار بنگالہ مرزا محمد سراج الدولہ یہ عہد کرتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے پھوپھا میر جعفر کے ہمدرد رہیں گے، اور زندگی کے آخری لمحات تک ان کا ساتھ دیں گے!"

اس کے بعد میر جعفر نے قرآن پاک کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور چند قدم چل کر قسم کھائی۔ "ہم میر جعفر پھوپھا مرزا محمد سراج الدولہ عہد کرتے ہیں کہ ان کے ہمیشہ وفادار رہیں گے اور ان کی وفاداری میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے، اگر ہم اس سے روگردانی کریں تو خدا ہمیں کسی

عذاب میں مبتلا کر دے!"

میرن کچھ دور کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ آخر میں نفرت سے منہ پھیر کر اندر چلا گیا۔ میر جعفر اور سراج الدولہ کی آوازیں بھر آگئیں۔ میر جعفر کی داڑھی اور سراج الدولہ کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد میر جعفر سراج الدولہ کی خاطر مدارات کے لئے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد بیگم چور کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سراج الدولہ سے کہا "خدا کا کیا رنگ ہے میں نہیں جانتی لیکن ابھی میر جعفر اپنے بیٹے میرن سے باتیں کرتے ہوئے فارسی کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

بسالی زجورت جگر خوں کنم   بیک ساعت از دل بدر چوں کنم

(ایک سال تک تیرے جس ظلم سے جگر کو خون کرتا رہا ہوں (کس طرح ممکن ہے کہ) اسے ایک پل میں دل سے نکال دوں)۔

سراج الدولہ نے اسے جھڑک دیا۔ بولا۔ "ہمارا دماغ نہ خراب کرو۔ ہم نے اپنی کشتی تقدیر حالات کے حوالے کر دی ہے، جو ہونا ہے، ہو رہے گا۔ گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔"

دریائے بھاگیرتی جنوب میں بہتے بہتے آموں کے باغ سے ذرا آگے ایک دم مغرب شمال کا رخ اختیار کرتا ہے اور پھر چند میل گولائی میں گھومتی ہوئی، جنوب سے مشرق اور مشرق سے شمال مشرق میں اس جگہ پہنچ جاتی ہے، جہاں سے اس نے مغرب شمال کا رخ اختیار کیا تھا۔ اس گھماؤ پھراؤ نے بھاگیرتی کی شکل گھوڑے کے سم جیسی بنا دی تھی۔ آموں کے باغ سے شمال مشرق کے آخری موڑ پر سراج الدولہ کی فوج پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ بھاگیرتی نے یہاں پر پھر مشرق میں گھومتے ہوئے چند میل اترتے میں جنوب مغرب میں بہنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں پر کلائیو اپنی فوج لئے پڑا تھا۔ یہاں خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔ ان خندقوں کے اس پار دریا کے کنارے باغ تھا۔ اس باغ میں کلائیو اور اس کی فوج تھی۔ یہیں سراج الدولہ کی شکارگاہ تھی جس پر کلائیو قابض تھا۔ سراج الدولہ کی افواج نے اس کے مقابل پہنچ کر ہلالی شکل اختیار کر لی۔ اس ہلالی فوج کا وہ حصہ جو انتہائی جنوب میں پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، میر جعفر کے زیر کمان تھا اور اس سے تھوڑے فاصلے پر کلائیو کی فوج تھی۔ بظاہر کلائیو سراج الدولہ کے نرغے میں آ چکا تھا۔ کلائیو نے شکارگاہ کی چھت سے میدان جنگ کا نقشہ دیکھا تو گھبرا گیا کیونکہ اگر میر جعفر اور دوسرے فوجی سردار ذرا سی وفاداری دکھا جاتے تو کلائیو کا ایک آدمی بھی بچ کر نہ نکل سکتا تھا۔ کلائیو نے امی چند کو اپنے پاس ہی روک رکھا تھا۔ اس نے امی چند کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔

"امی چند! یہ کیا چال ہے؟ مجھے تو بتایا گیا تھا کہ سراج الدولہ کی فوج بہت تھوڑی ہو

گی لیکن یہ تو بہت بڑی ہے!"

امی چند نے کہا۔ "گھبرائیں مت، انتظار کیجئے۔ معاملات معاہدے کے مطابق ہی طے پا جائیں گے۔"

کلائیو نے میر جعفر کو پیغام بھیجا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ جن معاملات کا خود آپ کی ذات سے تعلق ہے آپ ان میں بہت سے کام نہیں لے رہے، میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں، اس وقت تک میں مذبذب اور فکرمند رہوں گا جب تک آپ کا جواب میرا حوصلہ نہ بڑھائے گا۔"

میر جعفر نے اس کا جواب جوتے میں سی کر روانہ کیا۔ اس نے لکھا تھا۔ "آپ پریشان نہ ہوں جب جنگ شروع کریں تو کسی طرح تھوڑی دیر پہلے ہمیں اس سے مطلع ضرور کر دیں، منصوبے پر پوری طرح عمل کیا جائے گا!"

دوسرے دن صبح سورج طلوع ہوا تو سراج الدولہ کی فوج میں ہاتھیوں کی سرخ جھولیں آگ کی طرح نظر آئیں۔ شہسواروں کی تلواریں باہر آگئیں اور توپوں نے گولے اگلنے شروع کر دیئے۔ جواب میں انگریزوں نے بھی گولہ باری کی اور اتفاق کی بات کہ ان کا ایک گولہ سراج الدولہ کے وفادار ترین سپہ سالار میر مدن کے لگا جس سے اس کی ایک ٹانگ اڑ گئی۔ اسے زخمی حالت میں سراج الدولہ کے خیمے میں لایا گیا۔ اس نے چند آخری سانسیں لیں اور رخصت ہو گیا۔ سراج الدولہ کی ہمت جواب دے گئی۔

دھوپ رخصت ہو گئی۔ آسمان بادلوں میں چھپ گیا اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ میدان جنگ میں پھیلی ہوئی بارود کو بارش کے رحم و کرم پر یونہی چھوڑ دیا گیا اور وہ ساری بھیگ کر بیکار ہو گئی لیکن کلائیو نے بارود کے ذخائر پانی سے بچا لئے تھے۔ یہ اطلاعات سراج الدولہ کو پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے میر جعفر کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔

جب میر جعفر سراج الدولہ کے خیمے میں داخل ہوا تو سراج الدولہ نے اپنے سر سے دستار اتاری اور اس سفید ریش غدار کے قدموں میں رکھ دی اور بھرائی آواز میں کہا۔ "میر جعفر! خدا کے لئے ہماری غلطیاں معاف کر دیجئے۔ یہ دستار جو اس وقت آپ کے قدموں میں پڑی ہے، علی وردی خان کی دستار ہے جو آپ کا برادر نسبتی اور محسن تھا۔ دیکھو اس پر آنچ نہیں آنی چاہئے!"

میر جعفر نے دستار دوبارہ سراج الدولہ کے سر پر رکھ دی، کہا۔ "مرزا محمد! آپ مطمئن رہیں، اس دستار پر ہم ہرگز آنچ نہ آنے دیں گے۔"

اور دونوں ایک بار پھر بغل گیر ہو گئے۔

جب میر جعفر دوبارہ اپنے کیمپ میں پہنچا تو وہاں کلائیو کا پیغام پہلے سے موجود تھا۔ اس نے لکھا تھا۔ "میں سخت پریشان ہوں، آپ نے میری کوئی مدد نہیں کی!"

میر جعفر نے فوراً جوابی پیغام بھیجا۔ "بالکل بے فکر رہیں، ہم اپنے عہد پر چٹان کی طرح قائم ہیں۔
...ت آنے دو، ہم اپنا فرض پوری طرح ادا کریں گے۔"
رات ہوئی تو سراج الدولہ نے افسروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اب
...ھ کیا کرنا چاہیے۔
ہر ایک نے یہی مشورہ دیا کہ بارود بھیگ چکی ہے اور عملاً ہم جنگ ہار چکے ہیں۔
سراج الدولہ نے مایوس ہو کر پوچھا۔ "اگر ہم جنگ واقعی ہار گئے تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"
سب نے بالاتفاق کہا۔ "آپ خود مرشد آباد تشریف لے جائیں اور نئی فوج اکٹھی کریں۔ پٹنہ سے
...مدد طلب کریں۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے ہم یہاں لڑتے رہیں گے۔"
سراج الدولہ نے غداروں کے مشورے پر عمل کیا۔ وہ پلاسی کے میدان سے بھاگ کر مرشد آباد
...پہنچا اور وہاں سے اپنی بیوی لطف النساء کو ساتھ لے کر پٹنہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
سراج الدولہ کے جاتے ہی میر جعفر نے کلائیو سے درخواست کی۔ "ہم ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"
کلائیو نے ملاقات کو دوسرے دن پر ٹال دیا۔
دوسرے دن میر جعفر ہاتھی پر سوار ہوا۔ پیچھے اس کا بیٹا میرن بیٹھا تھا۔ ہاتھی کلائیو کے کیمپ
...طرف بڑھا۔ کلائیو کیمپ سے باہر نکلا۔ انگریز دستے نے سلامی دی۔ کلائیو نے اسے نیچے اتارا اور بغل
...گیر ہو گیا اور کہا۔ "اب آپ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے حکمران ہیں۔"
اس کے بعد تینوں ایک خیمے میں گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کلائیو نے میر جعفر کو مشورہ
...دیا کہ "فوراً مرشد آباد پہنچ کر سراج الدولہ کے خزانے پر قبضہ کر لیجیے۔"
میر جعفر، دو سو انگریز اور تین سو ہندوستانی سپاہ کے ساتھ مرشد آباد میں داخل ہوا۔ اور
...سراج الدولہ کی املاک پر قابض ہو گیا۔ مہر النساء نے آگے بڑھ کر نئے صوبے دار کی پیشوائی کی اور ابھی وہ
...ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی تھی کہ میرن آگے بڑھا اور اس کے رخساروں پر دو طمانچے رسید کر دیے۔ مہر النساء
...لڑکھڑا گئی۔ میرن نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "اسے بند کر دیا جائے۔"
مہر النساء قید میں ڈال دی گئی۔

تین دن بعد سراج الدولہ کی کشتی راج محل سے چار میل دور موضع بیجھر پور کے ایک دیہاتی
...ل پر رکی اور بھوکے پیاسے میاں بیوی دم لینے کی خاطر تڑپتے اور ایک ویران کٹیا میں پناہ لی۔ اس کٹیا
...ک دانا شاہ سراج الدولہ سے واقف تھا دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کبھی کسی جرم میں سراج الدولہ نے اس کا
...کان کٹوا دیا تھا۔ دانا شاہ نے مسکراتے ہوئے اس غریب الوطن صوبے دار کا استقبال کیا اور اپنے کٹے

...ہوئے کان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "حضور والا! میرا یہ کان آپ کے پاس امانت رکھا ہوگا کیا امانت
...واپس طلب کر سکتا ہوں؟"
سراج الدولہ نے کہا۔ "ہم بھوکے ہیں پہلے ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرو اس کے بعد کوئی
اور بات ہو گی۔"
دانا شاہ راج محل کے فوجدار میر قاسم کے پاس پہنچا اور اسے سراج الدولہ کی موجودگی کی
اطلاع دی۔ میر قاسم، میر جعفر کا داماد تھا۔ اس نے دونوں کو گرفتار کر کے مرشد آباد روانہ کر دیا۔
مرشد آباد کی مبارک منزل کے عظیم الشان باغ میں ایک شاندار اجتماع ہوا۔ امراء رنگ برنگے لباس
میں ملبوس تھے اور ان کی دستاروں میں قیمتی جواہرات چمک رہے تھے۔ میر جعفر سنگ مرمر کے ایک تخت کے
قریب کھڑا کلائیو کا منتظر تھا۔ کلائیو آگے بڑھا۔ میر جعفر نے کلائیو کو ہار پہنایا اور اس پر عطر اور گلاب چھڑکا۔
کلائیو نے اسے تخت پر بٹھا دیا اور نذرانے میں سو اشرفیاں پیش کیں، اور سر جھکا کر نیازمندانہ پیچھے ہٹا۔ اور
بنگال، بہار اور اڑیسہ کے نئے حکمران کی حیثیت سے میر جعفر کی خدمت میں کورنش بجا لایا۔ اور اپنی مختصر سی
تقریر میں درباری امراء کو یہ بتایا کہ "اب میر جعفر تمہارے نواب ہیں ان کے ساتھ وفاداری سے پیش آنا تمہارے
فرض منصبی میں داخل ہے۔"
شب کی سیاہی میں تیرہ بخت سراج الدولہ مبارک منزل کے اس شاہانہ کمرے میں جہاں کبھی وہ خود
رہتا تھا، میر جعفر کے سامنے اس طرح پیش ہوا کہ وہ سر سے پیر تک زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ غدار بے سالار
بے حیائی سے سراج الدولہ سے آنکھیں ملا رہے اور مسکرا رہے تھے۔ سراج الدولہ کی حیران آنکھیں ساکت ہو
گئیں۔ سراج الدولہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میر جعفر سامنے سے ہٹ گیا۔ اور اپنی جگہ میرن کو بھیج دیا۔ میرن نے آتے
ہی سراج الدولہ کے چند ٹھوکریں رسید کیں۔ سراج الدولہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ کمرے کا ماحول دھواں دھواں
ہو گیا۔ یہاں کی ہر شے دھندلاہٹ کا شکار تھی۔ اس دھندلاہٹ میں اس نے ایک طرف خاموش بہو کو کھڑے
دیکھا جو میرن کو منع کر رہی تھی۔ "بس میرن! جو ہونا تھا ہو چکا اب یہ ہمارے رحم کا حق دار ہے۔"
میرن نے حکم دیا۔ "اسے قید کر دیا جائے۔"
اسے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہو رہا تھا کہ محل کی بیگمات تک
...پیش آنے والے واقعات سے بے خبر تھیں۔
منی اور بہو نے سراج الدولہ کی تاریک کوٹھری میں قدم رکھا اور اپنے آگے پیچھے دست بستہ
...خدمت گاروں کی چھوٹی سی فوج کے ذریعے اپنی بیگمانہ شان کا مظاہرہ کیا۔
منی نے تمکنت سے پوچھا۔ "کہاں گئی تیری خاندانی وجاہت اور آن؟ اب تیرے خاندان کی عزت
و عظمت میری جوتیوں میں ہے!"

بیگم نے لجاجت سے کہا۔ "حق! یہ مصائب کا مارا نوجوان ہماری ہمدردیوں کا مستحق ہے!"

اسی وقت میرن آیا اور انہیں کوٹھڑی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ دونوں کے ساتھ وہ خود بھی باہر نکل گیا۔ باہر سے اس کی آواز صاف آ رہی تھی سراج الدولہ نے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "رحم اور ہمدردی کے جذبے عورتوں کے تہیں، یہ معاملات کو بگاڑ دیتے ہیں، اس لئے یہ قابل نفرت ہیں!"

تھوڑی دیر بعد کوٹھڑی کا دروازہ پھر کھلا اور محمد بیگ نامی ایک شخص پہرے والے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا سراج الدولہ نے سہم کر خنجر پر نظر ڈالی اور کہا۔ "کیا تمہیں یہ بات بھی پسند نہیں کہ ہم اپنی باقی زندگی اس کنج عافیت میں رہ کر گزار دیں؟"

محمد بیگ نے سراج الدولہ کی آواز کسی بہرے کی طرح سنی اور اپنی طاقتور کلائی سے سراج الدولہ کو چھید ڈالا۔ خنجر بار بار سراج الدولہ کے جسم میں پیوست ہو کر نکلتا رہا۔ سراج الدولہ نے ادھر ادھر لپک کر اور ہاتھوں کو بار بار خنجر کے سامنے کر کے جان بچانے کی ناکام کوشش کی اور اپنی ہتھیلیوں اور انگلیوں کو بھی چھلنی کرا ڈالا۔ وہ خون سے بے دم ہو کر دور گر گیا۔ اس کا چہرہ تک لہولہان ہو چکا تھا۔ اس نے مزاحمت ترک کر دی اور دم توڑتے ہوئے ہچکیوں میں کہا۔ "بس کرو، بس اب ہم خود ہی مر جائیں گے!"

مرنے کے بعد اس کی لاش ہاتھی پر ڈال کر مرشد آباد کی سڑکوں پر پھرائی گئی لوگ سراج الدولہ کے اس انجام پر حیرت زدہ رہ گئے۔ محل کے ایک جھروکے سے یہ عبرتناک منظر سراج الدولہ کی ماں آمنہ بیگم نے بھی دیکھا اور پاگلوں کی طرح محل کے باہر نکل گئی۔ دوڑ کر ہاتھی کے پاس پہنچ گئی اور بد قسمت سراج الدولہ کی لاش ہاتھی پر سے اتاری اور اس کے چھلنی جسم کو بوسے دینے لگی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی اس کا بیٹے اور پوتیوں سے محروم تھے۔ اس منظر کو میرن نے بھی دیکھا اور اس نے چند ملازموں کو آمنہ کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا۔ ان ملازموں نے آمنہ بیگم کو نہایت بے رحمی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور محل میں واپس لے گئے۔ اس کے بعد آمنہ بیگم اور مہر النسا کو جہانگیر نگر (ڈھاکے) روانہ کر دیا گیا۔

میر جعفر نے صوبے داری کے صلے میں دو کروڑ ستر لاکھ روپے کمپنی کو ادا کئے۔ اس میں سے ... لاکھ اسی ہزار کلائیو کے حصے میں آئے اور چوبیس پرگنوں کی زمینداری بھی کمپنی کو دی گئی بلکہ کلائیو کو ایک جاگیر ملی جس کی سالانہ آمدنی اٹھائیس ہزار پونڈ تھی۔

کلائیو اور میر جعفر باہر نکلے تو وہاں امی چند اپنے نوکروں کی پلٹن لئے ان کا منتظر نظر آیا۔ کلائیو نے اسے دیکھ کر مسکرایا اور اپنے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا۔ اور خود میر جعفر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ کلائیو کا ساتھی امی چند کے قریب گیا اور بے مروتی سے کہا۔ "امی چند! جو عہد نامہ تمہیں دکھایا گیا تھا وہ جعلی تھا، کلائیو نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس فریب سے میں تمہیں مطلع کر دوں۔ تم سے دھوکا کیا گیا تھا اس لئے تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا!"

امی چند نے کسی پاگل کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور نیم بے ہوشی کی آواز میں پوچھا۔ "مجھ سے دھوکا کیا گیا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں تم سے دھوکا کیا گیا تھا۔ اصل معاہدہ جو سفید کاغذ پر تھا اس میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے، دوسرا معاہدہ جو لال کاغذ پر تھا اور تمہیں دکھا دیا گیا تھا وہ جعلی تھا۔ اس میں واٹسن کے جعلی دستخط بھی خود کلائیو نے کر دیئے تھے!"

امی چند بے ہوش ہو کر گر گیا اور اس کے آدمی اسے پالکی میں ڈال کر اٹھا لے گئے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو پتہ چلا کہ اس کا دماغی توازن بگڑ چکا ہے، کلائیو اس سے ملا اور اس نے اس پاگل کو تیرتھ یاترا کا مشورہ دیا۔ وہ مالدہ گیا اور دیوانگی ہی میں جان دے دی۔

کچھ عرصے بعد میرن نے مہر النسا اور آمنہ بیگم کو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) سے مرشد آباد بلوایا۔ جسارت ... سواروں اور ایک جمعدار کے ساتھ ڈھاکے پہنچا اور انہیں مرشد آباد طلبی کا فرمان سنایا۔ دونوں کو کشتی میں بٹھا کر مرشد آباد روانہ کر دیا گیا۔ جب کشتی نے دو میل کا فاصلہ طے کیا تو جمعدار نے انہیں میرن کے اصل ارادے سے آگاہ کر دیا۔

"بد نصیب بیگمو! ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم کشتی میں سفر کر رہی ہو تو ہم تمہیں پانی میں غرق کر دیں!"

جمعدار کے حکم پر سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بے بس کر کے ان کے پیروں میں بھاری پتھر باندھ دیئے۔ ان دونوں نے مچل مچل کر سپاہیوں سے چھوٹ جانا چاہا لیکن سپاہیوں نے انہیں پانی میں دھکیل دیا۔ جب انہوں نے دوبارہ کشتی پر چڑھنے کی کوشش کی تو ان کے سروں اور گردنوں پر لاٹھیوں کی ضربیں لگا کر پانی میں دھکیل دیا گیا۔ کئی سپاہیوں نے ان کے مصروف جدوجہد ہاتھوں کو کلائی سے کاٹ دیا۔

کہتے ہیں ڈوبتی ہوئی آمنہ بیگم کے آخری کلمات یہ تھے۔ "خدایا! ہمیں یقین ہے کہ تو ظالم کو معاف نہیں کرے گا اور انتقام تو خود لے گا!"

اس رات میرن پٹنے میں قیام کئے پڑا تھا۔ اس نے احتیاطاً اپنا خیمہ چھوڑ دیا اور ایک معمولی کوٹھری میں رات گزارنے چلا گیا۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، ایک خوفناک کڑک کے ساتھ بجلی گری اور میرن کو جلا کر غائب ہو گئی۔ اس کے سر میں چند شگاف ہو گئے اور اس کے سرہانے رکھی ہوئی تلوار بھی جگہ جگہ سے چھلنی ہو گئی جس پر یادگاری پرنٹ تھا وہ بھی جل گئی۔

یہ واقعہ اس وقت ہوا جب پلاسی کی جنگ کو گزرے آٹھ سال ہو چکے ہیں، میر جعفر دوسری بار مرشد آباد کے تخت پر تھا۔

درمیان میں ایک بار انگریزوں نے اسے معزول کر دیا تھا جو ستر سال یہ بوڑھا محل کے
کمرے میں یکہ و تنہا پڑا ہوا تھا۔ مستی بیگم اور بچو قریب ہونے کے باوجود اس سے کوسوں دور تھیں
گا اس کے پاس جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اس کی ناک کان اور انگلیاں گل کر گر چکی تھیں، وہ
میں مبتلا سسک رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے آخری سانس لی تو اس کے حلق میں پانی کے چند
قطرے ڈالنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

ندیم

تاریخ اسلام کے ظالم و جابر حجاج بن یوسف کی قلمی
تصویر۔ اس کا نام خوف اور دہشت کا پیغام تھا۔ بڑے بڑے
سرکشوں اور بہادروں کو لرزہ براندام کر دینے والے سفاک مہم
کا جب ایک عورت سے واسطہ پڑا اور یہ پتھر آہنی شیشے سے
ٹکرایا تو پتھر پاش پاش ہو گیا۔ دہشت، خوف، تجسس اور رومان
کا ایک خوبصورت ترین امتزاج۔

داستان

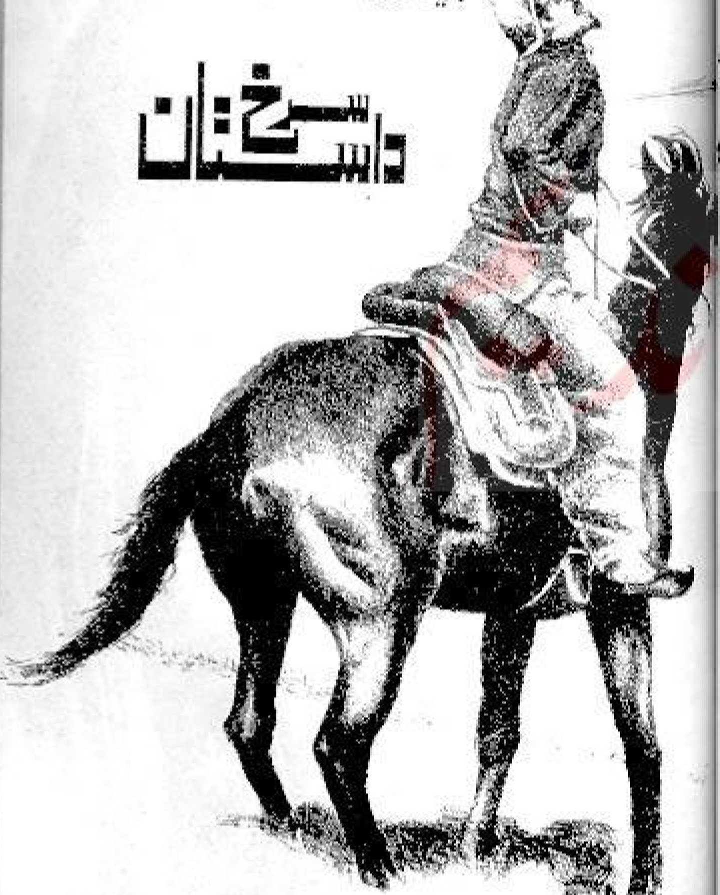

سانحۂ کربلا کو گزرے ہوئے تقریباً بارہ سال ہو چکے تھے اس مختصر مدت میں دنیائے اسلام پر اختلاف اور انتشار کی کئی آندھیاں حملہ آور ہوئیں اور سخت جان اسلام چٹان کی طرح ان کے مقابل ڈٹا رہا۔ کربلا میں حضرت امام حسینؓ خود اپنے اپنے اہل و عیال اور رفیقوں کے خون سے اسلام کی مرجھائی ہوئی جڑوں کی آبیاری کر چکے تھے۔ بنو امیہ کی خوش قسمتی سے انہیں عبدالملک بن مروان جیسا اقبال مند اور صاحب تدبیر خلیفہ میسر آگیا۔ چاروں طرف خودسری کی ہوائیں چل رہی تھیں جو سردار بھی اپنے آس پاس چند آدمی جمع کر لیتا وہ بنو امیہ کے خلاف باغیانہ روش اختیار کرتا۔ عبدالملک کی اپنی فوج کا یہ حال تھا کہ جس کا جی چاہتا سفر و حضر میں عبدالملک کا ساتھ دیتا اور جس کا نہ جی چاہتا ساتھ چھوڑ دیتا۔ کوفے اور بصرے جیسی چھاؤنیوں کے لوگ آرام طلب اور موقع پرست ہو گئے تھے انہیں جنگوں سے زیادہ سازش اور سیاست پسند آنے لگی تھی خلیفہ کے احکام سے روگردانی ان کے لئے نہایت معمولی بات تھی۔ قصر خلافت سے انہیں حکم ملتا کہ فوج کی اتنی تعداد باغیوں کے مقابلے پر روانہ کر دی جائے لیکن اس حکم کی تعمیل کرانے کی کسی ایک میں بھی ہمت نہ تھی چاروں طرف بدنظمی کا دور دورہ تھا۔

دمشق سے دُور مکے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے نواسے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اپنی خلافت قائم کر چکے تھے۔ ان کی موجودگی میں عبدالملک کا امیر المومنین بن جانا ناممکن تھا عبدالملک کو ہر وقت یہی دھڑ لگا رہتا کہ کہیں اس کے اپنے آدمی عبداللہ ابن زبیرؓ سے نہ جا ملیں۔ یہی خدشہ اسے سختی کے بجائے نرمی اور جنگ کے بجائے سازش اور سیاست پر کاربند رکھتا۔

عبدالملک نے کوفے سے بصرے کی طرف کوچ کیا تو اسے یہ دیکھ کر غصہ آیا

کہ بہت سے فوجی بدستور کھانے پینے میں مشغول تھے اور ان کے چہروں پر سفر کے
کی جگہ قیام کے سکون کا قبضہ تھا۔ عبدالملک نے صاحب الشرطہ (انسپکٹر جنرل پولیس)
روح بن زنباغ کو طلب کیا اور اس سے شکایتاً مشورے کے طور پر کہا: "ابن زنباغ
فوج میں نظم وضبط ختم ہو چکا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح بحال کیا جا

ابن زنباغ نے جواب دیا: "امیر المومنین! تشدد ہی اس کا حل ہے!"

عبدالملک نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا، بولا: "ان حالات میں کہ مکے میں ابن
خلافت کے دعویدار ہو چکے ہیں اور کوفے کے آس پاس بھی بغاوتیں ہو رہی ہیں کیا
سختی سے یہ سرکشی اور سازشیں نہ اختیار کریں گے؟"

ابن زنباغ نے کہا: "امیر المومنین! سختی آپ نہیں کریں گے بلکہ میں آپ
ایک ایسا آدمی دیتا ہوں جو سب کو سیدھا کر دے گا!"

عبدالملک نے بےچینی سے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

ابن زنباغ نے جواب دیا: "وہ میرا ماتحت ہے!"

حکم ہوا: "اسے فوراً حاضر کیا جائے!"

ذرا دیر بعد ابن زنباغ نے گندمی مائل کھچڑی داڑھی، بڑے بڑے کان،
جیسی ناک اور چوڑے چکلے درمیانی قد کے ایک شخص کو عبدالملک کے سامنے لا کھڑا
اس کے ہاتھ بھی دوسروں سے زیادہ لمبے تھے۔ کھڑے ہونے پر گھٹنوں کے اوپر تک
پہنچ جاتے تھے۔ عبدالملک نے پہلی نظر میں ہی یہ محسوس کر لیا کہ یہ کوئی غیر معمولی شخص

عبدالملک نے پوچھا: "تیرا کیا نام ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا: "حجاج ابن یوسف!"

"تو کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "بنو ثقیف سے!"

عبدالملک نے کہا: "اگر ہم تجھے اپنی افواج کا افسر اعلیٰ بنا دیں تو کیا تو اسے نظم و ضبط
کا خوگر بنا دے گا؟"

حجاج نے جواب دیا: "امیر المومنین! ماتحت کے سامنے دو باتیں ہوتی ہیں، حکم کی تعمیل
یا موت۔ ان دو کے سوا مجھے کسی تیسری بات کا علم نہیں ہے اور اگر میرا کوئی ماتحت حکم
کی تعمیل نہیں کرتا تو اسے اس بات کا پوری طرح یقین ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے دن
ہو چکے ہیں۔"

عبدالملک اس عجیب و غریب شخص کی باتوں سے ذرا متاثر ہوا۔ پوچھا: "زیادہ
سختی لوگوں کو تمرد اور سرکشی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ تیرے پاس اس کا بھی کوئی حل ہے؟"

حجاج نے جواب دیا: "سازش، سیاست، تمرد اور سرکشی یہ سارے متعدی امراض
ہیں ان پر سختی اور تشدد ہی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔"

عبدالملک نے اسے اپنی افواج کا افسر اعلیٰ بنا دیا۔

حجاج نے نظم ونسق کی بحالی اور سپاہ میں مستعدی پیدا کرنے کے لیے جس ظلم و
شقاوت سے کام لیا۔ اس کا شہرہ جنگل کی آگ کی طرح دور دور پھیلتا چلا گیا۔

لوگ حجاج کی بابت طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے، وہ چند پر مہربانیاں کر کے
اکثریت کو ظلم وتشدد سے دبائے رکھتا اور پھر اکثریت بھی اس کی اطاعت اور فرماں برداری
ہی میں اپنی عافیت سمجھ کر اطاعت اور وفاداری کا دم بھرنے لگتی۔ اس نے بہت جلد سپاہیوں
کے دلوں میں اپنا خوف بٹھا دیا۔

سرسبز و شاداب بھکر میں قیام کیے ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک تجربے
کار اور عقلمند بوڑھے نے حجاج کو ایک انوکھی تدبیر سے زیر کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ یہ
بات بھی جانتا تھا کہ اگر نشانہ خطا کر گیا تو اس کی موت یقینی ہے۔ اس نے بھکر کے شمالی
محلے کی ایک نہایت حسین وجمیل دوشیزہ کا بڑا چرچا سنا تھا، دو دن کی کوششوں کے بعد وہ اسے
دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ واقعی بہت حسین تھی اتنی حسین کہ اس بوڑھے نے اپنی ستر سالہ
زندگی میں اس جیسی کوئی اور لڑکی نہ دیکھی تھی۔ دوشیزہ کا نام ہندہ تھا اور اس کے باپ کا نام
نعمان تھا۔ یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا اور یہاں تجارت کر کے گزر اوقات کر رہا تھا۔
بوڑھے نے سوچا اگر حجاج بن یوسف کا ہندہ سے سامنا کرا دیا جائے اور سنگدل حجاج اس پر
عاشق ہو جائے تو اس کی ساری شقاوت اور ستمگری ہوا ہو جائے گی۔

بوڑھا ڈرتے ڈرتے خیمے کے کھلے راستے سے اندر داخل ہوا تو حجاج کو مضطرب ٹہلتا ہوا
پایا۔ آہٹ پاتے ہی حجاج نے گھوم کر دیکھا اور خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا گرجا: "تو کہاں تھا او
بدبودار عورت کے جنے؟"

بوڑھے کی غیرت جوش کھا گئی۔ ذرا اونچی آواز میں بولا: "سردار! مجھے گالی مت دو!"

حجاج کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ بڑھ کے کوڑے برسانے شروع کر دیے۔ بوڑھا اس مصیبت
کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ اس نے تلوار کے دستے پر جیسے ہی ہاتھ رکھا حجاج نے اس کا ارادہ بھانپ
لیا اور بجلی جیسی سرعت سے کام لے کر اپنی تلوار سے اس کا بازو کاٹ دیا۔ بوڑھا چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔

حجاج چیخ رہا تھا "کیا تو نہیں جانتا کہ اس وقت تو حجاج ثقفی سے باتیں کر رہا
حکم کی تعمیل یا موت کے اصول پر اپنے ماتحتوں سے تعلقات رکھتا ہے!"
بوڑھے نے تڑپتے ہوئے کہا "سردار تو مجھے ہلاک کر دے مجھے کوئی پروا نہیں
جب حسین ترین حوروں جیسی شکل اور غیر معمولی عقل والی ہندہ کسی اور کے قابو میں چلی
گی تب میں تجھے یاد آؤں گا!"

حجاج نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "کون ہندہ؟ کہاں ہے وہ؟ تو اسے کیسے
جانتا ہے؟"

بوڑھے نے نیم بے ہوشی میں جواب دیا "اُساوِرہ نہر کے کنارے اس پری پیکر
حور شمائل کا مکان ہے مجھے اپنی موت یا زخم کا کوئی ملال نہیں لیکن ملال صرف اتنا ہے
ہندہ تیرے لائق تھی سردار مگر تیری لاعلمی کی وجہ سے وہ کسی اور کے تصرف میں
جائے گی!"

حجاج اس پر جھک گیا، بولا "جو کچھ تو کہنا چاہتا ہے سچ سچ بتا دے!"
بوڑھے کے کٹے ہوئے بازو سے خون کی دھار کسی پُر شور چشمے کی طرح اُبل رہی
بوڑھا نیم بے ہوشی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا "اُساوِرہ نہر کے
نعمان تاجر۔ اس کی بیٹی ہندہ۔ نہایت حسین، پری صورت، حور سیرت، رسا اور طباع
کی مالک...... پھر بے ہوشی میں بوڑھے کا تحت الشعور بڑبڑایا "ایک ایسا فتنہ
تیرے سارے کس بل نکال دے گا!"

حجاج نے ساری باتیں ذہن میں محفوظ کر لیں۔ اس کے بعد اس نے ایک بار
جھک کر بوڑھے کی حالت کا جائزہ لیا اور یہ کہتا ہوا سیدھا ہو گیا "غالباً اب تجھے
رہنے کا کوئی حق نہیں!" اس کے بعد اس کا تلوار والا ہاتھ ایک بار پھر فضا میں بلند
اور بوڑھے کی گردن کٹ کر ایک طرف جا گری۔ بوڑھے کا لاشہ پھڑکنے لگا۔
پھر حجاج نے تالی بجائی جس کے جواب میں کئی خدمت گار حاضر
حجاج نے انہیں حکم دیا "اس ملعون کی لاش دجلہ کے حوالے کر دی
غلاموں نے لاش سمیٹ لی اور اسے دریائے دجلہ میں پھینک کر واپس آ
حجاج اپنے خیمے میں دیر تک ہندہ کی بابت سوچتا رہا۔ سینے میں ایک
بھٹی جل رہی تھی جو اسے ہندہ تک پہنچنے اور اسے دیکھنے پر آمادہ کر رہی تھی
سہ پہر کو اس نے گھوڑا ران تلے دبایا اور نہر اُساوِرہ کے کنارے ہند

کی تلاش میں نکل گیا۔ بڑی دشواری سے ہندہ کا گھر ملا۔ اسے یہ مکان بہت پسند آیا
بنانے والے نے اسے اس طرح بنوایا تھا کہ اس کے بالکل سامنے نہر اُساوِرہ بہہ
رہی تھی اور مکان کا پچھلا حصہ نہر پر جھکا ہوا تھا۔
وہ جس منصب اور مرتبے کا آدمی تھا۔ اس میں اسے یہ قطعی زیب نہ دیتا تھا
کہ کسی گنوار کی طرح وہ ہندہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگتا۔ اس نے ترکش سے ایک
تیر نکال کر مکان میں اُچھال دیا اور پھر ہندہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ ذرا دیر
بعد دروازے کی آڑ سے ایک حسین چہرہ نمودار ہوا اور نہایت شیریں آواز کانوں
میں رس گھولتی دل میں اُترتی چلی گئی "تم کون ہو؟ کس سے ملنا ہے؟"
حجاج نے جواب دیا "میں امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی فوج کا ایک
سپاہی ہوں میرا ایک تیر تمہارے مکان میں کہیں آ گرا ہے اگر تم اجازت دو تو
میں اسے تلاش کر لوں!"
ذہین اور حاضر جواب لڑکی نے برجستہ سوال کیا "کونسا تیر؟ اگر تیرے جوبی تیر
کی نوک میں تیرے جیسی انی لگی ہے تو تو میرے گھر میں داخل ہو کر بشوق اسے تلاش کر
سکتا ہے لیکن اگر تیر سے تیری مراد وہ تیر ہے جس کی نوک پر تیری ہوس کی انی لگی ہوئی ہے
تو اندر آنے کی کوئی ضرورت نہیں!"
حجاج اس کی لسانی کا شکار ہو گیا لیکن بگڑ کر بولا "زیادہ باتیں نہ بنا لڑکی، ہم
سپاہی شاعری کی زبان میں باتیں نہیں کرتے!"
ہندہ ہٹ گئی اور حجاج اندر داخل ہو گیا۔ وہ ادھر اُدھر گھوم پھر کر اپنا تیر تلاش
کرنے لگا۔ ہندہ اس کے سامنے کھڑی اس غیر معمولی انسان کو گھورتی رہی۔ حجاج نے
اسے کئی بار غور سے دیکھا اسے ایسا لگا جیسے بابل و نینوا کی اشتار (زہرہ) ہندہ کی
شکل میں اس کی سنگ دلی کا امتحان لینے کو آسمان سے اتر آئی ہے۔ خلیج فارس کی راہ سے
آنے والا ہندوستان کا سُرخ ریشمی کپڑا ہندہ کو بیر بہوٹی بنائے ہوئے تھا۔ کنگھی سے بے نیاز
بڑے بڑے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے کا گلابی رنگ حیا کی سُرخی سے کچھ زیادہ
گہرا ہو گیا تھا۔
حجاج نے سوال کیا "لڑکی تیرا نام کیا ہے؟"
ہندہ نے ترشی سے جواب دیا "سپاہی! اپنا کام کر اور گھر کی راہ لے۔"
حجاج تلملا گیا "تیرا باپ کیا کرتا ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا "آخر تو یہ ساری باتیں کیوں کر رہا ہے؟ اپنا تیر تلاش کر اور باہر نکل!"

"او بد زبان لڑکی!" حجاج غصے میں بولا "تو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں، اگر جانتی تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتی!"

ہندہ نے اس کے غصے کی پروا کیے بغیر غصے میں کہا "تو کوئی بھی ہو مجھے اس سے کیا۔ ظاہر ہے تو امیر المومنین یا حجاج ابن یوسف تو نہیں ہو سکتا، ان دونوں کے سوا تو کوئی بھی ہو، میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی!"

حجاج نے اس کے منہ سے اپنا نام سن کر بڑی خوشی محسوس کی۔ پوچھا "تو حجاج کو جانتی ہے؟"

"یہ پوچھ کہ اسے کون نہیں جانتا۔ طائف کے بنو ثقیف کا شیطان، آج اتنا ہی مشہور ہے جتنا فرشتوں کا معلم الملکوت۔"

حجاج خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اس نے اپنا تیر تلاش کر لیا اور واپس جاتا ہوا بولا "لڑکی تو نے ہمیں اپنا نام نہیں بتلایا۔ خیر کوئی بات نہیں، لیکن یہ تو بتا کیا ہم کبھی دوبارہ بھی یہاں آ سکتے ہیں؟"

"کوئی ضرورت نہیں" لڑکی نے جواب دیا "مجھے تو تو امیر المومنین کی فوج کا کوئی بھگوڑا معلوم ہوتا ہے!"

حجاج کو لفظ بھگوڑے پر ایسا غصہ چڑھا کہ اگر وہ ضبط و احتیاط سے کام نہ لیتا تو اس وقت ہندہ کے بال اس کے ہاتھ میں ہوتے اور وہ اس کی اتنی پٹائی کرتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی!

حجاج وہاں سے چلا آیا لیکن ہندہ کی صاف گوئی اور اس کا بھولا بھالا حسن اپنا کام کر چکا تھا۔

حجاج نے کئی بار یہ کوشش کی کہ ہندہ کو اپنے دل سے نکال دے لیکن ناکام رہا وہ اسے جتنی بھول جانے کی کوشش کرتا۔ ہندہ اتنی ہی شدت سے اسے یاد آتی۔

بصرے میں اپنا کام ختم کر کے عبدالملک واپس جانے والا تھا۔ حجاج کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ ہندہ کے معاملے میں کیا روش اختیار کرے۔ بے بسی

اور مجبوری کے نام تک سے اسے چڑ تھی۔ اسے تو بس ایک بات آتی تھی وہ یہ کہ اس کی جو خواہش ہے اسے کسی نہ کسی طرح پورا ہونا چاہیے۔ اسے عقیدے کی حد تک یقین تھا کہ دنیا کی ہر شے طاقت کی تابع ہے۔ دنیا کا ہر کام ممکن ہے بشرطیکہ تکمیل کے لیے اس کی مطلوبہ متقاضی طاقت مہیا کر دی جائے۔

رات کو وہ طلایہ گردی کا معائنہ کر رہا تھا کیونکہ خارجیوں کے دستے ادھر ادھر سے اچانک نمودار ہو کر قتل و غارت کر کے فرار ہو جاتے تھے۔ بارھویں کا چاند سر پر تھا اور اس کی چاندنی میں کھجوروں کے درخت اس طرح کھڑے تھے جیسے وہ بھی چاندنی کے رومانی کیف میں مبتلا کسی کی محبت میں سرشار گم سم ہوں۔ طلایہ گرد دستہ اس کے خوف سے مستعد اور چوکس افواج کے گرد نگرانی اور حفاظت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ چند سپاہی نیند میں بوجھل شرابیوں کی طرح جھکتے ہوئے ملے تو حجاج نے ڈنڈے سے پٹائی کر دی۔ ادھر سے فارغ ہو کر اس نے ایک سپاہی ساتھ لیا اور ہندہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ نہر کے کنارے کنارے کھجوروں کے سائے میں گھوڑا دوڑاتا وہ ہندہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر سپاہی کو حکم دیا "تو اپنے گھوڑے کے ساتھ میرے گھوڑے کی لگام بھی پکڑ لے میں ابھی آتا ہوں!"

حجاج ہندہ کے دروازے پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر دروازے پر دستک دی، کچھ دیر بعد اندر مشعل ہاتھ میں تھامے کوئی آتا ہوا نظر آیا۔ بوسیدہ دروازے کے کئی چھوٹے چھوٹے شگاف اندر کی پردہ دری کر رہے تھے۔ آنے والا دروازے پر آ کر رک گیا اور پھر ایک ضعیف اور نحیف آواز سنائی دی "کون؟ تو کہاں سے آیا ہے اور کس سے ملنا ہے؟"

حجاج نے درشت لہجے میں کہا "شامت زدہ بوڑھے! دروازہ کھول!"

اندر سے جواب ملا "جب تک میں تیری طرف سے مطمئن نہ ہو جاؤں گھر کے دروازے کس طرح کھول سکتا ہوں!"

حجاج نے تحکمانہ کہا "شاید تیری شامت ہی آگئی ہے جو خواہ مخواہ بحث میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ میں امیر المومنین عبدالملک کی فوج کا ایک سردار ہوں!"

دروازہ فوراً کھل گیا، حجاج نے بوڑھے کے پیچھے ہندہ کو بھی کھڑے دیکھا کرخت چہرے پر مسکراہٹ یوں نمودار ہوئی جیسے سنگلاخ چٹان پر چودھویں کی چاندنی پھیل جائے۔

ہندہ نے تنکتا کہا! "یہی وہ شخص ہے جو اپنے تیر کی تلاش کے

بہانے گھر میں گھس آیا تھا۔ مجھے یہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگتا!"

حجاج نے سنی ان سنی کرتے ہوئے حاکمانہ انداز میں کہا: "تم دونوں نہایت بداخلاق ہو۔ اپنے مہمان کو کہیں بٹھاتے بھی نہیں۔ میں یہاں دروازے پر کھڑے کھڑے باتیں کرنے کا بالکل عادی نہیں ہوں!"

بوڑھے نے نرمی سے کہا: "میں ہندہ کا باپ ہوں تو کون ہے؟ میں نہیں جانتا۔ تو خود کو امیرالمومنین کی فوج کا سردار کہتا تو ممکن ہے تو سچ ہی کہہ رہا ہو لیکن یہ تو بتا تو ہم سے آخر چاہتا کیا ہے؟"

حجاج نے جواب دیا: "پہلے کسی اچھی سی جگہ بٹھا کر نبیذ وغیرہ سے میری تواضع تو کرو۔ اس کے بعد مطلب کی باتیں بھی ہو جائیں گی!"

بوڑھے کو ایسے ڈھیٹ مہمان سے کبھی کا ہے کو واسطہ پڑا ہوگا۔

حجاج کے لب و لہجے سے وہ خوفزدہ ضرور ہوا۔ بولا: "بھائی! میں ایک غریب تاجر ہوں اور میرے گھر میں تمہارے شایان شان کوئی جگہ بھی نہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہیں بات چیت کر کے اپنا راستہ لو اور مجھے زیادہ پریشان نہ کرو!"

حجاج نے بوڑھے کو اندر کی طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا: "کیا تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ امیرالمومنین کو سپاہیوں کی ضرورت ہے اور تو تاجر بنا بیٹھا ہے۔ کل صبح تمہارے پاس فوج میں حاضری دینی ہے!"

بوڑھے نے مجبور ہو کر حجاج کو ایک پرتکلف کمرے میں بٹھایا۔ وہ حجاج کی آخری بات سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کے ضعیف اعضا سپہ گری کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ حجاج نے بیٹھتے ہی کہا: "میں چاہتا تھا کہ تجھے کام کا آدمی بنا دوں لیکن تو جوانی اور توانائی کے ساتھ ہی عقل بھی گنوا چکا ہے!"

ہندہ اب تک خاموش رہی تھی۔ اس سے اپنے باپ کی بے بسی نہ دیکھی گئی۔ ذرا سختی سے بولی: "تو خود عقل گنوا چکا ہے کہ تجھے یہ بھی نہیں معلوم ایک بوڑھے بزرگ سے کس طرح کلام کرنا چاہیے۔ اگر میرا باپ فوجی خدمات انجام دینے تیری فوج میں چلا جائے گا تو یہاں میری دیکھ بھال کون کرے گا؟"

حجاج نے پوچھا: "تیری ماں کہاں ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا: "اللہ کو پیاری ہو چکی!"

بوڑھے نے سہمے لہجے میں کہا: "اگر امیرالمومنین حکم دیں گے تو میں فوجی خدمات انجام دینے حاضر ہو جاؤں گا!"

حجاج نے سخت لہجے میں کہا: "امیرالمومنین تجھ حقیر تاجر سے خود تو باتیں کرنے سے رہے۔ انہوں نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔ میں جو کہوں گا اس میں زبان تو میری ہوگی لیکن فرمان امیرالمومنین کا ہوگا!"

بوڑھا بے بسی سے حجاج کی صورت دیکھنے لگا۔

ہندہ نے بیزاری سے کہا: "تجھے جو کچھ کہنا ہے فوراً کہہ دے۔ میں کچھ کچھ تیرا مطلب سمجھ رہی ہوں!"

حجاج نے ہندہ کو ڈانٹا۔ پھر اس کے باپ سے مخاطب ہوا: "بوڑھے یہودی! میری باتیں ذرا غور سے سن!"

بوڑھے کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ لفظ یہودی اس کے لئے گالی سے کم نہ تھا۔ اس نے شکایتاً کہا: "سردار! مجھے یہودی کہہ کر ذلیل نہ کرو۔ میں مسلمان ہوں!"

حجاج نے کہا: "تو تاجر ہے اسی لئے میں نے تجھے یہودی کہا۔ امیرالمومنین کو مجاہدوں کی ضرورت ہے اور تو جہاد سے جان چرا رہا ہے۔ ٹھہر جا میں تیری ساری سستی دور کر دوں گا!"

بوڑھا تو اس جیالے انسان سے عاجز آ چکا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔

ہندہ دوسرے کمرے میں جانے لگی تو حجاج نے اسے روکا۔ بولا: "ٹھہر جا لڑکی! کیا میں تیرے باپ سے ملنے آیا ہوں؟ ہرگز نہیں!" پھر اس کے باپ سے کہا: "کیا تیری لڑکی کو کوئی مناسب رشتہ ملا؟"

بوڑھے نے جواب دیا: "ابھی نہیں۔ اس سلسلے میں فکر مند ہو رہا ہوں!"

حجاج نے کہا: "تو پھر مبارک ہو کہ تیری یہ فکر اب دور ہو جائے گی!"

"وہ کس طرح؟" بوڑھا حیرت سے اس کی صورت تک رہا تھا۔

"مجھے تیری بیٹی پسند آ گئی ہے تو اسے میری زوجیت میں دے دے!"

ہندہ نے نفرت سے منہ بنایا۔ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف جاتی ہوئی بولی: "تیرے مقابلے میں اساورہ کی آغوش زیادہ اچھی ہے خبیث انسان!"

حجاج نے بوڑھے سے کہا: "تجھے میری بات کا فوراً جواب دے کیونکہ

باہر میرا گھوڑا کھڑے کھڑے تھک رہا ہو گا!"

بوڑھے نے جواب دیا "مجھے غور کرنے کا کچھ موقع دو!"

حجاج کھڑا ہو گیا۔ بولا "میں نے جو کہہ دیا وہی ہو گا!"

وہ دروازے کی طرف بڑھا' باہر نکلنے سے پہلے مڑا' بوڑھا ہاتھ میں مشعل لیے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

حجاج ایک لمحے کے لئے رکا اور متکبرانہ شان سے بولا "اور ہاں اب جب میں سارا معاملہ طے کر چکا ہوں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنا تعارف بھی کرا دوں' کل صبح جب تم فوج میں پہنچنا تو وہاں کسی سے بھی حجاج ابن یوسف ثقفی کا پتہ پوچھ لینا!"

بوڑھے کے ہاتھ سے مشعل گر گئی۔

حجاج باہر نکل گیا۔ اس کا ساتھی کھڑے کھڑے پریشان ہو گیا تھا۔ حجاج کے سایے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ پوری طرح چاق و چوبند ہو گیا۔ حجاج نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اچک کر اس کی پشت پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھی نے اس کی تقلید کی۔ حجاج اپنے گھوڑے کو تھپکاتا ہوا ہندہ کے مکان کی طرف لے آیا اور اچٹتی نظروں سے در و دیوار پر نظر ڈالی وہاں دو سایے اس کی طرف نظریں جمائے دیکھ رہے تھے اس نے سمجھ لیا کہ ان میں سے ایک تو خود ہندہ ہے اور دوسرا اس کا باپ۔

دوسرے دن عبدالملک نے کوچ کا حکم دیا خیمے اکھڑنے لگے۔ میدان میں دُور دُور تک جلی ہوئی لکڑیوں کے کالے کالے نشانات اور راکھ کے ڈھیر پھیلے ہوئے تھے۔ حجاج تمام فوجیوں کو فوراً تیار ہو جانے کا حکم دیتا پھر رہا تھا۔

بالکل صبح فجر کے بعد ایک سپاہی ہندہ کے باپ کو دونوں شانوں سے پکڑ کر حجاج کے روبرو پہنچا۔ اب یہاں کا تو نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ حجاج بن یوسف شاہانہ انداز میں گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہندہ کا باپ لعمان خوفزدہ تو پہلے ہی تھا اب کچھ زیادہ دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ آتے ہی ادب سے حجاج کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ بولا "جناب! میں عسکری خدمات کے لئے حاضر ہوں میرے لئے کیا حکم ہے"

حجاج نے ڈنڈا سنبھالا۔ پوچھا "میری رات والی بات کا کیا جواب لایا؟"

بوڑھے نے مایوسی سے کہا "سردار! میں تو تیار تھا لیکن ہندہ تیار نہیں ہو وہ معلوم نہیں کیوں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی!"

حجاج نے کہا "اس کی پسند!!" پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔ بولا "پسند اور ناپسند کا اختیار تو تجھے ہے اس ناسمجھ چھوکری کو کیا پتہ کہ میں کیا ہوں اور وہ کس بلند پایہ شخص کی بیوی بننے والی ہے!"

بوڑھے لعمان نے کہا "میرے لئے کیا حکم ہے؟"

حجاج نے جواب دیا "تیرے لئے کوئی حکم نہیں تو ہمارے کام کا نہیں ہے جو شخص اپنی لڑکی کو قابو میں نہ رکھ سکے وہ خطرناک دشمن کا مقابلہ کیا کرے گا۔ جا اپنے گھر جا اور اگر ہو سکے تو اس وقت تک ہندہ کی حفاظت کر جب تک میں دوبارہ یہاں نہ آجاؤں اس سے کہہ دینا کہ تو مہر میں جتنی رقم بھی چاہے مجھ سے طلب کر سکتی ہے۔"

لعمان نے جواب دیا "از روئے شریعت وہ بالغ ہے اور کسی بالغ کے معاملے میں کوئی کس طرح مداخلت کر سکتا ہے!"

"کچھ بھی نہیں بس چپ رہ اور زیادہ باتیں نہ بنا۔ میرا آخری فیصلہ بھی سن لے میرے جانے کے بعد تو ہندہ کو میری امانت سمجھے گا۔ اور اس کی حفاظت کرے گا۔ تیری حقیقی پیش نظر میں اپنا ایک آدمی بھی یہیں چھوڑے جا رہا ہوں' وہ مجھے دم بدم کی خبریں دیتا رہے گا۔ تو واپس جا اور اپنی خود سر لڑکی کی حفاظت کرتا رہ!"

لعمان فوراً واپس چلا گیا۔

عبدالملک کی سواری آگے نکل گئی۔ اور حجاج کے دستے فوج بھی اس کے ساتھ ساتھ کوچ کے لئے تیار ہو گئی۔

فوج کا وہ حصہ جو حجاج ابن یوسف کے محسن اور سابق آقا روح بن زنباع کی ماتحتی میں تھا اب بھی ناؤ و نوش میں لگا ہوا تھا۔ ابن زنباع کے ماتحت حجاج سے زیادہ خوفزدہ نہیں تھے کیونکہ وہ سب کچھ دنوں پہلے تک حجاج کے ساتھی تھے اور ان کا آقا ابن زنباع حجاج کا محسن تھا۔

حجاج ٹہلتا ہوا ان خوش خوراکوں اور خوش فعلیاں کرنے والوں کے پاس پہنچ گیا ان سب نے حجاج کو دیکھتے ہی ہنسنا شروع کر دیا۔ حجاج نے کہا "ملعونو! امیر المومنین کوچ کر چکے ہیں اور تم ہو کہ ابھی تک کھانے پینے ہی میں لگے ہوئے ہو!"

کسی منچلے شریر نے حجاج کا مذاق اڑایا۔ زور سے بولا "او بد روح کے بچے! دور کھڑا اکڑ کیوں رہا ہے ادھر آ تو بھی اس ناؤ و نوش میں شریک ہو جا!"

حجاج کے لئے اب قابل برداشت بات نہ رہی تھی، فوراً فوج میں گیا اور چنے

ہوئے بہادروں کی ایک جماعت لے کر ابن زنباغ کے مسکنوں میں واپس آ گیا۔ سامنے ہی ابن زنباغ کا شاندار خیمہ ایستادہ تھا۔ حجاج نے ابن زنباغ کے ایک سپاہی سے پوچھا

"تمہارا سردار کہاں ہے؟"

اس نے کھجور کی گٹھلیاں اگلتے اور کھجور کی جگالی کرتے ہوئے جواب دیا: "وہ ہمارا ہی سردار نہیں بلکہ تیرا بھی ہے۔ تجھے اس مرتبے تک اسی نے تو پہنچایا ہے۔ زیادہ ٹر ٹر کرے گا تو ابھی اس سے تیری شکایت کر کے معزول کرا دوں گا!"

حجاج نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: "ان سب پر تشدد کیا جائے اور جو مزاحمت یا مقابلہ کرے اسے قتل کر دیا جائے۔" اس کے بعد وہ چند نوجوانوں کو لے کر ابن زنباغ کے خیمے پر حملہ آور ہو گیا۔ نہایت پرجوش اور بلند آواز میں حکم دیا: "اس خیمے کو لوٹ کر اس سردار کی یہی سزا ہے۔ یہی تو ہے وہ شخص جس کے بل بوتے پر اس کے ذلیل آدمی ہماری بے عزتی کر رہے ہیں اور اسی شخص کی ڈھیل اور سستی کا نتیجہ ہے کہ اس کی ماتحت فوج امیر المومنین کے کوچ فرما جانے کے بعد بھی ڈیرہ ڈالے پڑی ہے!"

شور و غل کی آواز سن کر ابن زنباغ باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے جو منظر دیکھا اس نے ابن زنباغ کے ہوش اڑا دیئے۔ اس کی سپاہ حجاج کے شوریدہ پشتیوں کے ہاتھوں پٹ رہی تھی۔ ان کے خیمے نذر آتش کئے جا رہے تھے اور خود ابن زنباغ کے خیمے کو تباہ و برباد کیا جا رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس کا سارا سامان لٹ گیا۔ ابن زنباغ کے چند غلام مقابلے میں نکلے لیکن انہیں حملہ آور ہونے یا دفاعی قدم اٹھانے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔

ابن زنباغ غصے میں حجاج کی طرف بڑھا اور طیش میں بولا: "او ظالم احسان فراموش! یہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس کے نتائج بہت برے نکلیں گے!"

حجاج ڈنڈا لے کر اس پر حملہ آور ہو گیا اور کئی زور دار ڈنڈے رسید کر دیئے۔ ابن زنباغ بے دم ہو کر گر گیا۔ حجاج نے شیر کی طرح گرج کر کہا: "احسان فراموش تو ہے کہ امیر المومنین کے احسانات کا یوں بدلہ چکا رہا ہے کہ تو اور تیرے آدمی امیر المومنین کی سواری کے آس پاس چلنے کے بجائے کاہل بنے ناؤ نوش میں مشغول ہیں۔ ظالم تو ہے کہ امیر المومنین کی نوازشات اور عنایات کا احسان تک نہیں مانتا اور اپنے ناپاک اور آرام طلب نفس کی ذلیل خواہشات پر اس کی اطاعت کو قربان کر دیا ہے!"

اس معرکے میں کتنے ہی آدمی قتل کر دیئے گئے۔ بہتوں کے ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے۔ کسی کا سر پھٹ گیا کسی کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ جلے ہوئے خیموں کی قطاریں بڑا

یک اور المناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ ان خیموں کا لوٹا ہوا سامان حجاج کے سپاہی اپنے قابو میں کر چکے تھے۔

ابن زنباغ نے پوچھا: "امیر المومنین کہاں ہیں؟"

"کیوں ان سے کیا کام آ پڑا؟"

ابن زنباغ نے جواب کا انتظار بھی نہ کیا اور ایک گھوڑے کو ران تلے دبا کر عبدالملک کے پاس روانہ ہو گیا۔

کافی دیر بعد جب حجاج اپنی اور ابن زنباغ کی زخمی اور تباہ حال سپاہ کے ساتھ عبدالملک کے مستقر میں داخل ہوا تو اس کے ایک فوجی سردار نے اسے مطلع کیا: "آپ کو امیر المومنین یاد فرما رہے ہیں!"

وہ دندناتا عبدالملک کے پاس چلا گیا۔ شاہی خیمے کے باہر ابن زنباغ کا چتکبرا گھوڑا بار بار دم ہلا رہا تھا اور جھرجھریاں لے کر پیر پٹک رہا تھا۔ ان جھرجھریوں کا زیادہ زور ایال والے حصے پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔

عبدالملک کے ایک خدمت گار نے اسے اندر تک پہنچا دیا۔ عبدالملک بہت برہم بیٹھا تھا اور اس کے سامنے زخمی ابن زنباغ گردن جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ اس کا لبادہ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور زمین پر گرنے اور گھسٹنے کے باعث پسینے کی نمی نے مٹی کے داغوں کو بہت گہرا کر دیا تھا۔ لہولہان پیشانی کا خون رخساروں سے گزر کر داڑھی اور سینے کو تر کرتا ہوا قدموں میں جمع ہو رہا تھا۔

عبدالملک کی قاہرانہ نظریں حجاج کی طرف اٹھیں اور گرجدار آواز گونجی: "او وائے عتاب خداوندی! یہ تو نے کیا کیا؟"

حجاج نے معصومیت سے پوچھا: "کیا امیر المومنین؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا!"

عبدالملک نے حیرت سے پوچھا: "ابن زنباغ کا یہ حال تو نے نہیں تو کس نے کیا؟"

حجاج نے جواب دیا: "امیر المومنین! ابن زنباغ کی جو درگت بنی ہے خود امیر المومنین کے ہاتھوں بنی ہے!"

اس عجیب و غریب جواب پر عبدالملک اور ابن زنباغ ایک ساتھ چونکے۔ عبدالملک نے کہا: "کیوں جھوٹ بولتا ہے؟"

حجاج نے جواب دیا "امیرالمومنین نے مجھے اپنی افواج کا سردار بنایا ہے
مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس میں نظم و نسق قائم کروں!" اس کے بعد اس نے
تفصیل عبدالملک کے روبرو بیان کر دی۔ آخر میں بولا "ان دلائل اور واقعات
کی روشنی میں یہ طے ہو جاتا ہے کہ امیرالمومنین کی تائید میں جو اقدام بھی کروں گا وہ
خود امیرالمومنین کا اقدام ہو گا۔ میں نظم و نسق کی بحالی اور قیام کی خاطر جو تشدد
بھی کروں گا وہ امیرالمومنین کی جانب سے ہو گا!"

عبدالملک حجاج کے جواب سے بہت خوش ہوا اور ابن زنباغ کا اترا ہوا
مغموم چہرہ اور زیادہ ستّ گیا اور زیادہ مُرجھا گیا۔

عبدالملک نے فکرمند لہجے میں کہا "لیکن ابن زنباغ کو جو نقصان پہنچا ہے
اس کے لئے کیا کیا جائے؟"

حجاج نے جواب دیا "امیرالمومنین کے قبضہ و اختیار میں بہت کچھ ہے جو
ہاتھ خیموں کو جلا کر خاکستر کر سکتا ہے وہ اتنے ہی خیمے انعام میں بخش بھی سکتا ہے
جو ہاتھ ابن زنباغ جیسے نافرمان اور جاہل کے خطاکار غلاموں اور سپاہیوں کو
نظم و نسق کی بحالی کی خاطر قتل کر سکتا ہے وہ اسے ان سے زیادہ تعداد میں فراہم
بھی کر سکتا ہے۔"

عبدالملک نے تالی بجائی۔ کئی حبشی غلام اور خوبصورت کنیزیں خیمے میں
حاضر ہو گئیں۔

عبدالملک نے حکم دیا "حاجب سے کہو ابن زنباغ کے نقصانات کا جائزہ
کرے اور نقصانات کا مالی تخمینہ لگا کر اس کی دوگنی رقم دے کر اس فضول مقدمے
کو ختم کرے!"

حبشی غلام فوراً جدھر سے آئے تھے اسی طرف غائب ہو گئے۔

عبدالملک نے ابن زنباغ کو سرزنش کی "ابن زنباغ! اس بار تو تجھے معاف
کیا جا رہا ہے لیکن اگر تو نے یا تیرے آدمیوں نے پھر کبھی اس تساہل اور سستی کا
اظہار کیا تو مجھے یقین ہے کہ بنو ثقیف کا یہ شیطان تجھے ہرگز نہ معاف کرے گا اور
اب میرے پاس اس نوع کا کوئی دوسرا مقدمہ لانے کی ہمت بھی نہ کرنا۔"

ابن زنباغ کے واقعے نے حجاج ابن یوسف کی ایک خاص شخصیت عبدالملک
کے سامنے عیاں کر دی۔ اس نے حجاج کے مرتبے میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ اور بخشش

و انعام و اکرام سے بھی نواز دیا۔

قسمت قدم قدم پر حجاج کا ساتھ دے رہی تھی اور موقع شناس اور زیادہ
سے زیادہ اختیارات اور اقتدار پر بھی قناعت نہ کرنے والا حجاج ہندہ کے معاملے میں
بے بس ثابت ہوا تھا جس نے ابن زنباغ اور اس کے ماتحتوں کے عبرتناک حشر سے
بڑے بڑے سرکشوں کو لرزہ براندام کر دیا تھا وہ ایک معمولی تاجر کی بیٹی ہندہ کو ذرا
مرعوب نہ کر سکا تھا۔ وہ فرائض منصبی کی بجا آوری کے دوران ہندہ کی تسخیر کی بات
سوچتا تھا اس کے لئے بظاہر یہ کام اتنا دشوار نہ تھا۔ وہ چاہتا تو ہندہ کو
زبردستی اٹھوا لیتا لیکن ایسا کرنے میں دو خیال مانع تھے ایک تو یہ کہ آہستہ آہستہ
جس اقتدار کو حاصل کرنے کی فکر میں تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندہ جیسا کوئی
معمولی سا واقعہ سنگ گراں بن کر بیچ میں آ گرے دوسرے یہ کہ ہندہ کی محبت نے اس
کا دل گداز کر دیا تھا۔ اور وہ ہندہ کے معاملے میں اسے جبر و زیادتی سے منع کرتا
رہتا تھا۔

دوسری طرف بصرے میں حجاج کے خوف نے ہندہ کے باپ نعمان کا بڑا برا
حال کر رکھا تھا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ بصرہ چھوڑ کر کسی دور دراز علاقے میں
چلا جائے اور بقیہ زندگی گمنامی میں گزار دے لیکن حجاج بن یوسف کا آدمی سائے
کی طرح اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

خوفزدہ ہندہ بھی تھی لیکن وہ زیادہ پریشان نہیں تھی اسے حجاج پر رہ
رہ کر غصہ آتا اور وہ اپنی مجبوری کی حدود میں بھی ایسے ایسے خیالی منصوبے بناتی
کہ اگر انہیں کسی اور پر ظاہر کیا جاتا تو اس کا ہنستے ہنستے برا حال ہو جاتا۔ کبھی
وہ سوچتی حجاج سے شادی کر لینی چاہئے۔ اور زہر میں بجھا ہوا خنجر ساتھ رکھ کر پہلی
ملاقات کی رات کو اس کا قصہ پاک کر دینا چاہئے لیکن جب اس کے دوسرے پہلو پر غور
کرتی تو اپنی ہزیمت کا امکان بھی دکھائی دینے لگتا کیونکہ حجاج جیسا چالاک
اور عیار شادی کے بعد ملاقات سے پہلے اس کی تلاشی بھی لے سکتا تھا اور تلاشی
کے بعد جب زہر میں بجھا خنجر نکلے گا تو یہ ظالم خود اس پر اور اس کے بوڑھے باپ
نعمان پر جیسا ظلم ڈھائے گا اس کا بھی اسے خوب اندازہ تھا۔ کبھی سوچتی حجاج
کی شکایت لے کر عبدالملک کے پاس پہنچنا چاہئے لیکن اس وقت تک ابن زنباغ

کا واقعہ اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ حجاج کے مخالفین عبدالملک سے حجاج کے خلاف انصاف پانے سے مایوس ہو گئے تھے۔ ان مایوسیوں کی تاریک فضا میں امید کی ایک ایسی شعاع بھی موجود تھی جو ناقص عقل کے تھک ہار جانے پر عموماً دل کے ایک گوشے سے طلوع ہو کر طمانیت کا سبب بنتی ہے اور مایوس انسان ناامیدی کا بھاری پتھر بآسانی اٹھا لیتا ہے۔ یہ شعاع اس امید کی تھی جو کسی معجزے یا کرامت کی شکل میں کسی کوشش کے بغیر غیب سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر رو رو کر خدا سے حجاج کے ظلم و شقاوت سے نجات کی دعائیں مانگیں۔ اس کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے بھیگ جاتی اور بہت سارے آنسو بہا چکنے کے بعد جب اس کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہو جاتا تو وہ یہ خیال کرنے لگتی کہ اس کی دعائیں اب باب اجابت کو پہنچ چکی ہیں اور اب کچھ نہ کچھ غیب سے اس کی اعانت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ یہ دعائیں بھی مانگتی کہ خدا حجاج کو کسی مہم پر بھیج دے جہاں سے واپسی نصیب نہ ہو لیکن یہ ساری دعائیں تو ایک طرف رہیں، حجاج ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

اسی دوران حجاج نے ایک اپنا ہی جیسا سخت مزاج قاصد بصرے بھیجا۔ وہ بوڑھے نعمان کے نام ایک سخت خط لے کر آیا تھا۔ یہ شخص اساورہ نہر کے کنارے کنارے چل کر ہندہ کے گھر پہنچ گیا۔ حقیقت حال سے آگاہ ہوتے ہی نعمان نے اس کی شاندار پذیرائی کی۔ اس نے حجاج کا خط دیتے ہوئے نعمان کو پیغام زبانی درشت لہجے میں سنایا۔

"میرے ولی نعمت حجاج نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ اگر تم نے ان معاملات کی بھنک بھی امیرالمومنین کے کانوں تک پہنچائی تو وہ بنفس نفیس تادیب کو تشریف لائیں گے۔ وہ خدا کے قہر کی ایسی تلوار ہیں جس سے دنیا کے کسی گوشے میں بھی پناہ نہیں۔ حجاج کا ہاتھ اتنا دراز ہے کہ وہ ہر کہیں پہنچ سکتا ہے۔"

نعمان نے سردی کی کپکپاہٹ میں حجاج کا زبانی پیغام سنا اور پھر اس کا خط پڑھنے لگا۔ یہ ایک عجیب خط تھا جس سے لکھنے والے کی عجیب و غریب طبیعت کا عجیب سا اندازہ ہوتا تھا۔

قبیلہ بنو ثقیف کے سب سے زیادہ سخت خو حجاج ابن یوسف کے پتھر جیسے دل میں محبت کی تخم ریزی کرنے والی حور شمائل حسینہ ہندہ کے قابل احترام باپ نعمان کے نام! بصرے سے آ جانے کے بعد میں اکثر تم دونوں کی بابت سوچتا رہا ہوں۔ تم ہندہ کے باپ ہو اس لئے مجھ سے بھی اپنے عزت و احترام کا حق رکھتے ہو۔ میں ہندہ کو اپنی دلہن بنانے

کا اٹل فیصلہ کر چکا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنی دامادی کے شرف سے سرفراز کروں۔ وہ دن دور نہیں جب لوگ تمہیں بھی ادب و احترام کی نظر سے دیکھیں اور تم جدھر سے بھی گزرو لوگ رعب اور احترام سے تمہارے روبرو اپنے سر جھکا دیں۔ میں تم پر اپنے الطاف و عنایات کی بارشیں کرنا چاہتا ہوں۔ واللہ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی بیٹی ہندہ کے ساتھ مودبانہ میری طرف بڑھو اور جس عزت و شرف سے میں تمہیں نوازنا چاہتا ہوں اسے حاصل کرو۔ آج مملکت اسلامیہ میں امیرالمومنین عبدالملک کے بعد مجھ سے بڑا کوئی شخص بھی نہیں۔ تمہیں اللہ نے یہ موقع عطا کیا ہے کہ تم ہندہ کے وسیلے سے مجھ سے بھی برتر حیثیت حاصل کر لو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر تم نے ہندہ کو میری زوجیت میں دے دیا تو میں تمہیں خلافت کی طرف سے کسی بہت بڑی تجارت کا مالک بنا دوں گا۔

لیکن اگر تیرا جواب نفی میں نکلا تو او ذلیل تاجر اور سود و زیاں کے پیمانے سے زندگی کو ناپنے والے بوڑھے خبیث! اس سودے میں تجھے سراسر خسارہ رہے گا۔ تیرے کمزور اور ناتواں ہاتھ ہندہ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے اور وہ بجائے خوش قسمت بیوی کے لونڈی کی حیثیت سے میرے حرم میں آ جائے گی۔ تجھے میں اپنے در کی دربانی پر ناپاک کتے کی طرح بٹھائے رکھوں گا۔ اور میرے معمولی خدمت گار اور غلام عقوبت کے فرشتوں کی طرح تیرے سر پر مسلط رہیں گے اور تجھے مرنے نہیں دیں گے۔ وہ صبح سے شام تک آتے جاتے تیرے منہ پر تھوکتے رہیں گے۔ سن لے کہ میری بخشش خدا کی بخشش ہے اور میرا قہر خدا کا قہر ہے۔ ان دو میں سے جو تو پسند کرے اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔

میرا قاصد تجھے ہندہ کے ساتھ لینے آ رہا ہے۔ اب یہ تیرے اختیار میں ہے کہ چاہے تو حجاج کے خوش قسمت نسبتی باپ کی حیثیت سے میرے پاس آئے یا حقیر و ذلیل لونڈی کے باپ کی حیثیت سے۔

بوڑھا نعمان لرز گیا اور فوراً ہی دمشق جانے پر رضامند ہو گیا۔ اس نے حجاج کے قاصد سے کہہ دیا "میں بخوشی ہندہ کو لے کر حجاج کی خدمت میں حاضری دینے کو تیار ہوں لیکن مجھے دو دن کا موقع دو!"

قاصد نے ترشی سے پوچھا "یہ دو دن کی مہلت کیوں؟"

نعمان نے جواب دیا "جس کا لینا دینا ہے اس سے فراغت حاصل کر لوں اور یہاں کی املاک کو بھی فروخت کر دوں کیونکہ اب میں بصرے میں رہ کر کیا کروں گا!"

قاصد نے دو دن کی مہلت بھی دے دی۔

وہ خط لے کر اندر پہنچا اور اسے ہندہ کے ہاتھ میں دے دیا اور اس کے چہرے کے
پر غور کرنے لگا۔

ہندہ خط پڑھنے لگی، وہ جیسے جیسے آگے پڑھتی اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا
تک کہ جب وہ خط کے گرز والے حصے پر پہنچی تو اس کے چہرے پر کھنچاؤ پیدا ہو گیا اور غصے
چہرہ سرخ ہو گیا۔ خط پڑھ کر ایک طرف پھینک دیا اور تھرائی آواز میں پوچھا "آپ
فیصلہ کیا۔؟

بوڑھا اپنا فیصلہ سناتے گھبرا رہا تھا، بولا "جو تو فیصلہ کرے گی وہی میرا بھی فیصلہ
ہندہ چپ ہو کر کچھ سوچنے لگی، بوڑھا باپ امید کی نظریں جمائے اسے دیکھتا ر
ہندہ کی آنکھیں ٹھیک ٹھیک نہیں بولی "اگر میں یہ کہوں کہ میں اس کے حکم کی تعمیل
کروں گی تو کیا ہوگا؟"

بوڑھے باپ نے کہا "پھر وہی ہوگا جس کا اس خبیث نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے
کا قاصد کہتا ہے کہ حجاج خدا کے قہر کی ایک ایسی تلوار ہے جس سے دنیا کے کسی گوشے میں
پناہ نہیں اس کا ہاتھ اتنا دراز ہے کہ وہ ہر کہیں پہنچ سکتا ہے!"

ہندہ نے دکھ سے کہا "عالم ارواح میں تو اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ہم خود
کر سکتے ہیں!"

بوڑھا گھبرا گیا۔ جلدی جلدی بولا "نہ بیٹی ایسی بات سوچنا بھی نہیں اسلام نے
حرام قرار دیا ہے اور پھر اس سے ہم دونوں کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

ہندہ نے آنکھ ملائے بغیر اٹھتے ہوئے کہا "بابا جان! آپ تاجر ہیں تجارت
کو ہر مسئلے پر سود و زیاں کے حساب سے سوچنے کا عادی بنا دیا ہے عربوں کی شجاعانہ غیر
جو صرف بہادروں کی صفت ہے ایک تاجر میں کہاں مل سکتی ہے!"

بوڑھا ایک دم سنجیدہ ہو گیا بولا "تب پھر میں اس خبیث کے قاصد سے یہ کہے
ہوں کہ مجھے اس کی دونوں صورتیں نامنظور ہیں!"

ہندہ دوسرے کمرے میں جاتے جاتے رک گئی لمحہ بھر کے لئے باپ سے نظریں ملا
اور پوچھا "آپ کے اس جواب کا انجام کیا ہوگا؟"

بوڑھے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "انجام کچھ بھی نکلے مجھے اس کی پروا نہیں
ہندہ نے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جواب دیا "اگر مردانہ وار

مقابلے کی ہمت موجود ہو تو یہ جواب بہت مناسب ہے ورنہ پھر ہمیں اس ملعون کی پہلی بات
لینی چاہئے، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے!"

یہ کہہ کر ہندہ دوسرے کمرے میں چلی گئی نعمان بھی وہیں پہنچ گیا۔ ہندہ کے عاقلانہ جواب نے
میں ذرا ہمت پیدا کر دی تھی، وہاں پہنچ کر وہ کچھ دیر ہندہ کے پیچھے کھڑا رہا۔ ہندہ بستر پر گر کر
دوسری طرف منہ کر کے رو رہی تھی۔

پھر اس نے ہندہ کی سسکیوں کی آواز سنی وہ اس کے پیچھے سر کے قریب بیٹھ کر سر پر ہاتھ
نے لگا اور پھر بڑی دقت تمام کہا "ہندہ میری بیٹی! اگر کوئی بجز نہیں ہے تو میں نے اس خبیث
قاصد سے دو دن کی مہلت لی ہے ان دو دنوں میں ہم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ چوری چھپے فرار
کہیں دور دراز علاقے میں چلے جائیں!"

ہندہ نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا "اس ظالم کا ہاتھ واقعی بہت لمبا ہے
با جان اس سے کہیں بھی مفر نہیں آپ قاصد سے کہہ دیجئے کہ ہم باعزت طریقے سے اس کے ساتھ
جانے پر آمادہ ہیں!"

بوڑھے نے داد تحسین کے انداز میں کئی بار اس کی پشت تھپتھپائی اس کے بعد اٹھتا ہوا بولا
"ہندہ! میری بیٹی! خدا تجھے خوش رکھے تو نے میری مشکل آسان کر دی!"

حجاج کا جو آدمی پہلے سے نعمان کی نگرانی پر متعین تھا اس نے حجاج کے قاصد میں چونکا
دینے والا تغیر محسوس کیا حجاج کا قاصد دو دن تک ہندہ کی جھلک تک نہ دیکھ سکا لیکن اس کی
یک جھلک سے یہ ضرور محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہندہ کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہتا ہے دو دن
بعد اس نے نعمان سے پوچھا "کیا تم نے اپنا کام ختم کر لیا اور دمشق کی روانگی کے لئے تیار ہو؟"

نعمان نے لجاجت سے جواب دیا "ایک دن اور کل تک میں ضرور روانہ ہو سکوں گا!"

قاصد نے فراخ دلی سے ایک دن کی مہلت اور دے دی کہنے لگا "ایک دن اور سہی میری
طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے ہو سکتا ہے مجھے خود بھی چند دن رکنا پڑے!"

نعمان قاصد کی نرمی سے بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بصرے کے شرق میں جہاں دجلہ اور فرات ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں اُبلا نامی
ایک چھوٹا سا آباد اور مستحکم شہر ہے یہاں سے ایک شاندار نہر نکالی گئی تھی جو بصرے تک چلی گئی
تھی اور اس کا نام شہر کے نام پر نہر اُبلا رکھا گیا تھا۔ اُبلا سے بصرے تک نہر کے دونوں طرف
کنارے کنارے شاندار باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ حد نظر تک مختلف نوع کے سرسبز و شاداب
درخت عجیب بہار دے رہے تھے ان کے نیچے کھجور، مچھلی، روٹی اور دودھ بیچنے والے اپنی دکانیں

لگائے بیٹھے تھے خریداروں کے ہجوم سے کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اُبلہ سے ذرا آگے خلیج فارس…
ایک دن قاصد علی الصباح اٹھ کر ابلہ چلا گیا اور وہاں سے خلیج فارس کے اس کنارے…
گیا جہاں سے کشتیاں یا چھوٹے چھوٹے بحری جہاز مسافروں کو اُس پار یا مکران…
ساحل تک لے جاتے تھے۔ قاصد ساحل پر بہت ساری تفصیلات حاصل کر کے واپس
آگیا۔ اس کی پُراسرار حرکات و سکنات نعمان اور حجاج کے نمائندے بشیر کے لئے پریشان
کن تھیں۔

خلیج فارس سے واپس آکر قاصد نے بشیر سے پوچھا "کیا تو نے ہندہ کو دیکھا…
بشیر نے جواب دیا "ہاں ایک آدھ بار اس کی جھلک دیکھی تو ہے!"
قاصد نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "کیا یہ واقعی بہت حسین ہے؟"
"ہاں!" بشیر نے جواب دیا "حجاج جیسا سنگدل اُس پر یوں ہی تو نہیں…
قاصد نے کہا "اسے میں بھی دیکھنا چاہتا تھا!"
بشیر نے بے دلی سے جواب دیا "تب پھر ہندہ کے باپ سے بات کرو!"
قاصد نے کہا "شاید وہ اسے پسند نہ کرے!"
بشیر چُپ ہو رہا۔ بشیر قاصد کی نگرانی کرنے لگا۔
رات کو عشاء کی نماز کے بعد مسجد سے واپس آتے ہوئے قاصد نے نعمان کے
سامنے ایک چونکا دینے والی پیش کش رکھ دی، کہنے لگا "بزرگوار! حجاج ایک تند…
ظالم انسان ہے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ہندہ وہاں خوش نہ رہ سکے گی!"
نعمان نے بے بسی سے جواب دیا۔ "لیکن حجاج قضائے مبرم ہے اس سے پیچھا
تو نہیں چھڑایا جا سکتا!"
"پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے!" قاصد نے کہا "میرے ذہن میں ایک ایسی تجویز ہے
کہ اگر آپ تیار ہو جائیں تو ہم سب حجاج کی ظالم دسترس سے دور ہو سکتے ہیں!"
"وہ کس طرح؟" نعمان نے حیرت سے سوال کیا۔
"پہلے رازداری کا عہد کیجئے!"
"تجویز سُنے بغیر کس طرح عہد کر سکتا ہوں، پہلے اپنی تجویز تو بتاؤ!"
قاصد نے سرگوشی میں کہا "میں خلیج فارس تک جا چکا ہوں وہاں ہمیں سواحل
ہند تک لے جانے والے بحری جہاز مل جائیں گے۔ کیوں نہ ہم تینوں یہاں سے نکل چلیں میں
زندگی کی آخری ساعتوں تک آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں!"

مذبذب نعمان سوچ میں پڑ گیا حسب عادت بولا "مجھے سوچنے کے لئے کچھ
وقت دو!"
"کتنا وقت؟"
"صرف ایک دن!"
"سوچ لیجئے!" قاصد نے کہا "چھ دن بعد ایک جہاز ساحلِ مکران جانے
والا ہے ہمیں اس سے فرار ہو جانا چاہئے، مجھے آپ سے ہمدردی ہے!"
نعمان نے ہوشیاری سے کام لیا بولا "بہتر ہے میں تمہارا ہمیشہ شکر گزار
رہوں گا!"
اسی دن سہ پہر کو بوڑھے نعمان کی عدم موجودگی میں تیز طرار قاصد اندر گھس
جانے کی ہمت کر بیٹھا۔ ہندہ کے لئے وہ کوئی اجنبی تو تھا نہیں لیکن اس نے قاصد کو
ڈانٹ ضرور پلائی۔ بولی "تم بغیر اجازت اندر کیوں آگئے، کیا تم یہ بھول گئے کہ میں ایک ظالم شخص کی
مطلوبہ ہوں!!"
قاصد ہنسنے لگا "اب تو کسی بھی ظالم کے حوالے نہ کی جاؤ گی، میں نے تیرے باپ سے اس
معاملے میں بات چیت کر لی ہے تجھے خوش ہونا چاہئے کہ میں تیرے دکھی خاندان کا نجات دہندہ ہوں!"
ہندہ نے بدستور ناگوار رویہ برقرار رکھا بولی "اچھا تم اسی وقت باہر واپس جاؤ ورنہ
میں تمہیں مار مار کر باہر نکال دوں گی!" یہ کہہ کر وہ بھاگ کر گھر میں چلی گئی اور وہاں سے ایک ڈنڈہ
نکال لائی۔ قاصد نے بات بگڑتے دیکھی تو چپ چاپ باہر چلا آیا۔
باہر بشیر اسے گھور رہا تھا۔ قاصد گھبرا گیا بولا "دوست! میں غلطی سے یہ سمجھ بیٹھا کہ بوڑھا
نعمان مجھے آواز دے کر اندر بلا رہا ہے۔ جب اندر پہنچا تو وہاں نعمان کا کہیں پتہ تک نہ تھا۔ ہندہ
کو دیکھتے ہی شرما کر بھاگ آیا۔ اُفوہ۔ نادانستگی اور غلط فہمی میں کیسی خطرناک چوک ہو گئی تھی
مجھ سے الٰہی توبہ الٰہی توبہ!"
بشیر نے کوئی جواب نہ دیا جو کچھ ایک کان سے سُنا تھا دوسرے سے نکال کر سامنے سے
ہٹ گیا۔ لیکن ہندہ کے بے پناہ مثالی حسن نے قاصد کو دیوانہ بنا دیا۔
مستقبل کے حسین خوابوں نے قاصد کو سیر و تفریح پر مائل کر دیا وہ گھوڑے کو رانوں تلے
دبائے بصرے کے گلی کوچوں اور بازاروں کی سیر کرتا رہا۔
شام سے ذرا پہلے جب وہ بصرے کے قبرستان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے اس جگہ
نعمان کو کھڑے دیکھا وہ اس کے قریب پہنچ گیا پوچھا "جنابِ والا! یہاں کیسے آنا ہوا؟"

نعمان نے ایک قبر کے قریب کھڑی ہوئی ہندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں اسے
لے کر آیا تھا۔ یہ مزار حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ میں نے
سوچا جب ہم لوگ بصرے کو چھوڑ ہی رہے ہیں تو پھر کیوں نہ آخری بار مقامات متبرکہ کی زیارت
کرتے چلیں۔"

قاصد نے اجازت طلب کی "کیا میں بھی اس مزار تک جا سکتا ہوں؟"

نعمان نے جواب دیا "تمہارے منصوبے کا ہندہ کو کوئی علم نہیں ہے اور نہ میں یہ
چاہتا ہوں کہ اس کا ہم دونوں کے سوا کسی اور کو قبل از وقت علم ہو۔ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر
ہندہ بدک جائے گی!"

ہندہ دونوں ہاتھ پھیلائے فاتحہ پڑھ رہی تھی۔ فاتحہ کے بعد اس نے دعا مانگی "اے
میرے مولا! حلیمہ سعدیہؓ کے طفیل میری گزارش سن لے۔ میں بنو ثقیف کے شیطان کو ذلیل کرنا چاہتی
ہوں۔ اپنے رسول ﷺ کے طفیل میری مدد فرما!"

نعمان نے دور سے آواز دی "بیٹی ہندہ! شام ہو رہی ہے۔ اب گھر واپس چلو!"

ہندہ نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لئے اور چپ چاپ باپ کے ساتھ ہو لی۔ اپنے قریب
قاصد کو دیکھ کر وہ چیں بہ جبیں ہو گئی۔ باپ سے پوچھا "یہ یہاں کیوں آیا ہے؟"

باپ نے جواب دیا "بیٹی! یہ ادھر سے گزر رہے تھے ہمیں دیکھ پاس آ گئے۔ ویسے یہ
بہت اچھے آدمی ہیں۔ مجھے ان پر بڑا اعتماد ہے!"

قاصد نے کہا "میری اچھائی برائی کا اندازہ یوں کس طرح ہو سکتا ہے۔ وقت آنے پر
میں اپنے آپ کو خوب اچھی طرح ثابت کر سکوں گا!"

بوڑھے نعمان نے گھبرا کر کہا "خاموش! شرفا سر راہ باتیں نہیں کرتے!"

گھر پہنچ کر نعمان نے قاصد سے تنہائی میں کہا "جناب مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ
تمہاری عجلت سارا کھیل بگاڑ دے گی۔ میری بیٹی ہندہ کے مزاج سے تم واقف نہیں ہو۔ اس سلسلے
میں جلد بازی سے مت کام لو ورنہ پچھتاؤ گے!"

قاصد نے معذرت کے انداز میں کہا "مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں آئندہ احتیاط سے
کام لوں گا!"

نعمان نے سرگوشی میں کہا "تم ایک بار پھر خلیج فارس کے جنوبی ساحل پر جا آؤ اور
بحری جہاز کی بات پکی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر ہمیں دھوکا ہو جائے!"

قاصد دوسرے دن علی الصباح ابلہ کی راہ سے خلیج فارس کے جنوبی ساحل کی طرف روانہ

نعمان نے قاصد کے منصوبے سے بشیر کو مطلع کر دیا۔ بولا "تم بتاؤ ہمیں ان حالات
میں کیا کرنا چاہئے؟"

بشیر نے فکر مندی سے جواب دیا "میں پہلے دن سے اس کی نیت پر شبہ کر رہا ہوں۔ خدا
اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ شخص کتنا بے وقوف ہے جو حجاج کی آبرو پر ہاتھ ڈال رہا ہے۔ یہ تو ویسی
ہی بات ہو گئی کہ کوئی گیدڑ شیر کے شکار پر منہ مار کے شیر کے ہاتھوں جہنم واصل ہو جائے!"

نعمان نے کہا "میں یہ ساری باتیں تمہارے علم میں اس لئے لے آیا ہوں کہ تم حجاج
کی طرف سے یہاں متعین ہو۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو اس کے تم بھی ذمہ دار ٹھہرائے جاؤ گے!"

"بے شک بے شک!" بشیر نے گردن ہلائی "لیکن اب آپ کا کیا منصوبہ ہے؟"

نعمان نے جواب دیا "ہم دمشق چلنے کو تیار ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حجاج کا عناد ہمیں
کہیں بھی سکون سے نہ رہنے دے گا!"

بشیر کسی خیال سے خوش ہو گیا۔ بولا "تب پھر ایسا ہو گا کہ آپ دونوں میرے ساتھ
دمشق چلیں گے۔ اس طرح قاصد کی خدمت میں انجام دے کر حجاج سے انعام و اکرام کا مستحق ٹھہروں گا!"

نعمان نے تشویش سے پوچھا "اور یہ قاصد کا کیا بنے گا؟"

بشیر نے جواب دیا "میں آج ہی ابلہ کی راہ میں کہیں چھپ جاؤں گا اور جب قاصد
یہاں واپس آ رہا ہو گا تو میں پیچھے سے وار کر کے اسے جہنم رسید کر دوں گا۔"

نعمان نے پوچھا "اور حجاج خاموش رہے گا؟"

بشیر نے جواب دیا "جب اس کے کرتوت حجاج کے روبرو بیان ہوں گے تو وہ مجھے
اس فعل میں حق بجانب قرار دے گا اور بہت ممکن ہے کہ مجھے انعام و اکرام کا مستحق بھی قرار دیا جائے۔"

نعمان کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس خاموشی کو خود بشیر نے توڑ دیا۔ بولا "لیکن جناب
اس سلسلے میں ذرا آپ کو بھی ساتھ دینا پڑے گا!"

نعمان نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

بشیر نے جواب دیا "قاصد کی ساری بددیانتی اور بے ایمانی کی تفصیل حجاج کے
روبرو بیان کرنا پڑے گی!"

نعمان نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "میں اس کے لئے ہر طرح تیار ہوں!"

اس مشورے اور تجویز کے بعد بشیر ابلہ کی راہ پر ہو لیا اور ابلہ اور بصرہ کے درمیان
بر راہ پائی جانے والی ایک سرائے میں فروکش ہو گیا۔ وہ تیر کمان لے کر کسی درخت کی
آڑ میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر صبح سے شام تک قاصد کا انتظار کرتا رہا۔ ایک دوپہر کو اس نے

قاصد کو گھوڑا دوڑاتے اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس نے تیر چلے میں رکھا اور اس کے حلق کا نشانہ لیا۔ جب وہ بالکل زد میں آگیا تو بشیر نے تیر چھوڑ دیا۔ وہ سنسناتا ہوا قاصد کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ فضا میں ایک دردناک چیخ بلند ہوئی اور قاصد تیورا کر گھوڑے سے نیچے آگیا۔ بشیر دوڑ کر اس کے قریب پہنچا اور تلوار نیام سے نکال لی۔

بشیر اپنا کام ختم کر کے جب بصرہ واپس پہنچا تو یہ جان کر سناٹے میں آگیا کہ نعمان اور ہندہ اپنا مکان کسی اور کے ہاتھ بیچ کر فرار ہو چکے تھے۔ نئے مالک کو کچھ پتہ نہ تھا کہ دونوں کہاں گئے۔

بشیر پریشان ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اب اسے دمشق جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ خیال گزرا کہ ہو سکتا ہے دونوں خود ہی حجاج کی خدمت میں چلے گئے ہوں۔ بشیر نے ہمت سے کام لیا اور تن تنہا دمشق روانہ ہوگیا۔

دمشق میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ ظہر کا وقت تھا۔ عبدالملک امامت کر رہا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح اس نے بھی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد عبدالملک نے لوگوں سے سوال کیا: "لوگو! عبداللہ ابن زبیر نے بدستور سرکشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں، ایک آسمان پر دو سورج اور ایک ملک میں دو مساوی الاختیار بادشاہ نہیں رہ سکتے اسی طرح ملت اسلامیہ پر دو خلیفہ کس طرح فائز رہیں گے۔ تم میں کون ایسا ہے جو عبداللہ ابن زبیر کو ہماری راہ سے ہٹا دینے کی عظیم الشان خدمت انجام دینے کی ہمت رکھتا ہے؟"

مجمع اس طرح خاموش رہا گویا سب ہی سوئے ہوں۔ اسی عالم میں حجاج ابن یوسف کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "امیر المومنین! خدا آپ کو اس وقت تک سلامت اور قائم الدوام رکھے جب تک ایک فتنہ بھی باقی ہے۔ آپ مجھے عبداللہ ابن زبیر کے مقابلے کے لیے مکہ روانہ کر دیجیے۔ میں انہیں ختم کروں گا۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ابن زبیر کو گرفتار کر کے ان کی کھال کھینچ لی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں ابن زبیر کو آپ کی راہ سے ہٹا دوں گا!"

عبدالملک نے اس کی درخواست منظور کر لی اور شامیوں پر مشتمل سپاہ اس کے حوالے کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔

مسجد سے نکلتے ہوئے بشیر حجاج کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ حجاج اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے بولا: "تو بصرے سے کب آیا؟ میرا قاصد کہاں ہے؟ کیا ہندہ آگئی ہے؟"

بشیر نے ڈرتے ڈرتے ساری تفصیل عرض کر دی۔ حجاج غصے سے کانپنے لگا۔ بولا: "یہاں نہیں، گھر چل، وہاں تیری روداد سن کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔"

بشیر اس خونخوار انسان کے ساتھ لرزاں و ترساں اس طرح گھر پہنچا جیسے بکری قصاب کے ساتھ کھنچی پہنچتی ہے۔

حجاج فکر مند اور بجھا بجھا سا ایک تخت پر بیٹھ گیا اور بشیر سے کہنے لگا: "ہاں تو تو مجھ سے کیا کہہ رہا تھا؟ تو نے مجھے جیسی خبریں سنائی ہیں اس کے نتیجے میں تو بشیر کس طرح ہو سکتا ہے؟ بشیر کا مطلب ہے بشارت دینے والا۔ لیکن تو نے ہمیشہ مجھے ایسی خوفناک خبریں سنائی ہیں کہ میں تجھے دیکھ کر خوفزدہ ہونے لگتا ہوں۔ میں کیوں نہ تیرا نام نذیر رکھ دوں۔ کیونکہ نذیر کے معنی ہیں ڈرانے والا۔ تو نے اب تک جتنی خدمات انجام دی ہیں ان سے وارداتوں ہی کی خبریں ملی ہیں!"

بشیر چپ چاپ کھڑا اپنی ذات پر کیے جانے والے تمسخر کو تحمل سے جھیلتا رہا۔

اچانک حجاج کا لہجہ بہت سخت ہوگیا۔ بولا: "تو تو نے بے ایمان قاصد کو ٹھکانے لگا دیا۔ لیکن تو مجھے کس طرح اس بات کا یقین دلائے گا کہ تو نے مجھ سے جو کچھ کہا۔ اس میں سب کچھ سچ ہے!"

بشیر نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ عرض کیا، وہ سارا کا سارا سچ ہے۔ افسوس نعمان اور ہندہ یہاں موجود نہیں ہیں ورنہ وہ دونوں میرے سب سے بڑے گواہ ہوتے!"

"اچھا سردست ہم تجھے قاصد کی موت اور نعمان اور اس کی بیٹی کے فرار کے جرم میں معمولی سی سزا دیں گے کیونکہ خطا چھوٹی ہو یا بڑی خطا ہی ہوتی ہے!"

بشیر کی جان ہی تو نکل گئی۔ بولا: "مجھے ان کی تلاش کے لیے تھوڑا وقت درکار ہے!"

حجاج نے ہنستے ہوئے جان لیوا آواز میں کہا: "خوب! تو اب تو بھی مجھے دھوکا دے کر فرار ہونا چاہتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا! گھبرا نہیں میں تجھے بھی وہیں روانہ کرتا ہوں جہاں قاصد تیرے ہاتھوں پہلے ہی پہنچ چکا ہے!"

اس کے بعد اس نے ایک سپاہی کو گردن زدنی کا حکم دیا اور پھر بشیر کا لاشہ تڑپنے لگا۔

اس رات وہ دیر تک ہندہ کو یاد کرتا رہا اور قسم کھائی کہ وہ جب بھی ان دونوں کو پا جائے گا نعمان کو قتل کر دے گا اور ہندہ کو اپنے حرم میں لونڈی بنا کر ڈال لے گا۔

اور دمشق سے چل پڑا۔

اس نے مکے کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ حرم پاک جہاں خون خرابہ اور قتل و غارت گری خدا کی طرف سے حرام قرار پا چکے تھے حجاج کی بدولت تباہ کاری اور غارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا عبداللہ ابن زبیرؓ اس کے مقابلے سے یوں تا محروم گئے کہ ان کے ساتھیوں کو لالچ دے کر پہلے ہی توڑ لیا گیا تھا۔ محاصرہ بتدریج تنگ تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ابن زبیرؓ خانہ کعبہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حجاج نے خانہ کعبہ پر بھی سنگ باری شروع کر دی۔ جب فوج والوں نے خدائی قہر و عذاب سے ڈر کر منجنیقوں سے ہاتھ کھینچ لیا تو حجاج خود آگے بڑھا اور منجنیقیں چلانے لگا۔ پتھروں کی آتش بازی نے خانہ کعبہ کے غلاف کو جھلسا دیا اور متبرکات حضرت ابراہیمؑ جل گئے۔

سات ماہ سے کچھ زیادہ مدت کے محاصرے کے بعد ابن زبیرؓ آخری مقابلے کے لئے باہر نکلے۔ انہوں نے اپنی کمر کو ایک رومال سے کس رکھا تھا۔ انہوں نے رجزیہ نعرہ بلند کیا "لوگو! مجھے پہچان لو۔ میں رسول مقبولؐ کے دست راست صدیقؓ کا نواسا، ان کی محبوب بیوی عائشہؓ کا بھانجا ہوں۔ میرے باپ رسول اللہؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ہم زلف بھی اور مجھے اس بات کا شرف بھی حاصل ہے کہ میں ہجرت کر کے آنے والوں میں پہلا نومولود تھا جو مہاجرین میں پیدا ہوا۔ میری ماں اسماءؓ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر میں خود کو حق و صداقت پر سمجھتا ہوں تو اس راہ میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں۔"

اس کے بعد ابن زبیرؓ نے اتنا سخت حملہ کیا کہ حجاج کی فوج کو دور تک دھکیلتے چلے گئے۔ اس دوران حجاج کے کسی آدمی نے ایک بھاری پتھر ان کے منہ پر کھینچ مارا۔ کنپٹی اور سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ آپ کو چکر آ گیا اور چہرہ لہولہان ہو گیا۔ آپ نے اسی حالت میں خوش و خروش سے ایک شعر پڑھا۔

"ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو پشت پر زخم کھاتے ہیں اور ایڑیاں ان کے خون سے خالی ہو جاتی ہیں بلکہ خون تو ہمارے پنجوں پر گرتا ہے۔"

شعر پڑھتے ہوئے حجاج کی فوج میں گھس گئے۔

اسی عالم میں ایک عورت چیخی "وا امیر المومنینا! افسوس امیر المومنین ہلاک ہو گئے۔"

حجاج بھاگا ہوا اس عورت کے پاس پہنچا، پوچھا "مقتول ابن زبیرؓ کہاں ہے؟"

عورت نے ان کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "وہ رہے، سفید ململ کے لباس والے!"

ابن زبیر کی لاش کو دیکھتے ہی حجاج سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے ابن زبیرؓ کا سر کٹوا کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ عبدالملک کو روانہ کر دیا اور دھڑ کو صلیب پر چڑھا دیا تاکہ عبدالملک کے مخالفین اس سے عبرت حاصل کریں۔

تین دن گزر چکے تھے حجاج ابن زبیرؓ کی مصلوب لاش کے پاس کھڑا لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ایک تقریباً سو سالہ نابینا عورت ایک بینا عورت کا ہاتھ پکڑے وہاں پہنچی اور عورت سے پوچھا "ابن زبیرؓ کی لاش کہاں ہے؟"

اس عورت نے حجاج کو وہاں کھڑے دیکھا تو سہم گئی۔ منہ سے تو کچھ نہ بولی، نابینا عورت کا ایک ہاتھ پکڑ کر مصلوب لاش پر رکھ دیا۔ انہوں نے لاش کے مختلف حصوں کو ٹٹول کر دیکھا تو پتہ چلا اس کا جوڑ جوڑ الگ ہے۔ پھر نابینا عورت نے دریافت کیا "کیا یہ سوار ابھی تک اپنے گھوڑے سے نہیں اترا؟ اس سے کہو جنگ ختم ہو چکی اب تو نیچے آ جائے!"

حجاج نے اس عجیب و غریب نابینا عورت کے بارے میں سوال کیا "یہ کون ہے؟"

نابینا عورت نے جواب دیا "ابن زبیرؓ کی ماں اسماءؓ، رسول اللہؐ کی چہیتی عائشہؓ کی بڑی بہن اور ابوبکر صدیقؓ کی بڑی بیٹی۔"

حجاج خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ حضرت اسماءؓ نے کہا "میرا بیٹا میرے حوالے کیا جائے!"

حجاج نے جواب دیا "ایسا نہیں ہو سکتا!"

حضرت اسماءؓ واپس چلی گئیں۔

حجاج معلوم نہیں کیا کیا سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس نے حضرت اسماءؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ "جاؤ ان بڑی بی کو بلا لاؤ۔"

لیکن جب حضرت اسماءؓ کو یہ پیغام ملا تو آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔

حجاج نے دوبارہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا۔ کہلایا "اگر خیریت چاہتی ہو تو چپ چاپ چلی آؤ ورنہ بالوں سے گھسیٹتی لائی جاؤ گی۔"

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا "میں ہرگز نہ جاؤں گی اس ظالم سے کہو مجھے بالوں سے گھسیٹ کر بلوائے۔"

اس آخری جواب پر حجاج حضرت اسماءؓ کے پاس خود پہنچا اور کہا: "او دشمنِ خدا ابنِ زبیرؓ کی ماں! میں حجاج تیرے سامنے کھڑا ہوں!"

آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔

حجاج نے شقاوت سے ہنستے ہوئے پوچھا: "بتا میں نے دشمنِ خدا ابنِ زبیرؓ کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟"

حضرت اسماءؓ کی بے نور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں آپ نے جواب دیا: "میرے بیٹے کی دنیا بگاڑ دی اور میرے بیٹے نے تیری عاقبت خراب کر دی۔" پھر کچھ سکوت اختیار کرکے فرمایا: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ جھوٹے مختار بن ابی عبید ثقفی کو تو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔"

حجاج، حضرت اسماءؓ کی دلیری پر دم بخود انہیں دیکھتا رہ گیا پھر ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا۔ بولا: "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو!"

حضرت اسماءؓ چراغ پا ہوگئیں فرمایا: "او ذلیل، عاقبت نا اندیش ظالم! ایک سو سالہ نابینا کو تو نکاح کا پیغام دے کر اسے ذلیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ عزت اور ذلت خدا کی طرف سے ہے تیرے ذلیل کرنے سے میں ذلیل نہیں ہو جاؤں گی!"

حجاج نے خلافِ امید نرمی سے جواب دیا: "نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، بلکہ میں رسول ﷺ اللہ کی ہم زلفی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دامادی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا!"

حجاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش اُتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی جہاں سے حضرت اسماءؓ نے اٹھوالی اور اپنی نگرانی میں غسل دلوا کر تجہیز و تکفین فرمائی۔

انہی دنوں بصرے اور کوفے میں خارجیوں نے ہنگامے شروع کر دیئے اور یہ لوگ عبدالملک کے لئے مصیبت بن گئے۔ ابنِ زبیرؓ کی شہادت سے حجاز کی طرف سے بے فکری ہوگئی تھی۔ اسی دوران حجاج کو عبدالملک کا ایک نیا فرمان موصول ہوا۔ عبدالملک نے دمشق سے حجاج کو لکھا تھا۔

"حجاج! تم نے اب تک اپنی جن غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے ان کے پیشِ نظر میں تمہیں عراق کا والی مقرر کر رہا ہوں۔ تم فوراً کوفے پہنچو اور کوفے والوں کو ایسا روند دو کہ پھر سے سرکشی کرتے ڈر جائیں۔ میں تمہیں نرمی سے بچنے کا حکم دیتا ہوں۔"

حجاج نے اپنی فوج میں سے بارہ شہسواروں کا انتخاب کیا اور نہایت اعلا اور تیز رفتار اونٹنیوں پر سوار ہوکر کوفے روانہ ہوگیا۔

سرخ باریک عمامے سے اپنا چہرہ چھپائے اور ترکش اور کمان کو اپنے کاندھے پر لٹکائے ہوئے اپنے بارہ شہسواروں کے ساتھ حجاج جب کوفے میں داخل ہوا تو دن چڑھ آیا تھا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اچانک نازل ہوا تھا اس لئے کوفے والے اس کی اس تقرری سے ناواقف تھے۔ وہ کوفے کی گزرگاہوں سے جامع مسجد کی طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھی باآوازِ بلند چیخ چیخ کر لوگوں سے کہہ رہے تھے "لوگو! مسجد میں جمع ہوجاؤ تاکہ تمہارے سامنے ایک ایسی تقریر کی جائے جس سے تم سب پر ایک لرزہ خیز انکشاف ہوجائے۔"

لوگ انہیں خارجی مبلغ سمجھ بیٹھے تھے ذرا سی دیر میں مسجد میں بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا لیکن ان میں بہتوں کے ہاتھوں میں پتھر دبے ہوئے تھے اور انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی خارجی مبلغ نکلا تو اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے گی۔ حجاج منبر پر چڑھ گیا۔ اس کے ساتھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

حجاج نے منبر پر کھڑے ہوتے ہی گرجدار آواز میں ایک شعر پڑھا۔

"لوگو! میں وہ آفتاب ہوں جو ظلمت کے پردے کو تار تار کر دیتا ہے میں عنقریب اپنے منصبِ اعلا کی بلند ترین گھاٹی سے طلوع ہونے والا ہوں اور جب میں اپنا عمامہ چہرے سے ہٹاؤں گا تو تم سب مجھے اچھی طرح پہچان لوگے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا عمامہ چہرے سے ہٹا دیا۔ لوگ اسے دیکھ کر سہم گئے۔

حجاج نے ان کی کثرت اور شری ارادوں کی پروا کئے بغیر تقریر شروع کی: "اے اہلِ عراق اور اہلِ شقاق و نفاق و مراق، مساوی الاخلاق (عداوت و نفاق والو اور برے اخلاق والو) امیر المومنین نے تمہاری سرکشیوں کے مقابلے میں اپنے ترکش سے تیر نکالے اور انہیں دانتوں سے چبا کر ان کی سختی کا امتحان لیا۔ پھر انہیں ان تیروں میں ایک ایسا تیر مل گیا جو سختی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور دیر تک پیوست ہوجانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ سخت تیر میں ہوں۔ امیر المومنین نے اس تیر کو تم پر چلا دیا ہے۔ انہوں نے تمہارے لئے میرے گلے میں کوڑا اور تلوار ڈال دی مگر کوڑا کہیں گر گیا اور تلوار رہ گئی۔"

لوگ خوف اور دہشت سے حجاج کی تقریر سن رہے تھے اور اُن کے حواس جواب دے چکے تھے۔ حجاج نے خونخوار نظروں سے مجمع کا جائزہ لیا اور تقریر دوبارہ شروع کر دی: ”بخدا میں شر کو اس کے ٹھکانوں ہی میں دفن کر دیتا ہوں اور جو جیسا کرتا ہے اس کا ویسا ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ میں تم میں بہت سے ایسے سر دیکھ رہا ہوں جو پھلوں کی طرح پک چکے ہیں اور انہیں توڑ لینے کا وقت قریب آچکا ہے۔ میں بہت سارے عماموں اور داڑھیوں کو خون سے لالہ زار ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ اے عراق کے لوگو! تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے انجیر کی طرح دبایا نہیں جا سکتا۔ عرصہ دراز سے فتنہ و فساد تمہارا شیوہ ہو گیا ہے اور بغاوت تمہارا مسلک بن گیا ہے لیکن اب ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میں تمہیں اس طرح اُدھیڑ کر رکھ دوں گا جس طرح لکڑی سے اس کی چھال اُتاری جاتی ہے۔ میں تمہیں اس طرح کاٹ کر ڈال دوں گا جس طرح درخت کاٹ دیا جاتا ہے اور تمہیں اس طرح پیٹوں گا جیسے اجنبی اونٹ پیٹا جاتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یا تو تم میرے ہاتھوں انصاف قبول کرو اور فتنہ و فساد اور جھوٹی افواہوں سے باز آجاؤ ورنہ یہ جان لو کہ میرے نزدیک معمولی کاٹ چھانٹ کوئی چیز نہیں۔ میں تلوار سے تمہاری ایسی قطع برید کروں گا کہ تمہاری عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے۔ لوگو! مجھے معلوم ہے کہ تم خارجیوں کے مقابلے میں جانے سے جی چراتے ہو اور اس سلسلے جو مہمات امیر المومنین نے روانہ فرمائی ہیں تم میں اکثر وہاں سے بھاگ آئے ہیں۔ تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے تین دن بعد میں جسے یہاں دیکھوں گا اس کی گردن مار دوں گا۔“

اسی مجمعے میں نعمان بھی موجود تھا اور اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں سے چپ چاپ فرار ہو جاتا۔ اس نے لوگوں کے درمیان دبک کر چھپنے کی کوشش کی لیکن حجاج کی تیز نظروں نے اسے پہچان لیا۔ اس نے نعمان پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا: ”او شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپانے والے! اُٹھ کر کھڑا ہو جا!“

نعمان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن اس کی پنڈلیاں جواب دے رہی تھیں جب کہ اس کا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔

حجاج نے اسے حکم دیا: ”یہاں میرے قریب آجا!“

نعمان لوگوں کو ہٹاتا ہوا آہستہ آہستہ حجاج کی طرف بڑھنے لگا۔

حجاج نے لوگوں کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے

دی اور خود منبر سے نیچے آگیا۔ پھر اپنے بارہ شہسواروں کے ساتھ لے کر والیٔ کوفہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نعمان کو اپنے انجام کا علم تھا۔ زندگی سے مایوس ہو جانے کے بعد اس نے حق گوئی اختیار کی۔

حجاج نے اس کی کمر پر کئی کوڑے رسید کئے اور بولا: ”کیا میرے قاصد نے تجھے یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میری تلوار سے تجھے کہیں بھی پناہ نہ مل سکے گی اور یہ کہ میرے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ یہ ہر کہیں پہنچ سکتے ہیں!“

نعمان نے جواب دیا: ”حجاج! میں تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا کیونکہ کذب گوئی کے بعد موت مومن کے لئے اچھا انجام نہیں ہے۔ میں تیرے قاصد کے ساتھ دمشق جانے پر تیار ہو گیا تھا لیکن اس کی بدلی ہوئی نیت دیکھ کر میں نے یہ سوچا کہ پہلے تمہارے بدبخت اور بددیانت قاصد سے پیچھا چھڑالوں اس کے بعد کوئی قدم اٹھاؤں چنانچہ میں نے تمہارے نمائندے بشیر کے ذریعے اس کا کام تمام کرا دیا۔ پھر اچانک بشیر کی عدم موجودگی میں شیطان نے مجھے ورغلایا اور میں ہندہ کو لے کر کوفے چلا آیا۔ یہاں میں اس لئے آیا تھا کہ میرے خیال میں یہاں کے لوگ ایسے سرکش تھے جن پر تمہارا قابو مشکل ہی سے چل سکتا!“ پھر مایوسی سے گردن جھکا لی اور کہنے لگا: ”لیکن تمہارے زورِ خطابت اور ڈراوے نے ان سرکشوں کو بھی خوفزدہ کر دیا اور یہ میری بدقسمتی کہ اس ہجوم میں میں بھی موجود تھا جس سے تم خطاب کر رہے تھے اور تم نے مجھے پہچان لیا!“

حجاج نے کئی کوڑے اور رسید کر دیئے اور پوچھا: ”اب تیرا کیا ارادہ ہے؟“

نعمان نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا: ”میں اپنی بیٹی ہندہ کو عزت و آبرو کے ساتھ تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں!“

حجاج نے سختی سے کہا: ”عزت آبرو سے حوالے کرنے کا وقت گزر چکا!“

نعمان نے جواب دیا: ”حجاج! جو شخص زندگی کا خیال دل سے نکال چکا ہو اسے کوئی چیز بھی نہیں ڈرا سکتی!“

حجاج نے پوچھا: ”تو کیا چاہتا ہے؟“

نعمان نے دلیری سے جواب دیا: ”وہی جس کا میں ابھی ذکر چکا ہوں!“

حجاج نے خلافِ توقع نرمی سے کہا "مجھے تیری صاف گوئی پسند آئی، ورنہ میرے پاس تیرے لئے موت کے سوا کوئی علاج نہ تھا۔" میں تیری بیٹی ہندہ کو دو لاکھ درہم مہر کے عوض اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہوں اس کی یہ بہت بڑی قیمت ہے جو میں ادا کر سکتا ہوں!"

نعمان اس کی صورت دیکھتا رہا۔ حجاج نے مزید کہا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، دو دن کے اندر ہندہ کو میری دلہن بن جانا چاہئے اگر تو نے اس بار چالاکی سے کام لیا اور فرار ہو جانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج بہت عبرت ناک نکلیں گے!

نعمان شادی کر دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور دوسرے دن ظہر اور عصر کے درمیان ہندہ حجاج سے وابستہ کر دی گئی۔ شادی کے بعد حجاج ہندہ کے پاس فوراً نہ پہنچ سکا، وہ خلافت کے امور میں نصف رات تک الجھا رہا۔ سوگوار اور افسردہ ہندہ دلہن بنی اس کا انتظار کرتی رہی اس دوران اسے وہ ساری باتیں یاد آتی رہیں جو اس نے حجاج سے بچنے کے لئے مختلف مقاماتِ متبرکہ اور بارگاہِ ایزدی میں دعاؤں کی شکل میں گزاری تھیں اور اب ان کی بے اثری کا عبرت ناک مرقع بنی بیٹھی تھی۔

نصف شب کے بعد خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور حجاج اندر داخل ہوا کنیزیں ادھر ادھر ہو گئیں۔

حجاج ہندہ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہندہ سر جھکائے بیٹھی رہی حجاج نے کسی کنیز کو آواز دی لیکن جب وہ حاضر ہوئی تو حجاج نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ ہندہ اس کی اس عجیب و غریب حرکت پر حیران ہو رہی تھی۔

حجاج نے یک بیک کرخت لہجے میں ہندہ کو مخاطب کیا "بے وقوف لڑکی! کیا تجھے ابھی تک میری آمد اور موجودگی کا علم نہیں ہوا؟"

ہندہ نے قدرے آواز میں جواب دیا "ہوا کیوں نہیں جب آپ کے آتے ہی کنیزیں میرے پاس سے کھسکنے لگی تھیں اسی وقت مجھے آپ کی آمد کا علم ہو گیا تھا!"

حجاج نے اپنی ران پر زور سے ہاتھ مارا، غصے میں بولا "پھر بھی تو مجھے نظر انداز کر رہی ہے تجھے میرے احترام میں کھڑا ہو جانا چاہئے تھا۔ کیا تیرے باپ نے تجھے آدابِ نشست و برخاست نہیں سکھائے؟"

ہندہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا "میرا باپ میری ماں کی

عزت کرتا تھا۔ اسی لئے اس کا یہ خیال تھا کہ تو بھی میری عزت کرے گا اسے یہ کیا معلوم تھا کہ میں حجاج کی زوجیت کے بجائے ملازمت میں جا رہی ہوں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تیری آمد سے پیشتر مجھے خود بھی اس کا کوئی علم نہ تھا۔"

حجاج اس کے قریب بیٹھ گیا اور کہنے لگا "تو ذہین اور حاضر جواب بھی ہے خوب!" پھر پوچھا "ہندہ! سچ بتا کیا تو واقعی یہ سمجھتی تھی کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں؟!"

ہندہ نے جواب دیا "نہیں میرا ایسا کوئی خیال نہ تھا!"

"تو جھوٹ بولتی ہے!" حجاج ڈانٹنے کے انداز میں بولا "تو اور تیرا باپ دونوں یہی سمجھ بیٹھے تھے لیکن ذرا سوچ تو سہی میں تجھے کیوں چاہوں گا؟ اس لئے کہ تو خوبصورت ہے یا اس لئے کہ تو ذہین اور حاضر جواب بھی ہے؟ نہیں ایسی کوئی بات نہیں میری نظر میں تیری حیثیت اس اونٹنی جیسی ہے جس کے عوض میں دوسری اونٹنی پر بھی گزارا کر سکتا ہوں اگر تو میرے دل میں ہوتی تو میں اس دل کو اپنے سینے سے نکال باہر کرتا۔ بھلا میں حجاج، یوسف ثقفی کا بیٹا کس طرح کسی کا پابند اور مجبور بن کر رہ سکتا ہے۔ میں نے تجھ سے اس لئے شادی کی ہے کہ اس طرح میں تیری اور تیرے باپ کی انا کو چکنا چور کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تجھے دو لاکھ درہم حق مہر کے عوض خریدا ہے تو میری کنیز ہے ایک اعلیٰ درجے کی کنیز!"

حجاج سے وہ نفرت تو پہلے ہی کرتی تھی لیکن اب ان باتوں سے اور زیادہ بڑھ گئی وہ اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے لگی، حجاج نے اس کی آنکھوں میں آنسو جو دیکھے تو پوچھے بغیر بولا "تو رو کیوں رہی ہے؟ کیا یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ قسمت نے تجھے والیٔ عراق حجاج ابن یوسف کی بیوی بنا دیا ہے یا اس کا کوئی اور سبب ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا "یہ آنسو خوشی کے نہیں کرب کے ہیں یہ رات جس میں ہم دونوں یک جا ہوئے ہیں بجائے خوش قسمتی کے بدقسمتی کی رات ثابت ہو رہی ہے اور مجھے یہ احساس پریشان کر رہا ہے کہ میں جس شخص کے حوالے کر دی گئی ہوں اسے انسانی معیار کا کوئی علم نہیں، وہ بے حس تنگ دل اور ظالم ہے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اگر میں اپنی صاف گوئی کے جرم میں قتل کر دی جاؤں!"

حجاج نے ہنستے ہوئے کہا "میں تجھے قتل نہیں کروں گا نہ طلاق دوں گا، لیکن تجھے یہ ضرور جتاتا رہوں گا کہ میرے دل کو ایک لڑکی مسخر نہیں کر سکتی میں پھر یہی کہوں گا کہ دنیا کی ہر شے طالع ہے، میں نے تجھے دو لاکھ درموں کی

طاقت سے حاصل کر لیا ہے میں دنیا کی ہر چیز طاقت سے زیر کر سکتا ہوں!"

ہندہ نے کہا "کیا تو نے دو لاکھ درہم مجھے ادا کر دیئے؟"

حجاج نے جواب دیا "یہ قیمت ابھی نہیں فسخ معاہدہ کے وقت ادا کی جائے گی جس کا ابھی کوئی ارادہ نہیں!"

ہندہ نے بے بسی سے جھنجلا کر کہا "خدا ہماری مشکل آسان کرے!"

حجاج نے ہنس کر آمین کہا اور ہند کا ہاتھ پکڑ لیا۔

خلوت سے نکلتے ہی اس کے آدمیوں نے بتایا کہ کوفے کے بعض لوگ ابھی تک اس کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے تکبیریں دلوا کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا "لوگو! کیا بات ہے؟ کیا تم پر میری گذشتہ دھمکی کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے بے وقوف لونڈی جنو اور بیوہ اور لاوارث ماؤں کے بیٹو! کیا تم اپنے عبرتناک انجام سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں میرا سکوت اور تمہاری سرکشی یہ دونوں ایسے غبار ہیں جن کے پردے سے سخت اور تیز آندھی آنے والی ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عنقریب میں تمہیں ایسی سخت سزا دوں گا جو تمہارے لئے عذاب اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت ثابت ہوگی۔ کیا وجہ ہے کہ تم میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ابھی تک خوارج سے جنگ کرنے کوفے سے باہر نہیں نکلے!"

تقریر کے بعد عمیر بن ضابی نامی ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا ہوا اور حجاج سے کہا "خدا امیر کے کاموں کی ہمیشہ صلاح کرتا رہے میں اس مہم میں شریک تھا جو کوفے سے باہر خارجیوں سے لڑی جا رہی ہے لیکن میں بیمار اور بوڑھا انسان ہوں۔" پھر ایک جوان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "یہ میرا بیٹا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرے بدلے اسے مہم پر روانہ کر دیا جائے!"

حجاج نے پوچھا "تو کون ہے؟"

عمیر نے جواب دیا "میرا نام عمیر ہے اور میں بنو تمیم سے تعلق رکھتا ہوں!"

حجاج نے درشتگی سے پوچھا "کیا تو نے میری پہلی تقریر نہیں سنی تھی؟"

"سنی تھی!" عمیر نے جواب دیا۔

کسی شخص نے حجاج کے کان میں کہا "حضور! یہ وہی عمیر بن ضابی

ہے جس نے امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔

حجاج نے عمیر سے پوچھا "کیا واقعی تو وہی شخص ہے جس نے حضرت عثمان رضؓ کے مکان پر حملہ کیا تھا؟"

عمیر نے جواب دیا "بے شک میں وہی شخص ہوں!"

حجاج نے پوچھا "تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

عمیر نے جواب دیا "عثمان رضؓ نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ انہوں نے میرے بوڑھے باپ کو قید خانے میں ڈال دیا تھا!"

حجاج نے ایک شعر پڑھا۔

"میں نے ارادہ کیا مگر اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکا، میں اس فعل کو کر گزرنے والا تھا۔ کاش میں عثمان رضؓ کو ایسی حالت میں چھوڑتا کہ ان کی بیویاں ان پر نوحہ کر رہی ہوتیں!"

یہ شعر پڑھ کر حجاج نے پوچھا "کیا یہ تیرا شعر ہے؟"

"ہاں!" ضدی عمیر ضابی نے جواب دیا۔

حجاج نے کہا "پھر کیا وجہ ہے کہ میں تجھ سے حضرت عثمان رضؓ کا بدلہ نہ لوں؟"

عمیر نے ابھی کچھ کہنے کو زبان ہی کھولی تھی کہ حجاج کے حکم سے عمیر کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور حجاج کے اشارے پر عمیر ضابی کو قتل کر دیا گیا۔

ہندہ روز اس قسم کے واقعات دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئی تھی۔ وہ ہر وقت کڑھتی رہتی کہ قسمت نے اسے کس ظالم سے وابستہ کر دیا ہے۔ حجاج بھی وقتاً فوقتاً اسے شرمندہ و ذلیل کرتا رہا اس طرح وہ ہندہ سے انتقام لے رہا تھا۔ ہندہ کے آس پاس کنیزوں کا ہجوم رہتا۔ دولت کی کوئی کمی نہ تھی لیکن حجاج کا اہانت آمیز رویہ اسے ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا۔

وہ اب بھی کوفے کے مقدس مقامات کی زیارت کرتی اور وہاں حجاج سے رہائی کی دعائیں مانگتی رہتی۔ حجاج نے اس کے باپ کو زکات کی وصولیابی اور بیت المال میں داخل کرنے کی خدمت پر لگا دیا تھا۔ اس منصب دار کو مصدق کہتے تھے حجاج اس سے بہت کم بولتا تھا۔

کوفے کا انتظام کر کے وہ بصرے جانے والا تھا کہ نعمان کو بلایا اور

کہا: "بڑے میاں! سنتا ہوں تم اپنے فرائض محنت اور دیانت سے نہیں انجام دے رہے ہو!"

نعمان زرد پڑ گیا۔ پوچھا: "یہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں اپنے فرائض محنت اور دیانت سے نہیں انجام دے رہا ہوں!"

حجاج ایک دم بگڑ گیا۔ بولا: "بے وقوف بوڑھے! یہ تو مجھ سے سوال کر رہا ہے کہ مجھ سے ایسا کس نے کہا۔ مجھ سے کسی نے بھی کہا اس سے تجھے کیا سروکار۔ سُن میں جب بصرے سے واپس آؤں تو مجھے اپنا خزانہ لبریز نظر آئے۔"

نعمان نے جواب نہ دیا۔

حجاج اندر ہندہ کے پاس پہنچا۔ کہنے لگا: "تیرا باپ میری عزت نہیں کرتا ہے۔ میرے پیچھے وہ معلوم نہیں کیا کر گزرے، اس لئے تو اپنے باپ کی ذمہ دار بن، اگر اس سے کسی قسم کی بھول چوک ہوئی تو اس کی ذمہ دار تو ٹھہرائی جائے گی!"

ہندہ نے جواب دیا: "میں اپنے باپ کی ذمہ دار کس طرح بن سکتی ہوں؟"

"جس طرح میں بنا رہا ہوں، اس طرح اور کس طرح؟"

ہندہ نے کہا: "میرا باپ بہت ایماندار ہے، تمہیں ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اس پر غلط قسم کے الزامات لگاؤ۔"

حجاج نے اسے بھی ڈانٹا۔ بولا: "واللہ میں ٹیڑھوں کو تنکے کی طرح سیدھا کر دیتا ہوں، میں بصرے سے واپس آکر باتیں کروں گا!"

وہ بصرے چلا گیا۔

جب بصرے سے واپس آیا تو کئی خوبصورت کنیزیں اس کے ساتھ تھیں، وہ ان پر بہت مہربان تھا۔ اس نے ہندہ کے سامنے ان سے محبت اور لگاوٹ کا سلوک کیا۔ ہندہ کی حصولیابی میں اسے جو مزاحمت پیش آئی تھی اس طرح وہ اس کا انتقام لے رہا تھا۔ حجاج کی ذہنی کیفیت کچھ عجیب ہی تھی۔ جس شے کو اس نے زر دشمن سے حاصل کیا تھا۔ اب اسے پاکر اس کی قدر و قیمت بھلا بیٹھا تھا۔ اب ہر ایسے اقدام پر مائل تھا جس سے ہندہ کو ذہنی اذیت پہنچ سکتی تھی لیکن سمجھدار ہندہ نے ضبط و تحمل کا عظیم الشان مظاہرہ کیا، وہ حجاج کے ہر حملے کو سکون

و دوراندیشی سے جھیل کر بے اثر کر دیتی جس سے حجاج کے جذبۂ انتقام میں اور زیادہ شدت پیدا ہو جاتی اور وہ ہندہ کو ستانے کے نت نئے طریقے سوچنے لگتا۔

حجاج ہندہ کے سامنے اسے نظر انداز کر کے کسی خاص کنیز میں دلچسپی لیتا اور جب ہندہ اٹھ کر جانے لگتی تو وہ اسے جبراً روک لیتا۔ وہ ہندہ کے بوڑھے باپ سے ایسی مشقت کراتا کہ نعمان کا کمزور جسم اس کا متحمل نہ ہو سکتا لیکن حجاج ذرا بھی نہ پسیجتا بلکہ الٹے شرمندہ اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے نعمان سے سختی کے ساتھ زکات کا حساب طلب کیا اور یہ دیانت دار انسان اس پر پورا اترا۔ اس نے نعمان کو کئی بار حساب کتاب کے ساتھ دمشق بھیجا اور اس جان لیوا سفر میں ہر بار بوڑھا نعمان بے حال ہو گیا۔ ہندہ یہ سب صبر و شکر سے برداشت کرتی رہی۔ اس کے دل میں معلوم نہیں کون بیٹھا یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ساری مصیبتیں ہنسی خوشی جھیل لے۔ صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خارجی سردار شبیب اسے کئی سال سے تنگ کر رہا تھا اور کئی معرکوں میں حجاج کی افواج کو شکست دے چکا تھا اور اس کے نامی گرامی سپہ سالار کام آ چکے تھے لیکن ایک دن دوپہر کے بعد ایک فوجی دستہ شبیب کی لاش خچر پر لادے ہوئے اس کے محل کے بڑے پھاٹک پر حاضر ہوا۔ حجاج کے لئے یہ اتنی بڑی خبر تھی کہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد اہمیت اور مسرت کے اعتبار سے کوئی دوسری خبر اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

اس نے ہندہ، نعمان اور دوسرے بہت سارے آدمیوں کو اس لاش کے گرد کھڑا کر دیا۔ لاش سے بدبو آنے لگی تھی۔ اس نے نعمان کو حکم دیا: "آگے بڑھ اور شبیب کا پیٹ چاک کر!"

نعمان کو تامل ہوا۔ حجاج نے سختی سے دوبارہ حکم دیا: "حکم کی تعمیل کر ورنہ میں تیرا پیٹ چاک کر دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے خنجر نعمان کی طرف اس طرح پھینکا کہ اگر وہ پھرتی سے ہٹ نہ جاتا تو اس کے سینے میں پیوست ہو جاتا۔

نعمان نے خنجر اٹھا لیا اور بجبر و کراہ شبیب کی لاش کے پاس کھڑا ہو گیا۔

حجاج چیخا: "حکم بجا لانے میں عجلت سے کام لے، ورنہ خود مرنے کے لئے تیار ہو جا!"

نعمان مجبوراً ناک سکیڑتا ہوا لاش پر جھکا اور خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔

حجاج نے پُر مسرت آواز میں کہا: "خوب اچھی طرح چیر دے، مجھے اس کا دل درکار ہے!"

نعمان نے پسلیوں میں بھی شگاف ڈال دیا۔

حجاج دیوانہ وار آگے بڑھا اور نعمان کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ نعمان خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ ہندہ کو خدشہ ہوا کہ حجاج شاید اس کے بوڑھے باپ کو قتل کر دینا چاہتا ہے۔ دوڑ کر باپ کے درمیان آگئی لیکن حجاج ان باتوں سے بے خبر اور بے نیاز خنجر لے کر شبیب کی لاش پر جھک گیا اور اس کی پسلیاں چیر چیر کر دل تلاش کرنے لگا اور دل پر نظر پڑتے ہی اسے نوچ کر باہر نکال لیا اور لاش کو پیروں سے روند ڈالا۔ اس کے بھاری پاؤں پسلیوں میں اتر گئے۔

لاش کو خوب اچھی طرح تہ و بالا کرنے کے بعد اس نے دل کو زمین پر دے مارا۔ دل گیند کی طرح اچھلا۔ سپاہیوں کو حکم دیا۔ دل اٹھا کر دوبارہ اس کے حوالے کیا جائے۔ اس نے اس دل کو خنجر سے چاک کر دیا اور اس وقت حجاج کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دل کے اندر سے ایک لٹو جیسی پتھریلی چیز برآمد کی۔

کسی سپاہی نے اس پتھریلی چیز کو دیکھ کر کہا: "شبیب کے سینے میں دل کی جگہ یہ پتھری تو تھا جس نے اسے اتنا جری اور شجیع بنا رکھا تھا!"

حجاج نے سپاہی کو حکم دیا: "شبیب کے اس مداح کو شبیب کے پاس پہنچا دیا جائے!"

ابھی اس کا جملہ پوری طرح ادا بھی نہ ہوا تھا کہ شبیب کے مداح کا سر جسم سے الگ ہو گیا۔

ہندہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ حجاج اس بات پر اس سے وہاں تو نہیں بولا لیکن اندر پہنچتے ہی ہندہ سے سوال کیا: "کیا تو میری خوشیوں کی دشمن ہے یا تجھے میری مسرتوں سے دکھ پہنچتا ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا: "میری زندگی میں اب خوشی کے لمحات ہی ہی کہاں۔ تمہاری خوشیوں پر نہ تو مجھے خوشی ہوتی ہے نہ غم۔"

"تو جھوٹی ہے!" حجاج نے کہا: "بار جب میں نے شبیب کے مداح کی گردن زدنی کا حکم دیا تو تو نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟"

ہندہ نے کہا: "اگر میں تمہاری طرح صاحبِ اختیار ہوتی تو تم سے یہ سوال کرتی کہ ظلم اور سفاکی کے موقع پر تم نے اپنی آنکھیں کھلی کس طرح رکھیں!"

حجاج نے چڑ کر کہا: "اے کاش تو ذرا احمق ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ تجھے یہ حاضر جوابی کہاں سے ملی؟"

ہندہ نے جواب دیا: "میرے اللہ کی طرف سے!"

حجاج نے کہا: "پھر لوگ میری سفاکی کی مذمت کیوں کرتے ہیں کیونکہ میں جو کچھ بھی ہوں اللہ کی طرف سے ہوں!"

ہندہ نے جواب دیا: "یہ تو غلط کہتا ہے۔ تجھ میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے نہیں شیطان کی طرف سے ہے جو تیری دنیا سنوارنے اور آخرت بگاڑنے میں سرگرم عمل ہے اور تیری آخری سانسوں میں تجھے تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائے گا!"

حجاج نے ایک بھرپور طمانچہ اس کے رخسار پر جڑ دیا جس سے ہندہ کا سر جھک گیا لیکن وہ روئی نہیں آنکھیں البتہ بھر آئیں۔

حجاج نے شور و غل مچاتے ہوئے کہا: "بخدا میں تیرے لئے ایک ایسی سزا کی سوچ میں ہوں جس سے تو زندگی بھر مرقعِ عبرت بنی رہے!"

ہندہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں زمین میں گڑو کر بیٹھ گئی۔

عبدالملک نے اسے دمشق طلب کیا۔ حجاج جب روانگی کی تیاریاں کر چکا تو اس نے ہندہ اور نعمان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اسے ان دونوں پر اعتبار نہ تھا۔ اس نے دمشق کے لئے دشوار گزار اور پیچیدہ راستہ اختیار کیا۔ دورانِ سفر ہندہ کو نظر انداز رکھا۔ کھانے پینے کا کوئی خاص خیال نہ کیا۔ کبھی جگہ نعمان کو حجاج کے اونٹ کی ساربانی کی خدمت انجام دینی پڑی۔ ہندہ محمل سے جھانک کر باپ کی مصیبتوں کو دیکھتی اور سسکیاں بھرنے لگتی۔ اس کی کنیزیں اسے تسلی تک نہ دے سکتی تھیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حجاج ان کے اس انسانی عمل سے خوش نہیں ہو گا۔ تند و تیز اور گرم ہوائیں اور ریت کے ذرات نعمان کو جھلسا دیتے۔ اسی عالم میں حجاج بار بار کوئی نہ کوئی چیز نیچے گرا دیتا اور نعمان کو اسے اٹھانے کا حکم دیتا۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے بوڑھی ہڈیاں جواب دے گئیں۔ ایک جگہ حجاج کا کوڑا اوپر سے ریت پر گرا اور

حجاج نے اسے اُٹھانے کا حکم دیا۔ بوڑھا نعمان اسے بے دلی سے اٹھانے کے لئے جُھکتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ ریت پر لیٹ گیا۔ حجاج نے گرد و پیش چلنے والے خدمت گار کو حکم دیا: "اس کام چور کو اُٹھا کر کھڑا کر دو!"

خدمت گار نے اسے اُٹھانا چاہا لیکن نعمان کھڑے ہونے کے بجائے اس کے بازوؤں میں جھولنے لگا۔ اس کی گردن خدمت گار کے سینے پر ایک طرف لڑھک گئی اور دونوں پیر ریت پر جمنے کے بجائے پھسلتے چلے گئے۔ بالکل اس طرح جیسے کسی مردہ آدمی کو سنبھالا جا رہا ہو۔

حجاج نے پوچھا: "کیا یہ بے ہوش ہو چکا ہے؟"

خدمت گار نے جواب دیا: "شاید یہی بات ہے کیونکہ اس کے تمام اعضا ڈھیلے پڑ گئے ہیں!"

حجاج نے اوپر ہی سے حکم دیا: "اس کی ناک پر اپنی ہتھیلی تو رکھنا کیا یہ سانس لے رہا ہے؟"

خدمت گار نے تھوڑی دیر تک اپنی ہتھیلی نعمان کے نتھنوں پر ٹھہرائے رکھی پھر مایوسی سے جواب دیا۔

"حضور والا! شاید یہ زندہ نہیں ہے!"

حجاج نے کہا: "انا للّٰہ۔"

خدمت گار نے پوچھا: "اس کے لئے اور کوئی حکم؟"

حجاج نے جواب دیا: "اس مصیبت کو یہیں رہنے دیا جائے، صحرا کی ریت اسے چھپا لے گی!"

لیکن جب ہندہ کو اس سانحے کا علم ہوا تو وہ چیخ مار کر رو دی اور محمل سے کود پڑنے کی کوشش کی۔ لیکن کنیزوں نے اسے سنبھالے رکھا۔

حجاج نے قافلے کو حکم دیا: "سفر جاری رہے!"

ہندہ نے چیخ کر کہا: "لیکن میں آگے نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہیں میرے باوا کے پاس چھوڑ دو!"

حجاج کی آواز پھر گونجی: "سفر جاری رہے!"

ہندہ کے محمل میں ایک ہنگامہ بپا تھا اور سفر دشوار ہو رہا تھا۔ کسی کنیز نے با آواز بلند کہا: "سردار سے کہو اس کی جنون خیزیاں ہمارے قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہیں!"

حجاج کو جب یہ پیغام ملا تو وہ ہندہ کے پاس آیا اور غصے میں پوچھا "تو کیا چاہتی ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا: "مجھے یہیں باوا جان کے پاس چھوڑ دو۔ میں آگے نہیں جاؤں گی!"

حجاج نے کہا: "ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میں خود بھی جانتا ہوں کہ تو زندگی بھر میرے ساتھ نہیں رہ سکتی لیکن جدائی کا ابھی وقت نہیں آیا۔"

"ظالم انسان!" ہندہ چیخ مار کر رونے لگی: "خدا کے غضب سے ڈر۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ زمین اور آسمان میں مظلوم کی آہ بھر کا فاصلہ ہے!"

حجاج نے غضبناک آواز میں کہا: "او دشمن خدا تو علیؓ کا نام احترام سے لیتی ہے!!"

"ہاں میں اس مقدس ہستی کا نام احترام ہی سے لوں گی کیونکہ اس نے جو کچھ کہا وہ ابدی اور دائمی صداقت بن گیا!"

حجاج دانت پیستا ہوا بولا: "اچھا پھر تو ذرا دم لے۔ میں تجھے عنقریب ایسی سزا دوں گا جو تجھے زندگی بھر یاد رہے گی اور لوگ تجھ سے عبرت حاصل کریں گے!"

ہندہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: "امورِ سیاست و شقاوت میں تو کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو لیکن اور معاملات میں تو نرا احمق ہے کیا تو نہیں جانتا کہ عبرت لوگ مظلوم سے نہیں ظالم سے حاصل کرتے ہیں اگر تیرے ظلم نے مجھے مرقع عبرت بنا دیا تو دیکھنے والی آنکھیں مجھ سے نہیں تجھ سے عبرت پکڑیں گی اور دلوں میں تجھ پر لعن طعن کریں گی۔"

حجاج نے تقریباً کسی پاگل کی طرح چیخ کر کہا: "گستاخ لڑکی! تیرا عبرتناک انجام تیرے سر پر سایہ فگن ہو چکا ہے۔ دمشق تیرا دار عقوبت ہے۔" پھر کنیزوں کو حکم دیا: "اسے پکڑ کر رکھو اسے ابھی مرنے نہیں دیا جائے گا!"

وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور قافلے کو حکم دیا: "سفر جاری ہے!"

قافلہ چل دیا۔ بوڑھے نعمان کی لاش پر سے اونٹوں کی قطاریں گزر گئیں ہندہ سسکتی رہی، روتی رہی۔

دمشق میں وہ جس شاندار محل میں اتری اس کے خدمت گار اور کنیزیں حجاج کے حکم پر کسی بدترین خلائق مجرم کی طرح اس کی نگرانی کرنے لگیں۔ حجاج عبدالملک کی خدمت میں موجود رہا۔ وہاں معلوم نہیں کن کن مسائل پر صلاح مشورے ہوتے رہے بعض معاملات پر حجاج ڈانٹا بھی گیا۔ مثلاً عبداللہ ابن زبیرؓ کی لاش کے سلسلے میں

عبدالملک نے اس سے ترشی سے کہا: "بدبخت! تجھے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش فوراً ہی ا
ماں کے حوالے کر دینی چاہیے تھی!"

حجاج نے عاجزانہ جواب دیا: "امیرالمومنین! کسی خطرناک باغی سے ابن ز
کی لاش جیسا سلوک کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے دوسرے سرکشوں کے
پست ہو جاتی ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ امیرالمومنین کی خیرخواہی میں کیا ہے۔"

عبدالملک نے کہا: "میں تیری وفاداری اور سیاست کا قائل ہوں لیکن
بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ جہاں بات سے کام چلتا ہو وہاں درّہ نہیں اٹھنا چا
اور جہاں درّے سے کام چل سکتا ہو وہاں تلوار نہیں اٹھنی چاہیے۔"

حجاج نے انکسار سے جواب دیا: "امیرالمومنین جو کچھ فرماتے ہیں میں
کی تائید کروں گا۔ لیکن یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ سیاست اور حکمرانی میں طاقت اور
سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں۔ دنیا کی ہر شے انہی کی تابع ہے۔ اسی ہتھیار سے ابن ز
کو زیر کیا گیا۔ اور یہی وہ حربہ ہے جس سے مشہور خارجی سردار شبیب زیر ہوا جو ا
حماقت سے دوسروں سے خود کو امیرالمومنین کہلوانے لگا اور پھر یہ طاقت اور تشدد
تو ہے جس سے لشکر اور کوفے کے سرکشوں اور منافقوں کو قابو میں کیا گیا ہے!"

عبدالملک نے کہا: "تو جیسا مناسب سمجھ کر تا رہ مجھے تجھ پر اعتماد ہے!"

ادھر سے فارغ ہو کر حجاج ہندہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت ہندہ نے سیا
لباس پہن رکھا تھا اور اس نے جس رومال سے اپنی کمر کس رکھی تھی اس کا رنگ بھی
کالا تھا۔ کالے لباس نے اس کے روشن چہرے کو حد درجہ حسین بنا دیا تھا۔ کالے
لباس اور سیاہ بالوں کے درمیان سرخ و سپید چہرہ ایسا لگتا تھا جیسے رات کے
اندھیرے سے شفق پھوٹ رہی ہو۔ حجاج بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

ہندہ نے اس کی آمد کو جیسے محسوس ہی نہ کیا۔ حجاج تھوڑی دیر تک اس
کے پاس کھڑا رہا اور اس بات کا امیدوار رہا کہ ہندہ اس کی طرف دیکھ کر ہمکلا
میں پہل کرے لیکن ہندہ نے اسے بالکل نظرانداز کر دیا۔

حجاج نے آہستہ سے کہا: "ہندہ! یہ تو نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟"

ہندہ نے جواب دیا: "اس لئے کہ دنیا میرے لئے ماتم کدہ بن
چکی ہے اور تمہارے اختیار اور اقتدار نے میرے ارمانوں اور خواہشوں
کو ہلاک کر ڈالا ہے!"

"تجھے اپنے بوڑھے باپ کی موت کا غم ہے؟"

"نہیں اس شخص کی موت کا اتنا غم نہیں ہے۔ تیرے ظلم کا میرا بوڑھا باپ
کوئی پہلا شکار تو تھا نہیں۔"

حجاج نے درشت لہجے میں کہا: "وہ بددیانت تھا۔ اس کی موت تو اس کے
حق میں ایک نعمت ثابت ہوئی اگر وہ زندہ ہوتا تو معلوم نہیں کیسی عبرتناک سزا
کا مستحق ٹھہرتا اگر وہ زندہ ہوتا تو ـــــ اس رسوائی اور سزا سے بچانے کے لئے اسے
میں خود ہی قتل کر دیتا! وہ خائن تھا۔"

ہندہ نے غصے میں کہا: "اب بابا جان تو اس دنیا میں موجود نہیں جو الزام
چاہے لگاتا رہ۔ لیکن یہ مت بھول کہ کل قیامت میں تیرا زور نہیں چلے گا اور تجھے
اپنے ظلم کا جواز اور الزام کی صداقت کا ثبوت دینا ہوگا۔"

حجاج نے نرمی سے کہا: "میں تجھے قتل کر سکتا ہوں لیکن ایسا نہیں
کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ تجھے پشیمان کروں اور اب تک تجھے جتنی اذیتیں دی گئی ہیں تو ان کے
خلاف نالہ و فریاد کرے لیکن تیرا ضبط و تحمل میرے غیظ و غضب میں اضافے کا باعث بن گیا
ہے جب تو میری کسی سزا کو خاموشی سے جھیل جاتی ہے تو گویا تو میری عریاں پشت پر ایک
زوردار تازیانہ رسید کر دیتی ہے اب یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل برداشت ہے!"

ہندہ نے کہا: "تب پھر تو مجھے طلاق کیوں نہیں دے دیتا۔ تاکہ ہم دونوں کا
مصیبت سے پیچھا چھوٹے!"

"میں تجھے طلاق دوں گا اور ضرور دوں گا لیکن اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ تو طلاق کے
بعد کسی اور سے شادی کرے گی تو یہ تیری سخت بھول ہوگی۔ تو ہمیشہ تنہائی کی لاوارث
زندگی گزارے گی اور ہر وہ ہاتھ جو تیری چاہت میں تیری طرف بڑھے گا اسے قلم کر دیا
جائے گا جو سر تیری طرف اٹھیں گے توڑ دیئے جائیں گے اور جس دل میں تو بسے گی اسے
شبیب کے دل کی طرح چیر کر پھینک دیا جائے گا۔"

ہندہ نے کہا: "طلاق کے بعد تنہائی اور لاوارثی کا عذاب اتنا بڑا نہیں ہوگا
جتنا تیری قربت اور نسبت سے میں اٹھا رہی ہوں۔"

اسی کشمکش میں کچھ دن اور گزر گئے۔ ایک دن دوپہر سے دو گھڑی پہلے ہندہ
کو اطلاع دی گئی کہ حجاج کا خادم خاص عبداللہ بن طاہر ہندہ کے لئے حجاج کا کوئی

خاص پیغام لے کر آیا ہے!

ہندہ نے اسے زنان خانے کے قریب کے کمرے میں بلا لیا۔ عبداللہ بن طاہر غمزدہ صورت لئے بیٹھ گیا۔

ہندہ اس کے سامنے چلی گئی۔ پوچھا: "ابن طاہر! خیریت تو ہے تم سوگوار کیوں..."

ابن طاہر نے افسوس سے کہا: "باہر دو اونٹوں پر دو لاکھ درہم لدے ہوئے ہیں

یہ آپ کا حق مہر ہے جو حجاج نے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے!"

ہندہ نے خوشی کو چھپاتے ہوئے پوچھا: "اور کچھ؟"

ابن طاہر نے جواب دیا: "حجاج نے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور زبانی دیا ہے کہ آپ کسی اور سے شادی نہیں کریں گی، اگر ایسا کریں گی تو اپنے ہونے والے شوہر کی موت کو دعوت دیں گی!"

ہندہ نے کہا: "اور کچھ؟"

اس نے جواب دیا: "اور یہ کہ آپ اسی وقت اس محل کو چھوڑ دیں کیونکہ طلاق ہو جانے کے بعد حجاج آپ کو اس محل میں نہیں دیکھنا چاہتا!"

ہندہ نے طنزاً پوچھا: "کیا وہ سنگ دل مجھ سے الوداعی ملاقات بھی نہ کرے گا!"

ابن طاہر نے جواب دیا: "حجاج کا خیال ہے کہ اس کا دل ناقابلِ تسخیر ہے ایک عورت تو اسے کسی طرح بھی زیر نہیں کر سکتی!"

ہندہ کے لئے دمشق میں کوئی اور ٹھکانا بھی تو نہ تھا۔ ذرا سی دیر کے لئے وہ پریشان ضرور ہو گئی لیکن پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی: "ابن طاہر! مجھے اس کے درہموں کی کوئی ضرورت نہیں تو نے مجھے میری زندگی کی جو عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے یہ دو لاکھ درہم میں تجھے اس کے نذرانے میں پیش کر رہی ہوں۔ مجھے اس ظالم کی دولت سے پناہ مانگتی ہوں!"

ابن طاہر کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی جھجک کر بولا: "تب پھر مجھ پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ میں فوراً ہی کسی اور جگہ آپ کے قیام کا بندوبست کر دوں!"

ہندہ نے کہا: "یہ دو لاکھ درہموں کا معاوضہ نہیں ہے لیکن میں بر دست ٹھکانا چاہتی ضرور ہوں اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے!"

ابن طاہر نے آہستہ سے کہا: "لیکن میری ایک درخواست ہے!"

"کہو۔ بیان کرو!"

ابن طاہر نے کہا: "میرے اس تعاون کا حجاج کو علم نہیں ہونا چاہیے!"

ہندہ نے اسے اطمینان دلایا کہ "تو مطمئن رہ!"

ابن طاہر نے اسی دن دمشق کے مشرقی علاقے میں ہندہ کی رہائش کا انتظام کیا اور ہندہ فوراً ہی اس میں منتقل بھی ہو گئی۔

حجاج کا یہ ایک غیر معمولی اقدام تھا۔ یہ داستان چھپی نہ رہ سکی حجاج کے ظلم اور ہندہ کے حسن ضبط اور حاضر جوابی کا چرچا پھیلنے لگا لوگ اس سے رجوع ہونا چاہتے لیکن حجاج کی دہشت انہیں بے بس کر دیتی۔ حجاج کے مخالفین نے نہایت ہوشیاری سے خبر عبدالملک تک پہنچا دی۔ اور ہندہ کے حسن و جمال کا کچھ ایسا نقشہ کھینچ کر ... نے بے ساختہ پوچھا: "کیا وہ بہت زیادہ حسین ہے؟"

مصاحب نے عرض کیا: "امیر المومنین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں نہ صرف حسین بلکہ حاضر جواب اور ذہین بھی۔ اتنی ذہین کہ اس کی دوسری کوئی مثال بھی نہ ملے گی!"

عبدالملک نے اپنی کنیزوں کے ذریعے ہندہ کے بارے میں ساری معلومات جمع کر لیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندہ ایک دُرِ نایاب ہے جسے نااہل اور قدر ناشناس حجاج نے اپنی بدمذاقی سے کھو دیا۔ عبدالملک نے ہندہ کو ایک خط لکھوایا۔ اس کے کاتب نے لکھا۔

"ہندہ! امیر المومنین نے تیرے حسن و جمال اور ذہانت کا شہرہ سن کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ تو ان کے حرم کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کرے!"

ہندہ نے نہایت دانائی سے جواب لکھا۔

"امیر المومنین کے لئے اس کنیز کی جان تک حاضر ہے لیکن کنیز یہ چاہتی ہے کہ امیر المومنین جو کچھ چاہتے ہیں اس کا خود ہی اظہار فرما دیں۔ یہ کنیز معلوم نہیں کیوں یہ ناپسند کرتی ہے کہ کنیز اور امیر المومنین کے مابین حاجب جیسی کوئی تیسری شخصیت بھی حائل ہے۔"

اس بار عبدالملک نے خود خط لکھا۔

"میں تیری شرط پوری کر رہا ہوں۔ میں چاہوں تو جبر سے بھی کام لے سکتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے۔ ایک حکمران کی حیثیت سے جبر اور ظلم سے تجھے نہیں اپنا سکتا!"

ہندہ نے جواب دیا۔

"امیر المومنین نے اپنے موقر نامے میں جس شرط کا ذکر فرمایا ہے وہ ... نہیں درخواست تھی کنیز کی۔ تو امیر المومنین سے اپنی وابستگی کو سرمایۂ فخر و انبساط سمجھے گی لیکن جیسا کہ خود امیر المومنین کو بھی علم ہوگا کہ یہ کنیز مردم گزیدہ ہے ... آدمیوں ستمگاروں سے بہت خوف لگتا ہے کنیز کا پہلا تجربہ اتنا تلخ اور سوہانِ روح تھا کہ اب بھی جب اس دور کو یاد کر لیتی ہوں تو میری بھوک پیاس اڑ جاتی ہے اور میں اپنا سکھ چین تک کھو بیٹھتی ہوں، ان حالات میں اب کسی دوسرے تجربے کی کنیز خود میں ہمت نہیں پاتی۔ ورنہ یوں تو امیر المومنین کو اپنی رعایا پر اختیار حاصل ہے یہ کنیز چند لمحوں میں داخل حرم ہو سکتی ہے!"

عبدالملک دل ہی دل میں ہندہ کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔ اس نے ... لکھا

"تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو، میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ معمولی سی بات ضرور معلوم ہوگی کہ دنیا کا ہر شخص حجاج نہیں ہے، اس نے اب تک جو بھی ... تشدد اور ظلم کا قدم اٹھایا ہے اس میں خلافت کی فلاح و بہبود ضرور کارفرما ہوگا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس نے بعض کو ... بغض و عناد کا نشانہ بھی بنایا ہوگا اور واسطہ اس کی سزا بھی ملنی چاہیے ... خلافت اس کے اس نوع کے جرائم کی طرف سے اس لئے چشم پوشی اختیار ... کہ استحکام خلافت میں حجاج کا زبردست ہاتھ ہے حرم خلافت تیری ... کے لئے کھلا ہے، جب بھی چاہے آ سکتی ہے۔"

اس خط و کتابت سے ہندہ کا چلوؤں خون بڑھ رہا تھا وہ حجاج کی گرفت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکلی جا رہی تھی۔ ہندہ نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلا دیا۔ اس نے عبدالملک کو لکھا۔

"امیر المومنین چونکہ اس کنیز پر بے حد مہربان ہیں اس لئے درخواست ہے کہ جب میں امیر المومنین کے حبالۂ عقد میں آ جاؤں اور میرا محمل کھڑا ہو تو اس کی ... کی خدمت حجاج ابن یوسف پاپیادہ انجام دے۔ میں نے اپنے اللہ سے یہ منت رکھی ہے اور امیر المومنین کی وساطت سے اپنی یہ منت پوری کرنا چاہتی ہوں۔"

عبدالملک نے ہندہ کے اس آخری خط کی پشت پر حجاج ... حکم لکھ دیا :-

"منجانب عبدالملک بن مروان امیر المومنین خلافت اسلامیہ و بنو امیہ
بنام حجاج بن یوسف ثقفی، عامل عراقین!
تجھے اس تحریر کے ذریعے حکم دیا جاتا ہے کہ امیر المومنین کی ہونے والی حرم ہندہ بنت نعمان کے اونٹ کی ساربانی پر تجھے متعین کیا گیا ہے اس روز تیرا یہ فرض ... کہ تو ساربانی کا فریضہ پیادہ پا ادا کرے۔"

حجاج نے جب یہ فرمان پڑھا تو سناٹے میں آ گیا اور اس نے عبدالملک کو مطلع کر دیا کہ فرمان عالی سے غلام مطلع ہوا حسب الحکم فرمان کی تعمیل ہوگی!"

جب ہندہ کو یہ معلوم ہوا کہ عبدالملک نے اس کی درخواست قبول کر لی ... اور حجاج کو اس کے محمل کی پیادہ پا ساربانی کی خدمت کا حکم صادر فرما دیا گیا ہے تو بے اختیار سجدے میں گر گئی۔

اس لاوارث لڑکی کے لئے قصر خلافت سے کنیزوں اور خدمت گاروں کا ایک پرا نازل ہو گیا اور اس نے اسے دلہن بنا دیا۔ جب شادی کی مروجہ رسوم ادا کی جا چکیں تو محمل بردار اونٹ دروازے پر کھڑا کر دیا گیا۔ پیادہ پا حجاج ابن یوسف کے ہاتھ میں اس کی مہار تھی۔

خدام نے شور مچایا "ملکہ عالیہ تشریف لا رہی ہیں اونٹ بٹھایا جائے!"

حجاج نے اونٹ بٹھا دیا۔

ہندہ کنیزوں کی مدد سے محمل کے اندر چلی گئی دو کنیزیں اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد جب اونٹ قصر خلافت کی طرف روانہ ہوا تو ہندہ ماضی میں چلی گئی اور حجاج کے مظالم یاد کر کے مغموم ہو گئی لیکن انہی لمحات میں کسی نے اس کے کان میں کہا "اس وقت تیری حیثیت اس مچھر جیسی ہے جس نے نمرود جیسے حکمران کو اس کے اپنے ہی خدام سے جوتے کھلوا دیئے تھے۔"

ہندہ ہنسنے لگی، پھر ذرا اونچی آواز میں اپنی کنیزوں سے کہنے لگی "تم جانتی ہو، میں کہاں جا رہی ہوں؟"

کنیزیں اس کے مہمل سوال پر اس کا منہ تکنے لگیں۔

ہندہ نے خود ہی جواب دیا "میں وہاں جا رہی ہوں جہاں ظالموں

کی تلواریں میرا پیچھا نہیں کر سکتیں اور لمبے ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

حجاج ہندہ کا طنز محسوس کر رہا تھا لیکن صبر و شکر کے سوا چارہ نہ تھا۔

ہندہ نے سونے کے چند سکے (دینار) نیچے گرا دیئے اور حجاج کو آواز دی "او ساربان! میرے چند درہم (چاندی کے سکے) نیچے گر گئے ہیں۔ ذرا اٹھا تو دینا۔"

حجاج نے اونٹ کھڑا کر دیا اور پیچھے واپس آ گیا۔ وہاں سے دینار اٹھا لایا۔ پھر محمل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا "ملکۂ عالیہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے گرنے والے سکے درہم نہیں دینار ہیں!"

ہندہ نے دینار لے لئے اور اپنی کنیز سے کہنے لگی "میرا خدا بھی کتنا کارساز ہے کہ گرے تو تھے چاندی کے سکے لیکن بن گئے سونے کے سکے۔ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے!"

ہندہ نے اسے بار بار سکے اٹھانے کی زحمت دی، حجاج جھکتے جھکتے دہرا ہو گیا لیکن ملکۂ عالیہ کی بجا آوری خدمت میں کوتاہی کسی طرح بھی نہ دکھا سکتا تھا جب بھی حکم ملتا جھکتا اور گرنے والی چیز ملکہ عالیہ کے حوالے کر دیتا۔

ہندہ نے ہنستے ہوئے اپنی کنیزوں سے کہا "اے کنیزو! کیا تمہیں ایک دانا و بینا فلسفی کا یہ نظریہ معلوم ہے؟"

کنیزوں نے یک زبان پوچھا "کون سا نظریہ؟"

ہندہ نے جواب دیا "یہ کہ دنیا کی ہر شے طاقت کی تابع ہے!"

"بے شک، بے شک!" کنیزوں نے پڑھے پڑھائے اور رٹے ہوئے لوگوں کی طرح جواب دیا۔

حجاج کے لئے یہ سب بالکل ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا اسے موقع پر بصرے کا وہ ستر سالہ بوڑھا یاد آیا جس نے مرتے وقت حجاج سے غائبانہ متعارف کرایا تھا اور مرنے سے پہلے مدہوش ہو کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ "وہ ایک ایسا فتنہ ہے جو تیرے سارے کس بل نکال دے گی!"

حجاج کو چکر سا آ گیا۔ خود بخود بول اٹھا "او بوڑھے! تو کہاں ہے؟ تیری روح میرے آس پاس موجود ہے کیا تو ولی تھا۔ دیکھ تیرا آقا حجاج کس کا شکار ہو گیا ہے۔"

ہندہ نے محمل سے جھانک کر دیکھا اپنی کمر کو ایک کپڑے سے کسے ننگے پیروں پر گرد کی تہہ جمائے اونٹ کی مہار تھامے حجاج بن یوسف معصوم صورت کے ساتھ یوں چل رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ساربانی کی خدمات انجام دیتا چلا آیا ہے اور اس سے کبھی ایک چڑیا تک مارنے کا ظلم سرزد نہیں ہوا۔

بھورے رنگ، میانہ قد اور دراز ریش عبدالملک نے اکیس سال دو ماہ دس دن حکومت کر کے باسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا اور اس کی جگہ چپٹی ناک، گندم گوں، دراز قد اور چیچک منہ داغ بتیس سالہ ولید برسر اقتدار آیا۔ عبدالملک نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے ولید کو حجاج کے بارے بطور خاص وصیت کی تھی کہ اس کا خاص احترام کیا جائے اور تند خو اور گرم مزاج بیٹا باپ کی وصیت پر پوری طرح کاربند رہا۔

حجاج اپنے آباد کردہ شہر واسط میں مقیم تھا اور عراق کی گورنری پر فائز ہوئے بیس سال گزر چکے تھے کہ اسے پیٹ کی بیماری کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اس کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے جو اسے شب و روز تنگ کرتے اور حجاج جیسا شقی القلب اور قوت برداشت کا انسان بھی اس کی تکلیف سے چیختا رہتا اور بالآخر وہ اسی مرض اور اذیت سے چل بسا۔ جب وہ مرا ہے تو متفق الرائے اعداد و شمار کے مطابق، میدان جنگ کے سوا حالت امن کی آبادیوں میں وہ ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کے قتل کا مرتکب ہو چکا تھا اور واسط کے سیاسی قید خانے میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں حجاج کے ظلم و شقاوت سے، سردی گرمی سے غیر محفوظ، بدترین غذا اور بدبودار پانی کے سبب سسک سسک کر جی رہے تھے۔

اس کے انتقال پر ہندہ اس کی لاش پر پہنچی۔ اس وقت وہ کفن میں لپٹا پڑا تھا۔ ہندہ نے اس ظالم اور بھیانک انسان کے مکروہ چہرے کو آخری بار دیکھا اور برجستہ چند شعروں میں اپنے واردات

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

قلبی کا اظہار کیا۔

"او کفن میں لپٹے ہوئے مجبور اور لاچار انسان! میں تجھے یہ بتلانے آئی ہوں کہ تیرے مرنے سے میری اور دنیا والوں کی آنکھوں نے ٹھنڈک پائی۔ تو راندۂ درگاہ عزازیل (شیطان) کا بہترین ساتھی تھا لیکن تو کتنا بدنصیب ہے کہ جب تو مرا تو تیرے بہترین ساتھی عزازیل نے بھی تجھے تنہا چھوڑ دیا۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

چاند کا خلا

مہدی عباسی کے عہد کی داستان فتنہ و فساد
اس نے الوہیت کا دعوےٰ کیا اور اپنے آس پاس سادہ
لوح معتقدین کا ایک شہر آباد کر دیا۔ پھر اس شہر کے لیے اس
نے چاند تخلیق کیا، جو ہر روز شام کو طلوع ہو کر صبح غروب ہو جاتا

دلچسپ اور حیرت انگیز تاریخی داستان، ایک اور
حسن و عشق کے ساتھ۔

چاند کا خدا

وہ کوہستانی سلسلہ جو کابل، بلخ، مرو اور نیشاپور تک شرقاً غرباً پھیلا ہوا تھا، درمیان میں بحیرۂ خزر کے آجانے سے جنوب میں خم کھا کر دورے ہوتا ہوا آذربائیجان میں داخل ہو گیا تھا اور یہاں وہ ایک بار پھر جنوب میں بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ بحیرۂ خزر کے جنوب مشرق اور نیشاپور سے ذرا اوپر شمال میں بورگر نامی ایک قصبہ آباد تھا۔ اس کی کل آبادی بمشکل دس بارہ ہزار تھی۔ یوں تو اس قصبے میں مختلف عقاید و مذاہب کے لوگ آباد تھے لیکن ان میں دو مذہبوں کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ ایک تو وہ جو مسلمان کہلاتے تھے اور محمدؐ کو خدا کا بندہ اور آخری نبی مانتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ و ایمان تھا کہ اگر رسول اللہ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ ان مسلمانوں کے مقابل یہاں جو دوسرا مذہب اپنا دائرۂ اثر بڑھا رہا تھا وہ سفید جامیان کے لوگ تھے۔ پہلے یہ لوگ بھی مسلمان تھے لیکن بعد میں انہوں نے مرو کے جھوٹے مدعی نبوت و الوہیت ہاشم کا دین اختیار کر لیا جو تاریخوں میں مقنع کے نام سے مشہور ہوا۔ سفید جامیان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے پہلی بار آدم کی شکل میں ظہور کیا۔ اس کے بعد وہ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ میں حلول ہو کر ظاہر ہوتا رہا۔ ان کے بعد خدا عرب میں حضرت محمدؐ کی شکل میں نمودار ہوا اور آخر میں وہ ابومسلم خراسانی کے جسم میں حلول کر گیا اور ابومسلم خراسانی کے بعد خدا نے مرو کے عجیب و غریب باشندے ہاشم کی شکل میں ظہور کیا ہے۔ یہ ہاشم پہلے ابومسلم خراسانی کی فوج کا ایک جرنیل تھا اور بغداد کی خلافت عباسیہ سے تنخواہ پاتا تھا۔ اس نے ابومسلم کی زندگی میں اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی ہمت نہ کی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تند خو اور غیر معمولی انا کا حامل ابومسلم اسے اس دعوے کو کبھی بھی نہ مانتا۔ مگر جب عباسی خلیفہ جعفر منصور نے ابومسلم کو قتل کرا دیا تو ہاشم مرو واپس چلا آیا اور یہاں اس نے پہلی بار یہ اعلان کر دیا کہ خدا اس میں حلول کر چکا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ خلافت عباسیہ اور مسلمانوں سے ابومسلم کے خون کا بدلہ لیا جائے اور مقنع (ہاشم)

Scanned and Uploaded by Muhammad Nadeem

کے دین کو چاروں طرف پھیلا دیا جائے۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس مذہب نے دریائے جیحون و سیحون کے دو آبے کو لپیٹ میں لے لیا اور مرو سے سمرقند و کش تک اس کے مراکز قائم ہو گئے۔ بحیرہ خزر کا شرقی ساحلی شہر برگر بھی اس کے زیر اثر آنے لگا۔ یہاں کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور دونوں کی کشمکش و مزاحمت نے جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لی۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں، ایک کائنات میں دو خدا اور ایک ہی وقت میں رات اور دن یکجا نہیں رہ سکتے، اسی طرح برگر میں بیک وقت مسلمان اور سفید جامیان کس طرح اپنا تسلط اور اثر و اقتدار قائم رکھ سکتے ہیں۔

لیکن مقنع کے پیرو سفید جامیان یہ کہتے تھے کہ ان کے پیغمبر مقنع کے ظہور کے بعد خدا نے اسلام کو منسوخ کر دیا ہے اور جب خدا خود ہی مقنع کی شکل میں ظاہر ہو کر اسلام کو باطل قرار دے رہا ہے تو اس کے بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے بعد بھی منسوخ شدہ دین پرست رہ کر اپنی دنیا خراب کریں۔ وہ آخرت کا نام یوں نہیں لیتے تھے کہ ان کے دین میں آخرت کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جب نئی تحریکیں چلتی ہیں اور لوگوں میں نئے عقاید داخل ہوتے ہیں تو معاشرے میں گھر گھر ایک ہلچل مچ جاتی ہے۔ ایک ہی خاندان کے کچھ لوگ نئے عقاید اختیار کر کے ہنگاموں کا آغاز کر دیتے ہیں۔ برگر کا سب سے با اثر اور ذی اقتدار خاندان بھی اس لپیٹ میں آ گیا۔ اس خاندان کا سربراہ نصر یہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی جعفر اسلام چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو جائے۔ ایک ہی ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے دو بیٹے عقائد کی دو مختلف شاہراہوں پر گامزن ہو چکے تھے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی مخالفت کی، خاندان کے دوسرے لوگ بھی مداخلت سے باز نہ رہ سکے اور ان میں سے زیادہ تر لوگ تو نصر کی طرف ہو گئے اور کچھ نے جعفر کا ساتھ دیا۔ اس گروہ بندی میں ایک بات صاف نظر آتی تھی کہ نصر کا جن لوگوں نے ساتھ دیا وہ سارے وہی لوگ تھے جنہیں اسلام اور اسلام کے بانی سے غیر معمولی انس تھا اور جو جعفر کے طرفدار ہو گئے تھے ان میں خاندان کے وہ لوگ تھے جن کے ساتھ اہل خاندان نے زیادتیاں کی تھیں اور جو مسلسل معاشی ناانصافیوں کا شکار ہوتے رہے تھے۔ یہ لوگ خود کو خاندان سے کچھ الگ تھلگ سا محسوس کرتے رہے تھے اور جب انہیں ایسا موقع میسر آ گیا کہ وہ علی الاعلان نمایاں طور پر خود کو متمول اور خوشحال خاندان سے الگ کر لیں تو انہوں نے مقنع کا دین اختیار کر کے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس اختلاف کا سب سے برا اثر نصر کے بیٹے لیث اور جعفر کی بیٹی بنوقہ پر پڑا۔ بنوقہ ایران کے ایک نام بانو کا ماوراءالنہری تلفظ تھا۔ عقائد کی

دیواروں نے دونوں گھروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ باپ نے بیٹے پر پابندی عاید کر دی کہ اب وہ بنوقہ سے نہیں ملے گا۔ دوسری طرف بنوقہ کے باپ نے بیٹی کو چھوٹ دے دی کہ اگر کسی طرح وہ لیث کو اپنی محبت سے قابو میں لا سکتی ہے تو ضرور لائے کیونکہ اس طرح وہ سفید جامیان میں ایک شخص کے اضافے کا ثواب حاصل کر لے گی۔

بنوقہ گھر میں بیٹھی لیث کی اچانک آمد کی منتظر رہتی۔ وہ اچھے لباس پہن کر بالوں کو شانوں پر بکھیر دیتی۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے بارہا اپنی جاذبیت اور دلکشی کو خود اپنی نظروں سے دیکھا اور مسکراتی ہوئی شرمسار ہو گئی۔ گویا اس کا والہانہ انداز میں اسے لیث نے دیکھ لیا ہو۔ یہ روش کئی ماہ جاری رہی لیکن لیث نہیں آیا۔ پھر خبر دینے والوں نے یہ اطلاع دی کہ لیث پر باپ کا دباؤ ہے۔ اور عام حالات میں اس کا بنوقہ تک آنا ناممکن ہے۔ پھر یہ بھی خبر ملی کہ لیث بہت اداس ہے اور اکثر وبیشتر وہ بحیرہ خزر کے ساحل پر گم صم اداس اداس پھرتا رہتا ہے۔ بنوقہ کے لیے یہ ایک بہترین خبر تھی۔ اس نے کاشغر کی راہ سے آیا ہوا چینی کا ریشمیں لباس پہنا اور چہرہ نما کرتے کو کمر کے گرد قیمتی ریشمی رومال سے کس کر باندھ لیا جس سے کرتے کا بالائی حصہ جسم سے چپک گیا اور اوپر کے نشیب و فراز قیامت کی طرح ہو گئے۔ عام رواج سے کچھ زیادہ کھلا گلا کہ وہ سینوں میں دودھ کی نہر کی طرح دمکنے لگا۔ لمبی زلفوں کو رومال میں چھپا لیا۔ چہرے پر چینی غازہ ملا اور لباس کو بھینی بھینی خوشبو سے معطر کیا۔ ماں نے یہ تیاریاں جو دیکھیں تو دریافت کیا۔ "بنوقہ یہ تیاریاں کس کے لیے؟"

بنوقہ نے جواب دیا۔ "اس شخص کے لیے جو ابھی تک گمراہ ہے لیکن اس کی گمراہی مستقل نہیں۔"

ماں نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور پوچھا "کیا وہ یہاں آنے والا ہے؟"

"نہیں۔" بنوقہ نے آئینے میں اپنے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپا پر نظریں ڈالیں اور مدہوشی کے عالم میں آنکھیں بند کرتی ہوئی بولی۔ "وہ یہاں نہیں آئے گا بلکہ میں خود اس کے پاس جاؤں گی۔"

ماں نے اس سے اختلاف کیا۔ بولیں۔ "جب وہ خود نہیں آتا تو تو وہاں کیوں جائے گی؟"

بنوقہ نے جواب دیا۔ "جب خدا خود مقنع میں حلول کر کے انسانوں میں آ سکتا ہے تو لیث کے پاس میرا پہنچ جانا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔" پھر آنکھیں کھول کے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور ان کے گلے میں باہیں ڈال کے لپٹ گئی اور محبت اور خوشامد کے ملے جلے انداز میں کہا۔ "ماں! لیث کے پاس میں اپنے لیے نہیں جا رہی ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ جس سے میں محبت کرتی ہوں وہ گمراہ رہے۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ماں نے پوچھا: "لیکن وہ تجھے ملے گا کہاں؟"

بنوقہ نے جواب دیا: "بحیرۂ خزر کے ساحل پر۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آجکل وہ اداس اداس سمندر کے ساحل پر پھرتا رہتا ہے۔"

ماں نے لیث پر لعنت بھیجی۔ "آدمی کی بہادری دو جگہ دیکھی جاتی ہے، میدانِ جنگ میں یا میدانِ محبت میں۔ میدانِ محبت میں تو وہ بزدل نکلا، میدانِ جنگ کا پتہ نہیں۔"

بنوقہ جانے کے لیے تیار ہو چکی تھی، بولی: "ماں! وہ ایسا نہیں ہے۔ اسے آبائی مذہب اور والدین کی محبت نے روک رکھا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اسے بہادر بنا لوں گی اور لیث میرے لیے سب کچھ چھوڑ دے گا۔"

ماں نے مجبوری سے کہا: "جیسی تیری مرضی لیکن تو تنہا نہیں جائے گی۔ خداوند مقنع کے چند مبلغ آئے ہوئے ہیں تو ان میں سے ایک کو اپنے ہمراہ لے جا سکتی ہے۔"

بنوقہ نے جواب دیا: "لیکن ایک شرط پر!"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ وہ مبلغ مجھے لیث سے بات کرنے کا موقع مہیا کرے گا۔ وہ مجھ سے ذرا دور رہے گا اور جب تک میں خود اسے اپنے پاس نہ بلاؤں وہ نہیں آئے گا۔"

ماں نے ہنستے ہوئے پیار سے کہا: "بنوقہ! کیا تو مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے؟"

بنوقہ ماں کی بات نہیں سمجھی۔ وہ کچھ کہے بغیر کہیں چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب واپس آئیں تو ایک پچیس چھبیس سالہ نوجوان ان کے ساتھ تھا۔ اس کی بھری بھری سیاہ داڑھی، گول سرخ و سفید چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ قد میانہ، صحت بہت اچھی، چہرے پر شوخی اور سنجیدگی کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ ماں نے بنوقہ سے اس کا تعارف کرایا۔ "بنوقہ! ان سے ملو۔ اس کا نام زبیر ہے۔ خداوند مقنع نے بخارا میں اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جن لوگوں کو بھیجا ہے ان میں زبیر سب سے کم عمر مبلغ ہے لیکن علم اور گفتگو میں یہ اپنے عمر رسیدہ ساتھیوں پر فوقیت رکھتا ہے۔"

بنوقہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ زبیر کا تعارف اتنے ذوق و شوق سے کیوں کرا رہی ہیں۔

ماں نے زبیر سے کہا: "یہ میری بیٹی بنوقہ ہے۔ یہ اپنے چچا کے بزدل بیٹے لیث کو پسند کرتی ہے۔ اگر یہ میری رائے لیتی تو میں اسے کچھ اور مشورہ دیتی۔" پھر زبیر اور بنوقہ کو یکے بعد دیگرے دیکھ کر مسکرائی، کہنے لگی: "مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر یہ ایک بے دین کو خداوند مقنع کے دین میں لے آئے لیکن اگر اپنے ارادے میں یہ ناکام رہی تو زبیر تم وہی کرو گے جس کا میں نے اپنے

دل میں ارادہ کر لیا ہے۔"

بنوقہ ماں کی باتیں کچھ بھی نہیں سمجھی۔ حالانکہ ماں کا ارادہ یہ تھا کہ اگر بنوقہ زبیر کو ساتھ لے کر لیث کے پاس جائے گی تو اس کا جو نتیجہ بھی نکلے گا وہ فیصلہ کن ہوگا۔ انسانی نفسیات کے پیش نظر لیث بنوقہ کے ساتھ زبیر کو دیکھ کر ایک رقابت محسوس کرے گا اور بنوقہ کو پانے یا اپنانے کا جو فیصلہ تذبذب کا شکار ہو سکتا تھا اس طرح فی الفور ہو جائے گا۔ یا تو لیث بنوقہ کے حق میں فوراً فیصلہ کر کے خداوند مقنع کا مذہب اختیار کر لے گا یا پھر فوراً پیچھے ہٹ کر بنوقہ کو زبیر کے لیے چھوڑ دے گا۔ اسے زبیر پسند تھا لیکن لیث اگر اس کے دین میں شامل ہو جائے تو پھر زبیر کے مقابلے میں لیث قابل ترجیح تھا۔

راستے بھر زبیر اور بنوقہ باتیں کرتے رہے۔ زبیر نے خداوند مقنع کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن اسے خداوند کا قرب ضرور حاصل رہا تھا۔ بنوقہ کو خدا کے بارے میں چند متضاد باتیں معلوم ہوئیں۔ زبیر کی باتوں سے مقنع بیک وقت پیغمبر بھی تھا اور خدا بھی جس نے انسان میں حلول ہو کر مادی جسم اختیار کیا لیکن اپنے چہرے پر سنہری نقاب ڈال کے اپنے چہرے کے ضیا پاشیوں سے انسانوں کو اس لیے محفوظ رکھا کہ وہ اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ زبیر نے بتایا کہ خداوند مقنع کا قول ہے کہ جب موسیٰ اس کے جلووں کی تاب نہ لا سکے تو عام انسانوں میں اتنا ظرف اور حوصلہ کہاں کہ وہ اس کے جلووں کی تابش اور چہرۂ منور کی ضوفشانی و چمک کی تاب لا سکیں۔

اور اس مختصر سے سفر میں اسے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بنوقہ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ عنقریب کیش چلی جائے گی جہاں خداوند مقنع نے مستقل سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ بنوقہ نے سوچا۔ "اے کاش! لیث بھی اس کے دین میں آ کر اس کی ہم سفری اختیار کرے۔"

ساحل پر بہت سے لوگ ادھر ادھر گھومتے پھر رہے تھے۔ ان سینکڑوں انسانوں میں لیث کو پہچان لینا بنوقہ کے لیے دشوار بات نہ تھی۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کے لیث کو تلاش کیا۔ وہ ایک مختصر سی پہاڑی چٹان کے سائے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر لیث کا گھوڑا بار بار دم ہلا کے اور پیر کو زور زور سے زمین پر پٹک کے مزید مکھیوں کو اڑا رہا تھا۔ بنوقہ نے زبیر سے درخواست کی۔ "زبیر! میں جس سے ملنے آئی ہوں وہ سامنے پہاڑی چٹان کے سائے میں بیٹھا ہے۔ کیا تم مجھے اس سے بات چیت کا موقع دو گے؟"

زبیر نے جواب دیا۔ "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

زبیر اسے چھوڑ کے ساحل کے جنوبی حصے میں چلا گیا۔

بنوقہ آہستہ آہستہ چوروں کی طرح قدم اٹھاتی بالکل اس کے عقب میں پہنچ گئی۔ اس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نے دیکھا۔ لیث کے سامنے ریت پر بہت سارے کیکڑے متحرک پڑے ہیں اور لیث انہیں بڑے انہماک سے دیکھ رہا ہے۔ سمندر کی پُرشور موجیں تیزی سے ان کے قریب آتیں اور جھاگ اڑاتی واپس چلی جاتیں۔ بوزتو اس کے پیچھے دیر تک کھڑی رہی۔ وہ لیث کی ایک بات پر بہت حیران تھی۔ سمندر کی موجیں جب بھی کیکڑوں کی طرف آتیں لیث کی کچھ عجیب سی کیفیت ہو جاتی۔ ایسا لگتا جیسے دم بخود ہو کے اس نے اپنی سانس روک لی ہو، بالکل اس تماشائی کی طرح جو کسی سنسنی خیز منظر کو بے چین ہو کے نتیجے کے انتظار میں اپنی سانس روک لیا کرتا ہے لیکن جب یہ موجیں واپس چلی جاتیں تو لیث مایوس ہو کے زور زور سے سانسیں لینے لگتا۔ لیث کو کچھ پتہ نہ تھا کہ اس کے پیچھے بوزتو کھڑی ہے۔

بوزتو نے اس کی محویت کو ختم کرنے کے لیے آہستہ سے اس کے بائیں شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ لیث نے چونک کے پیچھے دیکھا اور بوزتو کو خلافِ امید کھڑا دیکھ کے حیران رہ گیا۔ بے چینی سے اٹھ کے کھڑا ہو گیا، بولا۔ "بوزتو! خدا کی قسم! میرا دل یہ کہتا تھا کہ تم میرے پاس ضرور آؤ گی۔"

بوزتو نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "اور میرا دل یہ کہتا تھا کہ میرے پاس ایک بار بھی نہیں آؤ گے۔"

لیث نے افسوس سے کہا۔ "تم لوگوں نے کام ہی ایسا کیا ہے کہ میں وہاں نہیں آ سکتا۔ تم سب نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے کفر و الحاد کو اختیار کیا۔ اس کفر و الحاد کی دیوار کو گرا دینا کم از کم میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

بوزتو نے جواب دیا۔ "کیا دو مختلف عقیدوں کے لوگ آپس میں میل جول نہیں رکھتے۔ کیا مسلمانوں اور عیسائیوں میں راہ و رسم نہیں ملتی؟ اس شہر میں آتش پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ کیا ان دونوں میں میل ملاقات نہیں پائی جاتی؟"

لیث لاجواب ہو گیا۔ بوزتو نے افسوس مگر پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میری ماں کہتی ہے کہ تم ایک رذیل انسان ہو اس لیے میں تمہیں اپنے دل سے نکال دوں۔ ماں نے میرے لیے ایک دوسرے نوجوان کا انتخاب کر لیا ہے اور وہ جوان اس وقت بھی میرے ساتھ ہے۔ میری ماں کا حکم تھا کہ میں تم سے ملاقات کے دوران اسے بھی اپنے قریب رکھوں لیکن میں نے ان کا کہنا نہیں مانا اور اس نوجوان کو تمہارے پاس آنے سے منع کر دیا اور الگ تم ہو کہ ساحلِ سمندر پر بیٹھے موجیں گن رہے ہو اور مجھ سے زیادہ ان کیکڑوں میں دلچسپی لے رہے ہو۔"

یہ کہتے کہتے بوزتو کا دل بھر آیا۔ اس نے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسی دوران سمندر کی تیز موجیں اتنی بڑھ آئیں کہ ان دونوں کے پیروں کو چھو کر واپس چلی گئیں۔ ساحل کے

سارے کیکڑے موجوں کے ساتھ واپس سمندر میں چلے گئے تھے۔ لیث اس منظر سے بہت لطف اندوز ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس نے فرطِ خوشی میں بوزتو کے ہاتھ پکڑ لیے، بولا۔ "اب مجھے تم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ میں بڑی دیر سے بیٹھا اسی شگون کا منتظر تھا۔"

بوزتو نے حیرت سے پوچھا۔ "شگون، کیا مطلب؟"

لیث نے جواب دیا۔ "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ان کیکڑوں میں ایک خاصیت پائی جاتی ہے۔ جب سرکش لہریں انہیں دور ساحل پر پھینک جاتی ہیں تو یہ کیکڑے ساحل پر پڑے پڑے ان پھینک جانے والی موجوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ وہ دوبارہ آئیں اور انہیں ساتھ لے جائیں۔" پھر وہ ہنسنے لگا، بولا۔ "جاناں! ان کیکڑوں کو یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جس سمندر میں واپس جانا چاہتے ہیں وہ ان سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔"

بوزتو نے بےرخی سے کہا۔ "مجھے ان فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے اپنے ہی مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ میں ان سے منہ موڑ کے کیکڑوں یا سمندر کی امواج پر غور نہیں کر سکتی۔"

لیث نے بوزتو کو سر سے پیر تک دیکھا۔ بوزتو نے سر کا رومال کھول کر ہاتھ میں لے لیا اور آزاد لمبی لمبی سیاہ زلفوں نے ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔ لیث کو اس بوزتو میں غیر معمولی دلکشی محسوس ہوئی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کے چٹان کے سائے میں ذرا دور لے چلا گیا اور وہاں ایک پتھر پر بیٹھ کر بوزتو کو بھی اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

بوزتو نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا، بولی۔ "اس وقت میں یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ تم نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

لیث نے نرمی سے کہا۔ "یہی میں خود بھی تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے میرے معاملے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

بوزتو نے کہا۔ "میرا فیصلہ صاف ہے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتی اور ساتھ ہی اپنے والدین کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔"

لیث نے مایوسی سے کہا۔ "اپنے اس فیصلے کی روشنی میں کیا تم یہ پسند کرو گی کہ میں اپنے والدین کو چھوڑ دوں حالانکہ میں خود بھی تمہیں چھوڑنا پسند نہ کروں گا۔"

بوزتو نے کہا۔ "تب پھر تم اپنے والدین کو اس پر مجبور کیوں نہیں کرتے کہ وہ خداوند مقنع کے دین میں آ جائیں اور خداوند کے مقرب بنتے ہوئے دین کو ترک کر دیں۔"

لیث نے سختی سے جواب دیا۔ "میں ان سے ایسی بات کہنے کی جرأت ہرگز نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ کے بعد جو شخص نبوت یا الوہیت کا دعوےٰ کرے وہ جھوٹا ہے کذاب ہے۔"

بوزتو نے تلملا کر کہا۔ "تم ایسی باتیں ان کے بارے میں نہیں کہہ سکتے جن کا تم احترام کرتے ہو

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن تمہیں بھی اپنے ماشاء اللہ کلمات خداوند مقنع کے لئے نہیں ادا کرنا چاہئیں۔"

معلوم نہیں لیث نے اس کی باتیں سنیں بھی یا نہیں کیونکہ وہ اس وقت اپنی ٹھوڑی سینے پر رکھے کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے جھلملانے لگی تھیں۔

بوذق نے افسردگی سے کہا: "اگر تم نے بزدلی دکھائی تو میں زہیر سے وابستہ کر دی جاؤں گی۔ اور یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خداوند مقنع کی سرزمین کش میں چلی جاؤں گی۔"

لیث نے اسے نمناک آنکھوں سے دیکھا اور بے اختیار اس کی زلفیں ہاتھ میں لے کر نتھنوں سے لگائیں انہیں سونگھتا ہوا بولا: "ان سے محروم ہو جانے کا میں اپنے دل میں خیال تک نہیں لا سکتا، لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ میں کسی جھوٹے مدعی نبوت داؤ ہیت پر ایمان لا کے تمہیں اپناؤں۔"

بوذق نے اس کے ہاتھ سے اپنی زلفیں چھڑا لیں، خفگی سے بولی: "تمہاری فکر صاف نہیں، ہے ابھی ہوئی ہے میری ماں کا قول ہے کہ آدمی کی بہادری یا تو میدان جنگ میں ظاہر ہوتی ہے یا پھر بساطِ محبت میں اور بساطِ محبت میں تم بزدل ثابت ہوئے ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" لیث نے نرمی سے کہا۔ "ایسی بہادری کس کام کی جس میں ایک انسان اپنا سب کچھ گنوا کے نام نہاد بہادری کا تمغہ حاصل کرے؟"

بوذق نے پوچھا۔ "تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کہ تم میری خاطر بھی خداوند مقنع کا دین نہیں اختیار کرو گے؟"

لیث نے آہستہ سے جواب دیا: "میری دعا ہے کہ تم اپنی خواہش بدل دو تم میری آرزو تو ضرور کرو لیکن اس آرزو میں یہ دوسری خواہش نہ شامل کرو تو اچھا ہے!"

اس کے بعد بوذق نے کوئی بات نہ کی، سکوت اختیار کیا اور اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔ وہ روتی رہی اور کچھ سوچتی رہی۔ لیث نے کئی بار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا لیکن بوذق نے ہر بار اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ بوذق کی ایک ایک ادا اس کے دل میں تیر کی طرح اتری چلی جا رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں نے تو کچھ زیادہ ہی غضب کر دیا۔ بوذق نے کئی بار اپنی اشک آلود نظریں اوپر اٹھائیں اور بے بسی سے لیث کو دیکھا اس کا یہ حربہ کچھ زیادہ ہی مؤثر ثابت ہوا۔ بڑی بڑی نیزے جیسی پلکیں اپنی نوکوں پر آنسوؤں کے شبنمی قطرات لئے جب لیث کے سامنے اٹھتیں تو ان کی حدت سے اس کے عقائد اور ایمان میں موم کی طرح پگھلنا شروع ہو جاتی۔

آخر اس نے بوذق کا ہاتھ پوری قوت سے پکڑ لیا۔ بولا۔ "بوذق مجھے فوری فیصلے پر مجبور نہ کرو۔ مجھے سوچنے کا موقع دو، مجھے کچھ وقت دو۔" بوذق کی جان میں جان آئی حسرت سے چہرہ اٹھا کے پوچھا۔ "کتنا موقع، کتنا وقت؟"

لیث نے جواب دیا۔ "بس دو دن کا، پرسوں تک کا۔"

بوذق نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں شوخ مسکراہٹ سے لبریز کر لیں۔ بولی: "لیکن میں پرسوں [illegible] سننا چاہتی ہوں اس کے لئے دو دن دے سکتی ہوں، بس اور کچھ نہیں۔"

"بہر حال مجھے سوچنے کا موقع دو۔"

لیث کے نرم اور مفاہمانہ رویے سے بوذق کا دل ٹھہرنے لگا۔ اس نے گرم جوشی سے [illegible] ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے ہتھیلی کی پشت کو ہونٹوں سے لگایا، بولی: "خداوند مقنع کے نام [illegible] کے لئے۔"

بوذق کا یہ جملہ لیث کو پسند نہیں آیا لیکن اس نے اس ناقص العقل لڑکی کا دل بھی نہیں توڑنا چاہا۔ بوذق نے آنکھیں کھول دیں اور مسکراتے ہوئے پوچھا: "تم کیکڑوں سے شگون کس طرح لے [illegible] رہے تھے؟"

لیث کو بھی ہنسی آ گئی۔ بولا: "میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر سمندری ریچھ کیکڑوں کو دوبارہ سمندر میں لے [illegible] گئیں تو حالات اور واقعات کی امواج تمہیں بھی کہیں نہ کہیں میری گود میں ڈال دیں گی، چنانچہ عین [illegible] وقت جب تم میرے پاس پہنچیں سمندری ریچھیں کیکڑوں کو بھی اپنے ساتھ واپس لے گئیں۔"

بوذق کھلکھلا کے ہنس دی۔ "کاش کہیں کے کیکڑا اپنی کوئی اچھی بات تو نہیں، تمہیں تو [illegible] اور وقت کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"

اسی وقت ان دونوں کے قریب زہیر آ گیا۔ لیث نے اس مردانہ وجاہت کے حسین پیکر کو [illegible] وحشت سے دیکھا۔ بوذق گھبرا کر ذرا دور ہٹ گئی اور دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرا دیا۔ لیث [illegible] ڈر رہا تھا کہ کہیں واقعی یہ حسین پیکر بوذق کو خود پر مائل نہ کر لے۔

زہیر نے بشاشت اور فراخ دلی سے کہا: "لیث میں نے تمہارا ذکر تو بہت سنا تھا لیکن خوش قسمتی [illegible] آج ملاقات ہو گئی۔"

لیث نے ناگواری سے جواب دیا: "لیکن میں نے تمہارا ذکر پہلی بار تھوڑی دیر پہلے بوذق سے [illegible] تھا اور میرا خیال ہے کہ اگر میں سچ بولوں تو تم ناراض نہ ہو گے۔ میں تم سے مل کے ذرا بھی خوش نہیں ہوا۔"

زہیر کھسیا گیا، بولا: "کوئی بات نہیں، سچ کی مخالفت کون کر سکتا ہے اور مجھے تمہارے اس [illegible] ملنے پر بھی خوشی ہوئی۔"

بوذق نے وحشت زدہ انداز میں لیث کو شانے سے پکڑا اور ایک طرف لے جاتے ہوئے زہیر [illegible] بولی: "زہیر! تم ذرا رکنا۔ میں ان سے چند باتیں کر کے ابھی آتی ہوں۔ اس کے بعد واپس چلیں گے۔"

زہیر نے اسی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا، بولا: "کوئی بات نہیں۔"

بوذق لیث کو ایک طرف لے جا کے اسے برا بھلا کہنے لگی: "کیا تم ذرا بھی عقل نہیں رکھتے، کیا یہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نے تمہیں پہلے ہی یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میری ماں کو یہ نوجوان پسند ہے اور پھر یہ کہ زہیر جیسا معزز اجنبی
اور پڑھا لکھا ہے۔ اسے خداوند مقنع کے مبلغ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس
سے غصیلی جلی کٹی باتیں کہہ دینے ہی سے ان کا اس پر کوئی اثر ہوگا؟" پھر آبدیدہ ہو کر کہنے لگی: "میں معاملے کو
سلجھانے اور بنانے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تم رشک و حسد کے زیر اثر اسے اتنا ہی بگاڑتے جا رہے
ہو۔ لیث! میں تمہیں خداوند مقنع کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ ذرا ضبط و تحمل سے کام لو۔ ذرا معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

بوزقہ کے منہ سے زہیر کی تعریفیں سن کر لیث ایک بار پھر رشک و حسد کی آگ میں جلنے لگا۔

"بوزقہ! تم اس نوجوان کی جتنی تعریفیں کرنا چاہو شوق سے کرو لیکن میں اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں۔
میں اس سے نفرت کروں گا تو اس کا برملا اظہار بھی کروں گا۔"

"تب پھر میری قسمت ہی خراب ہے!" بوزقہ نے مایوسی سے کہا۔ "کم از کم میری ماں تمہاری اس
کی اہانت برداشت نہیں کرے گی۔"

لیث اس کی صورت دیکھتا رہا۔ زہیر ایک بار پھر ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ ذرا مسکرا
کے بولا: "لیث میرے دوست! میں نہیں جانتا تم دونوں کون سی راز کی باتیں کر رہے ہو اور مجھے
معلوم کہ کس الجھن اور کس فکر نے تم دونوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود میں تم دونوں کو
ہر وقت دلانے کو تیار رہوں گا کہ میں تم دونوں کے درمیان وجہ کشمکش بننا نہیں چاہتا۔ تم دونوں کو
کو اپنانے کا بہترین موقع حاصل ہے۔ بہت سے کام ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ لیکن اگر
ناکام رہتے ہو تو پھر میں تم سے درخواست کروں گا کہ بوزقہ اور میرے درمیان حائل ہونے کی کوشش
اس صاف گوئی نے دونوں ہی کو حیران کر دیا۔ بوزقہ نے جواب دیا: "زہیر! یہ لیث ایسی
باتیں پسند نہیں کرتے اس لئے میری تم سے درخواست ہے کہ ایسی باتوں سے اجتناب کرو۔" پھر لیث کو
نظروں سے گھورتی ہوئی بولی: "ویسے لیث نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ دو دن بعد وہ ہمیں اپنے فیصلے
سے مطلع کر دیں گے اور یہ فیصلہ وہی ہوگا جس کے ہم سب خواہشمند ہیں۔"

زہیر نے خوشی سے کہا: "خداوند مقنع لیث کے ارادوں کو تقویت بخشے۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہوگا۔"

لیث چپ رہا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ ان دونوں کو صاف صاف بتا دے کہ
ان کا قیاس غلط ہے۔ وہ سفید جامیان میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

جدا ہونے سے پہلے بوزقہ نے لیث سے پوچھا: "دو دن بعد رات کو تم اپنے فیصلے
سے مجھے کیسے مطلع کرو گے؟"

لیث نے کہا: "میں خود تمہارے گھر آ جاؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔"

بوزقہ نے بچھڑنے سے پہلے لیث کو بے بسی اور التجا آمیز نظروں سے یوں دیکھا
کہ جیسے کہہ رہی ہو، "دیکھو لیث مجھے مایوس نہ کرنا!"

دو دن بعد عشاء سے ذرا پہلے لیث لوگوں کی نظروں سے بچتا بچاتا بوزقہ کے گھر پہنچ گیا۔
اس وقت گھر میں بوزقہ اور اس کی ماں کے علاوہ اس کا باپ اور زہیر بھی موجود تھا۔ بوزقہ کا باپ
بھی بہت خوش تھا کہ اس کی بیٹی خداوند مقنع کے پیروؤں میں ایک کا اضافہ کر رہی ہے۔ اندر جیسے
ہی کونوں اور اطمینان اور دلکشی بکھیرتی دیواروں پر شمع کی روشنی فرش کے پیچھے پڑ رہی تھی۔ بوزقہ کا
دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس امید و بیم کی حالت میں باہر کا دروازہ کھلا اور لیث اندر داخل ہو گیا
وہ نہایت وقار اور اعتماد سے قدم اٹھاتا ہوا بیٹھک میں پہنچ گیا۔ حاضرین نے خوش آمدید کہی۔ لیث کا فیصلہ
سننے کے لئے سب بے چین تھے مگر صبر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر بوزقہ نے پوچھ ہی لیا: "لیث! تم یہاں کس ارادے سے
آئے ہو؟"

لیث نے نہایت اعتماد سے جواب دیا: "میرے ارادے سے یہاں کا ہر فرد واقف ہے۔"

بوزقہ نے سوال کیا: "پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

لیث نے زہیر کو خشمگیں نظروں سے دیکھا: "ہمارے خاندانی معاملات میں اس غیر خاندانی شخص
کو رازدار کیوں بنا لیا گیا ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ اسے یہاں سے اٹھا دیا جائے اور ہم سب آپس میں
مل بیٹھ کے کوئی فیصلہ کر لیں؟"

ماں نے دخل اندازی کی، بولیں: "اسے تم ہمارے خاندان ہی کا ایک فرد سمجھو۔ کیا مذہب و ملت
کی بنیاد پر خاندان نہیں بنتے؟"

"بنتے ہیں۔" لیث نے کہا۔ "لیکن یہ میرا ہم مذہب بھی تو نہیں پھر میں اسے اپنے خاندان کا ایک
فرد کس طرح تسلیم کروں؟"

ماں نے سختی سے کہا: "تمہارا ہم مذہب نہیں ہمارا ہم مذہب تو ہے۔"

بوزقہ نے غم و غصے سے لیث کو دیکھا: "لیث! تم خواہ مخواہ بات کیوں بڑھا رہے ہو۔ تم نے جو
فیصلہ کیا ہے ہم سب کے سامنے اس کا اعلان کر دو!"

لیث کو بھی غصہ آ گیا، بولا: "بوزقہ! مجھے پرسوں ہی یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ تم کچھ اس حسین اور وجیہ
نوجوان پر مائل ہو چکی ہو۔"

بوزقہ نے بات پوری نہیں ہونے دی۔ غصے میں کھڑی ہو گئی، چیخ کر بولی: "مجھ پر بہتان طرازی کرتے
ہو لیث! تم حاسد شخص انسان اپنے ساتھ مجھے بھی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

بوزقہ کے باپ نے بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی، بولا: "بوزقہ! تم بیٹھ جاؤ، میں لیث سے خود بات
کرتا ہوں۔"

لیکن بوزقہ نہیں بیٹھی۔ زہیر خود بخود کھڑا ہو گیا، بولا: "دوستو! اگر میری موجودگی سے معاملے میں رخنہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

پیدا ہوتا ہے تو میں خود ہی باہر چلا جاتا ہوں۔"

ماں نے اسے روکنا چاہا اور بولیں: "زبیر! تم باہر کیوں جا رہے ہو؟ لیث کو جو فیصلہ سنانا ہے تمہارے سامنے بھی سنا سکتا ہے۔"

لیکن زبیر نہیں رکا وہ باہر چلا گیا۔ اس واقعے نے ماحول کو کسی حد تک بوجھل کر دیا اور لوگوں کے چہروں سے افسوس اور ملال جھلکنے لگا۔

جوقر کے باپ نے کہا: "ہاں، اب سناؤ اپنا فیصلہ۔"

جوقر نے حسد اور غصے سے اور ماں نے ناگواری سے گردن جھکالی تھی۔ لیث نے باری باری ایک ایک کی طرف دیکھا، اس کے بعد جوقر کے باپ سے پوچھا: "کیا آپ نے واقعی یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سکونت ترک کر کے کش میں جا بسیں؟"

"ہاں! ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اس پر بہت جلد عمل درآمد بھی ہو جائے گا۔"

لیث نے پوچھا: "اگر جوقر مجھ سے منسوب کر دی گئی تو یہ کہاں رہے گی اور میں کہاں رہوں گا؟"

جوقر کے باپ نے جواب دیا: "شادی کے بعد ماں باپ کا اپنی بیٹی پر اختیار تو نہیں ہوتا، شوہر جہاں چاہے اپنی بیوی کو رکھے لیکن جوقر اور تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جب تم خداوند مقنع کے دیوانے ہو جاؤ گے تو تمہارے لئے یہ زمین تنگ اور محدود ہو جائے گی۔ اس وقت تمہارے لئے یہ ضروری ہو گا کہ تم خداوند مقنع کے قریب پہنچ جاؤ۔ شادی کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ کش لے جاؤں گا۔"

"اگر میں وہاں نہ جانا چاہوں تو؟"

"تب پھر یہ کرم تمہیں راس نہ ہوں گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہاں کے لوگ اور خلافت عباسیہ کی افواج تمہارا عرصہ حیات تنگ کر دیں گی۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" لیث نے اعتماد سے کہا۔

جوقر نے چڑ کے کہا: "تم اپنا فیصلہ تو سناتے نہیں اور فضول کی باتیں بنا رہے ہو۔"

لیث نے خشک لہجے میں اچانک جوقر سے سوال کیا: "جوقر! اگر تم میری جگہ ہوتیں اور یہ فیصلہ سنانا ہوتا تو تم کیا فیصلہ کرتیں؟"

جوقر نے بے شعور چڑچڑے لہجے میں کہا: "میں نہیں جانتی کیونکہ میں جوقر ہوں لیث نہیں ہوں اور جب تک میں لیث نہ بن جاؤں لیث کے انداز فکر اور فیصلے کی بابت کیا کہہ سکتی ہوں؟"

ماں نے مایوس ہو کے کہا: "یہ فیصلہ سنائے یا نہ سنائے لیکن میں اس کے فیصلے سے واقف ہوں۔ اب ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ اسے یہاں سے رخصت کریں اور زبیر کو بلا کے اس کی …"

جوقر کو اب بھی امید تھی کہ لیث اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا۔ اس نے ماں کو ڈانٹ دیا اور بولی: "تم جیسے معاملے میں معلوم نہیں کیوں جلد بازی اور حسد سے کام لیتی ہو۔ مجھے یقین ہے

لیث میری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔ لیث مجھے اداس نہیں دیکھ سکتا۔ لیث یہ بھی نہیں دیکھ سکتا کہ میری آنکھیں اشک آلود ہوں۔" پھر اس نے وفور غم میں لیث کو دونوں شانوں سے پکڑ کر ہلا دیا۔ روتی ہوئی بولی: "تم اپنا فیصلہ فوراً ہی کیوں نہیں سنا دیتے، تم چپ کیوں ہو؟ آخر تم کا ہے کا صبر کر رہے ہو؟"

جوقر کا باپ بھی بیزار ہو چکا تھا، آہستہ سے اٹھا اور جوقر کو زبردستی الگ کر دیا۔ بولا: "اس عمر میں دیوانگی کا دورہ پڑتا ہی رہتا ہے۔" پھر لیث سے کہا: "بیٹے! اب تم مزید تاخیر نہ کرو۔"

لیث نے جواب دیا: "اگر آپ لوگ یہ پسند کریں کہ میں اپنا دین ترک کئے بغیر جوقر کو اپنا لوں تو میں … ورنہ مجبور ہوں۔"

جوقر نے عجیب سی نظروں سے لیث کو دیکھا اور بے ہوش ہو کے گر گئی۔ ماں فوراً ہی اٹھا کے اندر لے گئی، جاتے جاتے کہہ گئی: "کیا میں نے لیث کا یہ فیصلہ پہلے نہیں سمجھ لیا تھا؟"

باپ نے جوقر کو اٹھا کے تخت پر لٹا دیا اور لیث کو حکم دیا: "اب تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم لوگوں نے تمہارا فیصلہ سن لیا ہے اور تمہارا یہ فیصلہ ہم میں سے کسی کو بھی منظور نہیں حتیٰ کہ جوقر تک کو منظور نہیں۔"

لیث نے اپنا یہ فیصلہ سنا تو دیا تھا لیکن جوقر کو دیکھ دیکھ کے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ وہ مزید کوئی بات کئے بغیر گھر سے نکلا اور اپنے گھر چلا گیا۔

ماں نے منصوبے کے مطابق لیث کے کنارہ کش ہوتے ہی زبیر کو الجھا دیا۔ زبیر کی دلچسپ باتیں اور … کی خفیف بو جوقر کو سرشار کرنے لگیں۔ اس کا غم غلط ہونے لگا۔ وہ دونوں خوب قہقہے لگا کے ہنستے۔

زبیر دن بھر تو ادھر ادھر تبلیغ میں لگا رہتا اور شام ہوتے ہی وہ جوقر کو لے کر ساحل پر پہنچ جاتا جہاں لیث بھی موجود رہتا۔ لیث کے لئے یہ صورت حال بڑی کربناک ہوتی کہ اس کی جوقر زبیر سے محبت کرنے لگی تھی۔ جوقر بھی ابتدائی چند دن گھبرائی رہی اور بجرہ خود کے کنارے جانے پر آمادہ نہ ہوتی لیکن زبیر کے … اور … افراد نے اس سے یہ کام بھی کرا لیا۔ زبیر جس نے پہلے لیث کے سامنے بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا اب بے حس ہو گیا تھا اور اس کے انداز بتاتے تھے کہ لیث کو ستانے اور ذہنی دکھ پہنچانے میں اسے … خاص ذہنی لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف لیث بری طرح رقابت کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ اسے ان … والوں پر سخت غصہ آتا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیتا لیکن مجبوری یہ تھی کہ … آبادی اس شہر میں داخل ہوتی جا رہی تھی اور مسلمان اقلیت میں ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے کسی سے یہ … مقنع کی بغاوت کو دبانے کے لئے خلیفہ مہدی نے خراسان اور اس کے قرب و جوار کے حکام کو حکم بھیج دیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو مقنع کے شر اور فساد سے مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔ اب لیث نہایت صبر و تحمل سے اس لشکر کا منتظر تھا جو مقنع کے مرکزوں کو تباہ کر کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے نجات دلائے گا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

دھوپ میں بلا کی تیزی تھی۔ لیث ظہر کی نماز پڑھ کے جیسے ہی مسجد سے نکلا سامنے سے زہیر اور بوذرقہ کو آتے دیکھا۔ زہیر اسے مسجد سے نکلتا دیکھ کے مسکرایا۔ یہ بات لیث کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور زہیر کا گریبان پکڑ لیا۔ بولا: "تم ہنس کیوں رہے تھے؟"

زہیر نے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کی۔ بولا: "میرا گریبان تو چھوڑ دو۔ میں تمہاری بات کا جواب دوں گا۔"

لیث نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو بوذرقہ ان کے درمیان آگئی۔ لیث کو ڈانٹتے ہوئے بولی: "تم زہیر کو نہیں مار سکتے۔ اگر مارو گے تو میں تمہیں ماروں گی۔"

لیث کے ہاتھ خود بخود جھک گئے۔ اس نے شاکی نظروں سے بوذرقہ کو دیکھا اور زہیر سے ذرا دور کھڑا ہو گیا۔

زہیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "کیا ہم دونوں اب جا سکتے ہیں؟"

لیث نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ ایک طرف جانے لگا۔ زہیر نے اسے روک لیا اور کہا: "تم اپنے سوال کا جواب لئے بغیر جا رہے ہو۔ خیر، بہرحال میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں دیکھ کے مسکرایا کیوں۔"

لیث رک کے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

زہیر نے کہا: "خداوند مقنع نے نزول فرما کے انسانوں کو عبادت اور دوسرے مذہبی ارکان سے نجات دلادی ہے۔ میں تم لوگوں کی بے جا ضد یا سادہ لوحی پر حیران ہوں کہ اب بھی پرانی لکیر کے پیچھے جا رہے ہو۔"

لیث نے بوذرقہ سے شکایت کی: "بوذرقہ! اگر زہیر کو اشتعال انگیز باتوں سے روکو ورنہ یہاں ایسا فساد برپا ہو گا کہ لوگوں کو ڈھونڈنے سے نجات نہ ملے گی۔"

زہیر نے جواب دیا: "تمہارا خیال صحیح ہے لیث لیکن یہاں جنہیں جانے ناچنے گی وہ تم لوگ ہوں گے۔ خداوند مقنع ہمارے ساتھ ہے اور وہ تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔"

بوذرقہ نے خوشامد سے کہا: "زہیر! میری خاطر بات نہ بڑھاؤ۔"

زہیر نے بوذرقہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ محبت سے کہا: "بوذرقہ! اگر تم بیچ میں نہ ہوتیں تو بات بڑھاؤں تو میں مجبور ہوں ورنہ اب ہم لوگ اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔"

لیث خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ زہیر بوذرقہ کے ساتھ اوجھل ہو گیا۔

اس دن لیث کی حالت بہت بگڑ گئی۔ وہ خود پر تعریض کرنے لگا کہ اتنی اچھی لڑکی سے اس نے اتنی جلد بازی اور بیزاری کیوں اختیار کی۔ اس دن بوذرقہ کی محبت اس کے دل میں قیامت خیز طوفان کی طرح اٹھی۔ ساری رات اس کے وجود کو ہلکان و پریشان کرتی رہی۔ صبح ہوتے ہوتے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسے کسی بھی طرح بوذرقہ کو زہیر سے ضرور حاصل کرنا ہے۔ دل کے کسی گوشے میں شیطان بھی دبکا بیٹھا آہستہ آہستہ ورغلا رہا تھا کہ خداوند مقنع کا پیرو بن کے بوذرقہ کو حاصل کرے لیکن وہ اس شیطان پر لاحول پڑھ رہا تھا۔

کئی دن بعد معلوم نہیں کس طرح چھپتی چھپاتی بوذرقہ ساحل پر تنہا پہنچ گئی۔ وہ اس وقت بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر لیث کو تلاش کرتی رہی لیکن وہ نہیں ملا۔ وہ شکستہ دلی سے بھاری بھاری قدم اٹھاتی واپس لوٹی تو راستے میں لیث مل گیا۔ وہ بوذرقہ کو سرسری نظر سے دیکھ کے آگے بڑھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے پاس کہیں نہ کہیں زہیر ضرور موجود ہو گا۔ لیث کی بے نیازی اور بے رخی سے بوذرقہ کے دل پر آرے چل گئے۔ وہ لیث کی طرف بڑھتی ہوئی بولی: "میں تمہارے پاس آئی ہوں لیث!"

لیث نے لاپروائی سے پوچھا: "زہیر کہاں ہے؟"

بوذرقہ نے جواب دیا: "وہ گھر پر ہے۔"

لیث نے بڑی بیزاری سے سوال کیا: "کیا تم دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے منسوب نہیں ہوئے؟"

بوذرقہ نے جواب دیا: "ابھی نہیں۔" پھر وہ ذرا رک کے بولی: "کیوں، تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟"

لیث نے کہا: "بے کار وقت ضائع کرنے سے فائدہ؟"

بوذرقہ نے بھرائی آواز اور پرجوش لہجے میں کہا: "اگر تم یہ چاہتے ہو تو یہ بھی ہو جائے گا لیکن میں چوروں کی طرح چھپ کے تم سے مشورہ لینے نہیں آئی۔"

لیث نے طنز سے کہا: "بوذرقہ! تمہیں کسی ایک کا ہی ہو کر رہ جانا چاہئے۔ اس طرح خواہ مخواہ کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

"بہت بہتر!" بوذرقہ روہانسی ہو گئی۔ "تم لوگوں کو طنز و استہزا کے نشتر چبھونے کے سوا آتا ہی کیا ہے۔ میں تم سے کچھ ایسی باتیں کرنے آئی ہوں جن کا تعلق ہم دونوں کی ذات سے تھا لیکن اگر تم مجھ سے یہی چاہتے ہو تو میں پھر تم سے کوئی بات نہ کروں گی؟"

لالچ اور محبت نے ایک بار پھر زور کیا اور لیث نرم پڑ گیا: "مجھ سے باتیں کرو گی۔ کس قسم کی باتیں؟"

بوذرقہ واپس جانے لگی، بولی: "لیث! اگر تمہارا دل میرے لئے پتھر ہی بن چکا ہے تو میں اس سے محبت کا چشمہ پھوٹنے کی کوشش کیوں کروں؟"

لیث نے نرمی سے کہا: "بوذرقہ! میں ایک غم زدہ انسان ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہے۔ کیا تم نے اس سے پہلے بھی کبھی مجھے اتنا بیزار دیکھا تھا؟"

بوذرقہ نے کرتے کے دامن سے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی: "یہاں سے مجھے کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں تمہارے ساتھ بیٹھ کے دو گھڑی چند باتیں کر سکوں۔"

لیث اسے ساتھ لے کے بحیرہ خزر کے شمال میں چلا گیا۔ جہاں لوگ بہت کم جاتے تھے۔ یہاں بہت ساری اونچی اونچی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے گھوڑوں کو تو ایک قریبی پہاڑی کے بھاری پتھروں سے باندھ دیا اور خود بوذرقہ کے ساتھ ایک کھوہ میں چلا گیا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

یہاں بوزقہ نے لیث کے زانو پر سر رکھ دیا اور بلک بلک کے رونے لگی۔ لیث حیران تھا کہ …
اب بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ لیث نے اس کی پیشانی چوم لی اور کہنے لگا "بوزقہ! میری سمجھ میں نہیں آتا
کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کیا تم زبیر سے محبت نہیں کرتی ہو؟"

"نہیں! میں اس سے محبت نہیں کرتی۔" بوزقہ نے کہا: "وہ ایک نفیس اور دلچسپ نوجوان …
اس کی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں لیکن جہاں تک محبت کا سوال ہے میں اسے پسند نہیں کرتی۔"

لیث نے زانو سے اٹھا کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور پوچھا: "کیا تم مجھ سے اب
محبت کرتی ہو؟"

بوزقہ نے محبت کی چاہ و دلک سے بھرپور آنکھیں لیث کی آنکھوں میں ڈال دیں اور مسکرا کے
آنکھیں بند کر لیں یہ لیث کی بات کا بہترین جواب تھا۔ دونوں کچھ دیر اسی طرح سرشار و مخمور وہاں
ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ آخر میں بوزقہ نے اس سے درخواست کی: "لیث! تم مجھے اپنا لو۔"

لیث نے جواب دیا: "میں تمہیں اپنانے کو ہر وقت تیار ہوں لیکن تم بھی اپنے والدین …
مقنع کے دین کو چھوڑ کے میرے پاس چلی آؤ۔"

بوزقہ نے بڑی عاجزی سے کہا: "تم خداوند مقنع کی عزت و الوہیت کے قائل کیوں نہیں …
میں بہت جلد تمہیں چھوڑ کے زبیر کے ساتھ خداوند کی بارگاہ کیش چلی جاؤں گی۔ اگر اس سفر …
ہمارا ساتھ دو تو میں راستے میں نخشب نامی جگہ پر خداوند مقنع کی الوہیت کا ایک شاندار مشاہدہ کرا سکتی …"

لیث نے حیرت سے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

بوزقہ نے کہا: "خداوند مقنع نے اپنی مخلوق کو الوہیت کا کمال دکھانے کی خاطر نخشب کا …
ایک نیا چاند طلوع کر دیا ہے۔ اگر تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تو مجھے یقین ہے کہ تم اس پر …
لائے بغیر نہیں رہو گے۔"

لیث نے بے دلی سے کہا: "شاید۔"

بوزقہ اس سے علیحدہ ہو گئی بولی: "کیا تم میرے ساتھ سفر میں شریک رہو گے؟"

"نہیں!" لیث نے کہا: "ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

لیث کی نظریں اچانک بوزقہ کی دونوں پنڈلیوں پر پڑ گئیں وہاں کالے کالے گھنگھریالے …
صاف نظر آرہے تھے۔ لیث کو یہ بال اچھے نہیں لگے لیکن اس نے اسکا اظہار نہیں کیا۔ بوزقہ …
تیار ہو چکی تھی بولی: "میں پریشان ہوں کہ یہاں میں نے کافی وقت خرچ کر دیا ہے اب گھر جانے …"

لیث کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے وہ خاموش رہا۔

دونوں راستے میں ایک جگہ سے جدا ہونے لگے تو بوزقہ نے خوش اخلاقی سے کہا: "…
ہمارے گھر آنا جانا شروع کر دو گے۔"

لیث نے جواب دیا: "کوشش کروں گا۔"

"پھر وہی اکھڑی اکھڑی باتیں۔" بوزقہ گرم ہو گئی "تمہارا دل کے بغیر بھی میرا تم پر کچھ حق ہے اور
میں اس حق کے ذریعے بالآخر اس پر مجبور کروں گی کہ میرے ساتھ خداوند مقنع کی بارگاہ میں چلے چلو۔"

لیث نے نرمی سے کہا: "میں تمہارے ساتھ ایک شرط پر چل سکتا ہوں وہ یہ کہ تم ترک
کبھی اس پر مجبور کرو گے کہ میں اپنا مذہب چھوڑ دوں۔ تم اپنے مذہب پر قائم رہو اور میں اپنے مذہب پر
قائم رہوں اس عہد و معاہدے کے بعد اپنا دین چھوڑے بغیر بھی ہم دونوں شیر و شکر ہو سکتے ہیں۔"

بوزقہ نے آہستہ سے جواب دیا: "لیث! میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن اب
یہ معاملہ میرے اختیار کا نہیں۔"

"پھر کس کے اختیار میں ہے یہ مسئلہ؟"

بوزقہ نے جواب دیا: "والدین کے، میرے سارے فیصلے وہی دونوں کرتے ہیں میں اپنے
والدین کو اس پر ضرور آمادہ کر سکتی ہوں کہ وہ ایک خاص مدت تک تمہیں خداوند مقنع کا دین اختیار کرنے
پر مجبور نہ کریں۔ اس عرصہ میں تم میرے ساتھ رہو گے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس وقت جو فیصلہ کرو گے وہ
میرے حق میں ہو گا۔"

لیث کا دل ڈانواڈول ہونے لگا، بولا: "بوزقہ! تم میرا امتحان لے رہی ہو۔ میں آؤں گا ضرور لیکن تم
اس بات کا خیال رکھنا کہ میں زبیر کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

بوزقہ سرخ ہو کر ہنس پڑی بولی: "یہ بڑی مشکل بات ہے، ابھی تک تم مجھ پر کوئی باقاعدہ حق قائم نہیں
کر سکے ہو اور جب تک میں تمہاری واقعی نہ ہو جاؤں زبیر کو کیسے جھٹلاؤں یا ہم نشینی سے کس طرح باز رکھا
جا سکتا ہے۔"

اسی لمحے جنوب مشرق سے گرد اڑتی دکھائی دی اور کچھ ہی دیر میں دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی
آنے لگیں۔ بوزقہ نے گھبرا کے کہا: "میرا خیال ہے میرے گھر والے میری تلاش میں ادھر آ رہے ہیں۔"

لیث نے مشرق کے چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اگر تم
مناسب سمجھو تو تھوڑی دیر کے لئے کہیں ان کے پیچھے روپوش ہو جاؤ اور میں یہاں سے آہستہ آہستہ چل کے
ان آنے والوں کو پہچاننے اور سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

بوزقہ مغرب سے ایک پہاڑی ٹیکرے کے پیچھے روپوش ہو گئی اور کچھ دیر بعد آنے والے لیث کے
قریب پہنچ گئے۔ زبیر ان میں سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے بوزقہ کا باپ جعفر تھا۔ جعفر کے پیچھے
جو شخص تھا اسے لیث پہچانتا تھا۔ زبیر لیث کے قریب پہنچ کے گھوڑے سے چھلانگ لگا اور ایک دشمن
کی طرح گھورتا ہوا اس کے قریب کھڑا ہو گیا اور درشت لہجے میں پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

لیث نے حقارت سے جواب دیا: "وہ کون؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

زبیر نے غصے سے کہا: "زیادہ بننے کی کوشش مت کرو اور سیدھی طرح اس کا پتہ بتا دو۔"

برزہ کا باپ بھی گھوڑے سے نیچے آ گیا۔ کسی اجنبی کی طرح لیث کو مخاطب کیا: "اجنبی نوجوان! تم سے جو پوچھا جا رہا ہے اس کا صحیح جواب دو اور فضول باتوں میں مت الجھاؤ۔"

لیث کو اپنے چچا کے اس اندازِ تخاطب پر بڑا افسوس ہوا مگر پھر سنبھل گیا اور اپنے چچا ہی کی طرح بیگانہ روش اختیار کرتے ہوئے بولا: "او اجنبی بوڑھے! میں نہیں جانتا تم کس کی بات کر رہے ہو۔"

اتنے میں اس کا تیسرا ساتھی چلایا: "تم لوگ فضول کے سوال و جواب میں زیادہ وقت بلا وجہ ضائع کر رہے ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس۔ میں تمہیں دو گھوڑوں کے ٹاپوں کے نشانات بھی دکھاتا ہوں۔ ادھر آؤ اور دیکھو یہ ہیں وہ نشانات۔ اب ان پر چل کر تم خود ہی برزہ تک پہنچ سکتے ہو۔"

زبیر اور جعفر دونوں اس تیسرے شخص کے پاس پہنچ گئے اور جھک کے ان نشانات کو دیکھنے لگے۔ لیث کو یقین ہو گیا تھا کہ اب برزہ کی موجودگی چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس نے سوچا بہتر ہے سوال و جواب کا سلسلہ چلنے دو اور یہ نہیں کہ اس کی اپنی موجودگی برزہ کے حق میں کسی مفید ثابت ہو۔ اس نے چپ چاپ اپنے گھوڑے کا رخ موڑ دیا اور ان آڑے ترچھے راستوں پر لیا گھوڑا دوڑانے لگا جن سے گزر کے وہ کافی دیر پہلے یہاں پہنچا تھا۔

لیث کو جاتے دیکھ کر زبیر مڑا اور پھر دوسرے ہی لمحے خود بھی گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ برزہ کے باپ سے کہا: "تم ان نشانات کی مدد سے برزہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں اس ذلیل نوجوان کا پیچھا کرتا ہوں، یہ یوں نہیں بچ سکتا۔"

اس کے بعد اس نے ایڑ لگائی اور زبیر کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

لیث کو اچانک محسوس ہوا کہ کوئی اس کے تعاقب میں چلا آ رہا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ شاید برزہ داؤ پیچ کر کے بچ بچا کے اس کے پیچھے آ رہی ہے۔ اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ زبیر پہلے تو ایک دھوئیں کے ہیولے کی شکل میں دکھائی دیا۔ کیونکہ اٹھتے ہوئے گرد و غبار میں وہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ گرد و غبار آہستہ آہستہ کم ہوتا رہا اور جیسے جیسے زبیر اس کے قریب ہونے لگا، گرد و غبار کی دھند بھی چھٹ کر کم ہوتی گئی یہاں تک کہ جب وہ بالکل لیث کے سر پر پہنچ گیا تو ایک دم لگام کھینچ کے گھوڑے کو روک لیا۔ گھوڑا الف ہو گیا۔ زبیر اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور گھوڑے کے نیچے گر گیا۔ لیث نے گھوڑے سے کود کے زبیر کو اٹھنے میں سہارا دیا لیکن زخمی زبیر نے حقارت آمیز انداز میں لیث کو جھڑک دیا: "تم مجھ سے دور رہو ذلیل نوجوان! میں تمہارا احسان نہیں لینا چاہتا۔"

لیث خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ بولا: "بے دین انسان! میں تمہیں سہارا دے کے تم پر احسان نہیں کر رہا بلکہ یہ ایک انسانی فریضہ تھا جو میں انجام دیتا۔"

"بکواس مت کرو۔" زبیر نے انتہائی حقارت سے کہا: "میں تم سے ہر طرح نمٹنا چاہتا ہوں۔"

کہتے کہتے زبیر اٹھ کھڑا ہو گیا: "ابھی میں مرا نہیں ہوں جو کسی کا احسان قبول کروں۔"

لیث نے کوئی جواب نہ دیا اور گھوڑے پر بیٹھ کے وہاں سے چلے جانا چاہا لیکن زبیر نے گرج کر کہا: "تم ابھی یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"وہ کیوں؟" لیث نے بے پروائی سے پوچھا۔

"وہ یوں کہ جب تک برزہ نہیں مل جاتی، تم یہاں سے دو قدم بھی نہ جا سکو گے۔"

یہ انا اور ضد کی بات تھی۔ لیث نے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور غصے میں کہا: "کون ہے جو مجھے روکنے کی کوشش کرے گا۔ میں جا رہا ہوں اور کسی میں بھی مجھے روکنے کی ہمت ہو تو میرے مقابل آئے۔"

زبیر تلوار لے کے لیث پر جھپٹا۔ لیث بھی دبنے والا نہیں تھا۔ اس نے بھی تلوار نکال لی اور دونوں کا مقابلہ ہونے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کے حملے سے بچنے بچانے لگے۔ معلوم نہیں کس طرح کافی دیر بعد لیث کی تلوار زبیر کے بازو میں اتر گئی۔ وہ چیخ مار کے ڈھیر ہو گیا۔ لیث اس کے قریب جانے لگا۔ زبیر نے کراہتے ہوئے چیخ کر کہا: "تم یہاں مت آؤ۔ مجھ میں اتنی جان ہے کہ تمہارا سر اڑا دوں گا۔ تم واپس جاؤ۔"

لیث نے اسے شرمندہ کرنے کی غرض سے کہا: "میں چاہوں تو تمہیں قتل کر دوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا حالانکہ تم میری جگہ ہوتے تو مجھے ہرگز معاف نہ کرتے۔"

زبیر بمشکل اٹھ کے کھڑا ہو گیا: "میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں او کم ظرف نوجوان۔"

لیث نے پھر تھپڑ مارا: "اس وقت تم گر کے چوٹ کھا جانے کی وجہ سے تمہارا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اس لیے میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم پہلے اپنا دماغی توازن درست کرو۔ اس کے بعد مجھ سے مقابلہ کرو۔ میں ہاتھوں سے لڑنا اپنی بے عزتی سمجھتا ہوں۔"

زبیر بجلی کی سی تیزی سے اٹھا اور لیث پر حملہ کر دیا۔ لیث نے جھک کے اپنی تلوار پر روک لیا اور پھر جوابی حملہ کیا اور زبیر کو زخمی کر دیا۔ زبیر نے بے بسی سے کہا: "تم مجھے قتل کر دو۔ میں تم سے معافی نہیں مانگوں گا۔ میں رعایت نہیں چاہتا۔ تم عزت سے کام مت لو۔"

لیث نے دلچسپی کے انداز سے گھوڑے کا رخ موڑا اور کہنے لگا: "میں جا رہا ہوں اور اب مجھے کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔"

زبیر چیخا: "افسوس کہ میں تمہارا پیچھا نہیں کر سکتا لیکن اسے تم قرض سمجھو جسے میں بہت جلد چکا دوں گا۔"

لیث چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جعفر اور اس کے ساتھی کو برزہ مل گئی۔ باپ بیٹی سے سر راہ سوال جواب کر کے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے خونخوار نظروں سے برزہ کو دیکھا اور کہا: "تیری یہ حرکت مجھے پسند نہیں آئی لیکن خداوند مقدس کے ایک پروہت نے تجھے پسند کر لیا ہے اس لیے میں تجھے کوئی سزا بھی نہیں دے سکتا۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بوذر کو جب وہاں لیث نظر نہیں آیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے گرد و پیش نظریں دوڑائیں۔ پھر جاننے کی کوشش کی کہ کہیں لیث کو مار تو نہیں دیا گیا لیکن وہاں لیث کا نام و نشان تک نظر نہ آیا۔ باپ نے اس کی تشویش کو محسوس کر لیا، بولا: "تم کیسے تلاش کر رہی ہو، لیث کو؟ لیث بھاگ گیا لیکن مجھے معلوم ہے کہ زبیر اسے زندہ و سلامت واپس نہیں جانے دے گا۔ وہ اس کے تعاقب میں گیا ہے اور اس کے تعاقب کی بات یقینی ہے۔"

بوذر بولی تو کچھ نہیں البتہ دل ہی دل میں لیث کی سلامتی کی دعا مانگنے لگی۔

یقینوں کو واپسی میں زبیر ایک جگہ زخمی پڑا دکھائی دیا۔ جعفر اور اس کے ساتھی نے گھوڑے سے کود کے اس کی خیریت پوچھی۔ زبیر نے ساری روداد سنا دی اور آخر میں کہا: "اگر میں زخمی نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بچ کے نہیں جا سکتا تھا۔" پھر بوذر کو محبت کی نظروں سے دیکھ کے جعفر سے سوال کیا: "یہ کہاں ملی؟"
جعفر نے نفرت سے کہا: "میں تمہاری وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں ورنہ اس سرکش اور خود سر دوشیزہ کو اس نامعقول حرکت پر وہ سزا دیتا کہ یہ زندگی بھر یاد کرتی۔"

زبیر نے کہا: "مجھے گھوڑے پر سوار کرا دو، میں زیادہ زخمی نہیں ہوں۔"

جعفر نے اپنے ساتھی کی مدد سے زبیر کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور زخمی حصوں کو پگڑی کے ٹکڑے پھاڑ کے کس کے باندھ دیا۔ زبیر گھوڑے کی پشت پر ہی مشرق کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گیا، بولا: "خداوند مقنع! کیا تو اپنے خاص بندوں کو بے دین مسلمانوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے نہیں دیکھتا؟ مجھ ناتواں کو اتنی طاقت عطا فرما کہ میں انھیں عبرتناک سبق دے سکوں۔"

زبیر کی دیکھا دیکھی اس کے دونوں ساتھی بھی سجدے میں گر گئے اور آمین آمین کہنے لگے۔ بوذر گھوڑے پر تنی بیٹھی رہی۔ زبیر اپنے گھوڑے کو ذرا موڑ کے بوذر کے قریب پہنچ گیا اور شاکی لہجے میں کہا: "بوذر! میں نے کبھی تمہیں کسی بات پر مجبور تو نہیں کیا؟"

بوذر نے نفی میں گردن ہلا دی۔

زبیر نے مزید کہا: "تم نے جو کچھ کیا، اچھا نہیں کیا۔"

بوذر کے باپ نے غصے میں کہا: "تم چپ رہو، میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔ اگر تم بوذر سے خوش نہیں ہو تو یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں اس کے اس تکلیف دہ رویے کی سزا ضرور دوں گا۔"

زبیر نے ہنس کے کہا: "نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بوذر کو یہ سب کچھ کرنا ہی تھا۔ بوذر انسان ہے، نوجوان ہے۔ اس کے سینے میں احساس اور محبت سے لبریز دل موجود ہے۔ یہ لیث سے محبت کرتی رہی ہے اس لیے لیث کی محبت کو بوذر کے دل سے کھرچ دینا ناممکن ہے۔" پھر بوذر سے پوچھا: "لیث تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

بوذر کی آنکھیں بھر آئیں، بولی: "میں ہمیشہ میٹھی باتیں کر کے اسے خداوند مقنع کے دین میں لانا چاہتی تھی۔"

زبیر نے خوش ہو کے کہا: "یہ تو بڑی اچھی بات ہے، پھر لیث نے کیا کہا؟"

بوذر نے جواب دیا: "بس وہ کچھ کچھ راضی ہو چلا تھا کہ آپ لوگ آ گئے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے بھی آپ لوگ واقف ہیں۔"

زبیر نے کہا: "خیر، جو کچھ ہوا اسے بھلا دیں گے۔" پھر بوذر کو تسلی دیتے ہوئے بولا: "بوذر! میرے دل میں تمہارے لیے جو عزت ہے وہ کسی طرح کم نہ ہوگی۔ تم بس مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ آئندہ ایسی لغزش نہیں ہوگی۔"

بوذر نے فکر کے انداز میں کہا: "میں یہ وعدہ نہیں کر سکتی ہاں کوشش ضرور کروں گی۔"

زبیر اس جواب سے خوش نہیں ہوا پھر بھی اپنے احساسات کو چھپا گیا۔

زبیر کا نہایت توجہ سے علاج کیا گیا۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا تو اس نے بوذر سے کہا: "بوذر! اگر تم پر کسی کا قرض واجب الادا ہو تو تمہارا فرض کیا ہوگا؟"

بوذر نے معصومیت سے جواب دیا: "قرض کی ادائی۔"

زبیر کے چہرے پر تازگی آ گئی، بولا: "لیث نے زخمی کر دینے کی صورت میں مجھے جو قرض دیا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ میں اس کو بے باق کر دوں۔"

بوذر خاموش رہی۔ زبیر نے پھر سوال کیا: "تمہارا کیا خیال ہے اسے سزا دوں یا معاف کر دوں؟"

بوذر نے پژمردگی سے کہا: "جو چاہو کرو، میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

زبیر نے نہایت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی، سرشار لہجے میں بولا: "تم واحد ایک ایسی ذات ہو جو ہمیشہ لیث کو میرے انتقام سے بچا سکتی ہے ورنہ میں اپنے انتقام کی آگ میں لیث کے پورے خاندان کو جلا سکتا ہوں۔"

بوذر چپ ہو رہی لیکن وہ یہ ضرور جاننا چاہتی تھی کہ لیث پر حملہ ہوگا کس طرح اور کس طرف سے؟

زبیر نے ایک کاغذ مٹھی میں داب رکھا تھا، اسے بوذر کی طرف بڑھا دیا، بولا: "اسے تم خود پڑھ لو۔" اور ذرا سی دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنے تصور کی آنکھ سے لیث کے انجام پر غور کرنے لگا۔

بوذر نے خط پڑھنا شروع کر دیا، اس میں لکھا تھا:

"خدائے رحیم و کریم مقنع کے نام سے۔ میں ہاشم بن حکیم، تمام خداؤں کا خدا، اپنے عاجز بندے زبیر کو حکم دے رہا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائی جائے۔ تم خدائے واحد مقنع کی مدد کرو۔ وہ خدائے واحد جو مختلف شکلوں کی شکل میں نمودار ہوتا رہا ہے، کچھ عرصہ پہلے ابو مسلم

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اب وہ مقنع میں حلول کر چکا ہے۔ تم لوگوں کو، گمراہ انسانوں کو سچے راستے پر لانے کے لئے بھیجا اور انہیں بتا دو کہ مقنع خدا کے واحد ہے۔ زمین پر جگہ موجود ہیں زمین پر جا بجا حاضر و ناظر ہیں بڑا ہی شان ہے میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ زبیر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو سفید جامیاں میں شامل کر لیا جائے۔ تیری مدد کے لئے کچھ اور لوگ بھی آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی عبادت گاہوں اور مسجدوں کو مسمار کر دو یہی میری رضا ہے۔ اسی میں میری خوشنودی ہے۔

خط پڑھ چکنے کے بعد بوزو نے وہ خط زبیر کی طرف بڑھا دیا اور اندر کا دکھ چھپا کے بولی:

"پھر اب کیا ارادہ ہے تم لوگوں کا؟"

زبیر نے پوچھا: "پہلے یہ بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟"

بوزو نے حیرت سے بول دیا: "بہت اچھے، بہت ذہین، بہت دلچسپ۔"

اس بھری تعریف نے زبیر کو کیا تنگ کر دیا۔ بولا: "میں پرسوں صبح اس مسجد پر حملہ کر دوں گا جہاں لیث اور اس کا باپ نماز پڑھنے آتے ہیں۔ ہم وہیں حملہ کر کے انہیں ہلاک اور مسجد کو مسمار کر دیا جائے گا۔"

بوزو چپ رہی لیکن وہ یہ خبر کسی نہ کسی طرح لیث کے کانوں تک ضرور پہنچا دینا چاہتی تھی۔ اس کے بعد بوزو کو گھر سے نکلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اس کی زبردست نگرانی کی جا رہی تھی۔

دوسرے دن شام کو یہ خبر گھر میں پھیل گئی۔ خاندان اور مقنع کے دوسرے پیرو وہاں سے چلے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ضروری سامان باندھا جا چکا تھا۔ بار برداری کے جانور تیار کھڑے تھے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اس طرح آمادہ سفر کھڑے تھے گویا بگل بجتے ہی قافلہ سفر کی حرکت میں آ جائیں گے۔ اماں غربت سے زیادہ مشغول تھیں اور باپ کسی بڑی مہم میں الجھا تھا۔ غالباً زبیر بھی باپ کے ساتھ ہی تھا۔ بوزو نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس وقت کو ضائع نہیں جانے دے گی اور دوسرے دن علی الصباح پیش آنے والے خطرات سے لیث کو آگاہ کر دے گی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے اس کام میں مزاحمت کا پورا پورا امکان ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ پکڑی جائے۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نے بڑے جبر سے فیصلہ کیا کہ اگر وہ کسی طرح لیث تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تو وہ خود کو لیث اور اس کے باپ کی پناہ میں دے دے گی۔ گھر سے نکلتے ہی تیز قدموں سے لیث کی قیام گاہ روانہ ہو گئی۔ رات کی تاریکی نے اسے چھپا رکھا تھا۔ مگر کسی کسی لمحے وہ ذرا سی آہٹ پر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اسے کئی بار ایسے لگا جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے لیکن اندھیرے میں ادھر ادھر نظریں پھاڑ کر دیکھنے پر بھی جب کوئی اسے ایسا نظر نہ آیا تو وہ اسے اپنا واہمہ قرار دے کر مطمئن ہو گئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ اس مسجد کے پاس پہنچی جہاں سے لیث کے گھر کا فاصلہ مشکل سے ڈیڑھ سو قدم رہا ہو گا تو اس نے مسجد کے سامنے ایک ہنگامہ برپا دیکھا۔ مسجد کی دیواروں پر مشعلیں جل رہی تھیں اور ان کی روشنی میں لوگ آپس میں سایوں کی طرح برسر پیکار تھے۔

وہ ٹھٹک کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ہتھیاروں کی مہیب آواز اور زخمیوں کی چیخ و پکار نے ماحول کو بھیانک بنا رکھا تھا۔ بوزو کے لئے یہ گھڑیاں بڑی خطرناک تھیں لیکن اب اس کا پیچھے ہٹنا بھی خطرناک تھا اور آگے بڑھنے کے لئے بھی مشکل۔ وہ ابھی اسی کشمکش میں تھی کہ ایک شخص تیزی سے بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا اور اس نے بوزو پر حملہ کرنا چاہا لیکن بوزو نے چیخ کے کہا: "میں عورت ہوں۔ ایک لڑکی۔ کسی عورت یا لڑکی پر ہاتھ اٹھانا بہادری اور جوانمردی کے منافی ہے۔"

حملہ آور کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے آ گیا اور وہ بوزو کے قریب چلا گیا۔ "بوزو تم یہاں کیا لینے آئی ہو؟ خیریت تو ہے؟"

یہ زبیر کی آواز تھی۔ بوزو پریشان ہو گئی لیکن اس نے پریشانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا بولی: "یہ معاملہ کیا ہے؟ یہ کن لوگوں میں جنگ ہو رہی ہے؟"

زبیر نے فخریہ لہجے میں جواب دیا: "میں نے خداوند مقنع کی مرضی پوری کر دی۔ نماز عشاء کے دوران مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر کے میں نے خداوند مقنع کی مرضی پوری کر دی ہے۔" پھر ذرا توقف سے پوچھا: "لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ اس وقت تم یہاں کیا لینے آئی تھیں؟"

بوزو کے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہ تھا اور نہ ہی وہ اس سوال کا کوئی جواب سوچ سکی تھی۔ اس کی خاموشی کا مطلب سمجھتے ہوئے زبیر نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت یہاں کیوں آئی تھیں۔ افسوس کہ تم نے ایک بار پھر میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔"

بوزو نے مستقل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ مسجد کے سامنے شور و غل اور چیخ و پکار بدستور جاری تھی۔ ابھی سپاہیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ زبیر نے بوزو سے کہا: "یہاں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ جنگ کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔"

بوزو کسی مجرم کی طرح اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ زبیر نے جب محسوس کیا کہ بوزو ساکت و صامت کھڑی کچھ سوچ رہی ہے تو اس نے فخر سے کہا: "بوزو اب یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ جس کے پاس تم جا رہی تھیں اس کا گھر بھی مسجد تک پہنچ چکا ہے میرے آدمی اس کی تلاش میں دور دور تک پھیل چکے ہیں۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ لیث کا باپ، ماں اور اس کے کنبے کے دوسرے افراد قتل کئے جا چکے ہیں لیکن لیث بچ کے نکل گیا۔" پھر گویا خود سے کہا لیکن "بچ کے جانے کا کہاں، میرے آدمی اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

بوزو فرط غم سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ زبیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کے لے جاتے ہوئے کہا: "بوزو اب دیر سوچنے کا وقت نہیں ہے یہاں سے فوراً چلی چلو ورنہ اگر پھنس گئیں تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

زبیر بمشکل اسے لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ گھر پر عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ بوزو کا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بادل گرجوں میں ایسی ہوا چیخ چلا رہا تھا۔ ان دونوں کے پہنچتے ہی اس نے پوچھا ”یہ کہاں تھی؟“
زبیر نے بے چینی سے کہا ”یہ وقت فضول قسم کے سوال و جواب کا نہیں ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔“

بوزو کے باپ نے سوال کیا ”اور ان لوگوں کا کیا ہوگا جو مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں؟“

زبیر نے جواب دیا ”انھیں حکم دے دیا گیا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنا کام ختم کر کے پیچھے راہ میں آملیں۔“

قرنا بجوا دیا گیا اور اس کی آواز کے ساتھ ہی خداوند مقنع کے پرستاروں کا قافلہ مرو کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کی آخری منزل کش تھی لیکن مرو سے نخشب اور نخشب سے کش پہنچنا تھا۔ مرغزاروں اور شاداب علاقوں سے گزر کر کوہستانی سلسلے سے ہوتے ہوئے اس پہاڑی قلعے میں داخل ہونا تھا جہاں ان کا خداوند مقنع تقریباً چودہ سال سے مقیم تھا۔

کئی دن اور کئی راتیں سورج کی تمازت اور ستاروں کے جھلمل جیسے سائبان کے نیچے سفر کرتے ہوئے یہ لوگ نخشب میں داخل ہو گئے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور گرم علاقوں کے پرند قطاروں کی شکل میں سرد علاقوں کی طرف محو پرواز تھے اور نیچے درختوں پر مختلف النوع علاقائی پرندے زمزمہ سنجی کر رہے تھے۔ ان میں کوئل کی کوکیں، کوتل کی کوکو اور طوطی کی آمیں میں ہم رنگ تھی۔ سرسبز شاداب درختوں کی ہری بھری شاخیں ہوا میں ہل ہل کے اپنی مستی و سرشاری کا اظہار کر رہی تھیں۔ مویشیوں کے گلے ریوڑوں کی شکل میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ان کے رکھوالے درختوں سے ٹیک لگائے ہجر و فراق کے گیت گا رہے تھے۔ ان کی پرسوز آوازیں پہاڑی چٹانوں سے ٹکرا کے دور دور تک پھیلتی جا رہی تھیں۔ تلخ نغمے کے وہ اہل فراق، جنہیں عہد ذوانہ سفر اختیار کرنا پڑا تھا اور جن کے محبوب بہت پیچھے وطن میں رہ گئے تھے، ہجر و فراق کے پرسوز گیتوں سے دلوں میں ایک کسک ایک ہوک محسوس کر رہے تھے۔ انھوں نے ایک ہفتے کے لیے نخشب میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اب وہ خداوند مقنع کی سرزمین میں داخل ہو گئے تھے یہاں کے لوگ ان کے ہم عقیدہ اور ہم خیال تھے۔ انھوں نے ان تارکان وطن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہاں کے بوڑھوں نے ان تارکان وطن کو یہ کہہ کے تسلی دی کہ بیٹیوں اور ان کے جاننے والوں کو ان کے وطن میں جنہیں مانا جاتا، پھر خداوند مقنع کے پرستاروں کی آبائی سرزمین ان کی کس طرح دلجوئی کر سکتی تھی؟

رات کو جب آسمان پر دو چاند ایک ساتھ طلوع ہوئے تو ان تارکان وطن کے دل کے کدورتیں دھل گئیں اور ان کی تھکان میں کیا یہ فیصلہ کر گئی ہی۔ انھوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک چاند تو انتہائی بلندی میں آسمان پر چڑھا ہوا نظر آ رہا تھا لیکن دوسرا

نخشب کی سرزمین پر کوئی چند فرلانگ بلندی پر تھا۔ اس چاند کو بوزو نے بھی نہایت دلچسپی سے دیکھا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ چاند کیا ہے۔ بوزو کے ماں باپ اس چاند کو عقیدت و تعجب سے [illegible] تھے۔ اسے خداوند مقنع نے نخشب اور کش والوں کے لئے طلوع کیا تھا۔

ان دنوں زبیر کچھ زیادہ فکرمند رہتا تھا۔ وہ معلوم نہیں کن الجھنوں میں مبتلا تھا۔ بوزو اس [illegible] جنگ کی بابت جاننا چاہتی تھی جس میں لیث کے ہاتھوں اس کے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا [illegible] تھا۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ خداوند مقنع کے وہ پرستار جنہیں وہ مسجد کے سامنے چھوڑ آئی تھی اور وہ افراد جو لیث کی تلاش میں ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ ان کا کیا حشر ہوا؟ ان کی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا؟ لیکن وہ یہ باتیں کس سے پوچھتی؟ زبیر کا فکرمند چہرہ ملنے سے گریز کرتی تھی شاید وہ بوزو سے ناراض ہو گئے تھا۔ زبیر نے اس سے بات چیت بھی بند [illegible]۔ بوزو کے والد کی نظر میں لیث کے بعد بوزو کے لئے زبیر سے بہتر رشتے کا ملنا مشکل ہے۔ [illegible] دونوں بھی ان کی باہمی کشمکش کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے کئی بار بوزو کو [illegible] کی کہ وہ زبیر کو ناراض نہ کرے اور اگر زبیر اس کی کسی بات سے ناراض ہو گیا ہے تو اسے منانے کی کوشش کرے۔ مگر بوزو بھی دو دل ہو رہی تھی۔ خداوند مقنع کے پرستاروں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جب سے نخشب اور کش کی فضا میں مقنع کی طرف سے ایک چاند طلوع کر دیا گیا تھا۔ اس کے ماننے والوں میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا تھا۔ ان کے خداوند کا اتنا غیر معمولی کارنامہ تھا کہ اس عہد کے انسانوں کے خیال میں یہ کام خدا ہی انجام دے سکتا تھا۔ بوزو بھی اس سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ لیث کا خیال خواب ہوتا جا رہا تھا۔ ایک ایسا خواب جو رات کے پچھلے پہر چند ثانیوں میں دیکھا گیا ہو اور صبح ہوتے ہوتے اس کی جزئیات حافظے سے نکلتی جا رہی ہوں۔

معلوم نہیں کس طرح زبیر کی اداسی کم ہو گئی اور وہ ہشاش بشاش دکھائی دینے لگا۔ وہ بوزو کے پاس آیا اور اس نے باہر چلنے کی دعوت دی۔ بوزو انکار نہیں کر سکتی تھی۔ چپ چاپ ساتھ چل پڑی۔ رات کا وقت، دو چاندوں کی نرم نرم خوشگوار اور کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی چاندنی، وہ دونوں چلتے چلتے ایک مرغزار میں اناروں کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ ان کے اوپر درختوں کی ٹہنیوں میں سے چاندنی چھن چھن کے آ رہی تھی۔ زبیر نے بوزو کو غور سے دو دو دیکھا۔ بوزو کو احساس تھا کہ زبیر اس خوشگوار کیفیت میں بھی اس سے دور کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ بوزو چپ تھی اور چاہتی تھی کہ زبیر خود ہی گفتگو کا آغاز کرے۔

زبیر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔ کہیں قریب ہی کوئی بڑا سا پرندہ پھڑپھڑا کے اڑا اور ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت میں گم ہو گیا۔ بوزو ڈر سی گئی اور سرک کے زبیر کے قریب جا بیٹھی۔ زبیر اور پیچھے ہٹ گیا۔ بوزو اس کی اس حرکت پر حیران سی رہ گئی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

زبیر نے کہا: "بوذنہ! تم کچھ خیال نہ کرنا۔ میں ان دنوں تم سے کچھ دور دور رہا ہوں۔ میں نے ایسا کیوں کیا، یہ قرب اور ایک طویل الجھن کے رد عمل کی داستان ہے۔"

بوذنہ کچھ بولنے کے بجائے اس کی باتیں سننا چاہتی تھی کیونکہ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ زبیر سے کس قسم کی باتیں کرے۔

زبیر نے کہا: "تم بھی چپ چپ رہیں، کیوں؟ شاید اس لئے کہ تم لیث کو بھلا نہ سکیں۔" پھر کسی سوچ میں ڈوب کر آہستہ سے کہا: "یہ تمہاری محبت ہی تو تھی جس نے لیث کو بچا لیا ورنہ اس دن میں اس سے اپنا حساب کتاب کر چکا ہوتا۔ شاید تم نے اسے میرے منصوبے سے کسی طرح پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔"

بوذنہ نے کہا: "میں نے ایسا نہیں کیا، یہ تمہارا خیال ہے۔"

زبیر نے پوچھا: "اچھا اگر میں اسے اپنا خیال یا گمان ہی مان لوں تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ تم اس رات وہاں لیلیٰ کے ساتھ کیوں گئی تھیں؟"

بوذنہ نے سچ بولنے کی عافیت محسوس کی، بولی: "میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں تمہارے منصوبے سے لیث کو مطلع تو ضرور کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس سے مل نہیں سکی تھی۔ ابھی میں مسجد کے سامنے ہی پہنچی تھی کہ سامنے مشعلوں کی روشنی میں جنگ ہوتے دیکھی۔ اس کے بعد تم مل گئے اور میں تمہارے ساتھ واپس آ گئی۔"

زبیر اس کی باتیں غور سے سنتا رہا، پھر پوچھا: "لیکن تم نے ایسا کیوں کرنا چاہا تھا؟"

بوذنہ نے جواب دیا: "لیث میرے چچا کا بیٹا ہے اور میں اس رشتہ کی محبت کو اپنے دل سے نہیں نکال سکی ہوں۔"

زبیر نے بیزاری سے کہا: "یہ غلط ہے۔ تم اس سے محبت کرتی ہو اور اس محبت میں تم اسے میرے منصوبے سے مطلع کر دینا چاہتی تھیں۔"

بوذنہ نے کہا: "لیکن تم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں پر نماز فجر کے بعد حملہ کیا جائے گا حالانکہ حملہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد کیا گیا۔"

زبیر نے ہنس کر کہا: "میں نے تمہیں اپنے منصوبے کا وقت اس لئے غلط بتایا تھا کہ تم یقیناً لیث کو اس سے مطلع کر دو گی اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں غلط رائے نہیں قائم کی تھی۔"

بوذنہ چپ ہو رہی۔ زبیر نے کہا: "بوذنہ!" اس کے بعد آسمان پر مقنع کے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "کیا ایسا چاند خداوند مقنع کے علاوہ کوئی بھی طلوع کر سکتا ہے؟ یہ بھی علامت اس بات کا ثبوت ہے کہ خداوند مقنع سچا ہے۔"

بوذنہ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ زبیر نے چونک کر دریافت کیا: "کیا بات ہے؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟ [illegible]ے ناراض ہو؟"

بوذنہ نے جواب دیا: "میں ناراض نہیں ہوں لیکن اس بات پر حیران ضرور ہوں کہ تم مجھ سے بیزار [illegible] تم مجھ سے دور بیٹھ کے اپنی بیزاری کا اظہار کر رہے ہو۔"

زبیر نے یک بیک پھر سنجیدگی اختیار کر لی، بولا: "ہاں! اس کا بھی ایک سبب ہے۔ مجھے اس [illegible] بیزار دکھ پہنچا ہے کہ تم بدستور لیث سے محبت کئے جا رہی ہو۔ حالانکہ میں اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوں [illegible] نظروں میں لیث کی پوری شخصیت کا اپنی ذات سے موازنہ کیا تو میں اس سے برتر نکلا۔ وہ ایک عام [illegible] ہے اور مجھے خداوند مقنع کے تقرب اور مبلغ کا شرف بھی حاصل ہے لیکن اس برائی اور اس [illegible] کے باوجود جب تم نے لیث ہی کو اہمیت دی تو مجھے اس کا دکھ ہونا ہی چاہئے تھا۔ میں نے کئی [illegible] روکے اور تم سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس الجھن کا حل دریافت کرنا چاہا۔ میں یہ سوچتا رہا کہ مجھے [illegible] سلسلے میں کیسی روش اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے یہ چند دن تفکرات کے اندھیروں میں گزارے [illegible] میں نے الجھنوں کی اس پیچ دار راہ میں سے نکلنے کی بھرپور کوشش کی اور آخر اس نتیجے پر پہنچ [illegible] نہیں ہوا مجھے اپنے دل سے تمہارا خیال نکال دینا چاہئے۔"

بوذنہ پر اب اس کی باتیں واضح ہو رہی تھیں اور زبیر کی آخری باتوں نے اسے چونکا دیا۔ حیرت سے [illegible] میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

زبیر نے جواب دیا: "میرا مطلب بالکل صاف ہے۔ جب میں تمہارے دل میں جگہ نہیں بنا سکا تو [illegible] باعزت طور پر علیحدگی اختیار کر لوں۔ بوذنہ! تم خوش ہو جاؤ کہ میں نے اپنی توقعات توڑ لی ہیں۔"

بوذنہ کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ زبیر آخر کہنا کیا چاہتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے کیا اس [illegible] وہی ہے جو لفظوں میں پایا جاتا ہے۔ کیا ان کا مفہوم وہی ہے جو کانوں کی راہ سے دل و دماغ میں [illegible] رہا ہے؟

زبیر نے ہنستے ہوئے کہا: "بوذنہ اب فکر نہ کرو۔ میں تم سے مایوس ہو چکا ہوں۔ میں تم سے محبت نہیں [illegible] میں ایسی جرأت بھی نہیں رکھتا کہ تم سے محبت کا اظہار بھی کر لوں۔ تم سلمیٰ دو ہو اور تم ایک امانت ہو اور یہ [illegible] اس کے حق دار کو نہایت عزت و تکریم سے پہنچا دی جائے گی۔"

بوذنہ نے رقت سے کہا: "زبیر! میں جو کچھ سن رہی ہوں اس پر مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

زبیر نے کہا: "ایسی بات نہیں۔ میں حیرت میں ہوں بلوت اللہ اس سرزمین میں جہاں خداوند مقنع موجود [illegible] طرح بولنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔"

بوذنہ نے جرأت سے اس کے کاندھے پر سر رکھنا چاہا لیکن زبیر پیچھے سرک گیا، بولا: "اس کی ضرورت [illegible] نہیں ہے بوذنہ۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بوزنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گلوگیر آواز میں بولی: "زبیر میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ تم ایک عظیم نوجوان ہو۔ زندگی بھر تمہارے احسان کو نہیں بھول سکوں گی۔"

زبیر نے جواب دیا: "جب سے میں نے تمہیں اپنے دل سے نکالا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

بوزنہ پوچھنا چاہتی تھی کہ زبیر نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر عملدرآمد کس طرح ہوگا۔ لیث سے کہا؟ اور لیث نے اگر خداوند مقنع کا دین قبول نہ کیا تو یہ مسئلہ کس طرح حل کیا جائے گا؟ یہ ساری باتیں پوچھنے کی تھیں لیکن پوچھنے کی ہمت نہ پڑی تھی۔

بوزنہ کے لئے زبیر کا یہ انداز معمہ بن گیا تھا کہ اس نے بوزنہ کا خیال تو اپنے دل سے نکال دیا لیکن وہ احترام بہت زیادہ کرنے لگا تھا۔ یہ لوگ ایک جوش غضب میں رہ کر کش روانہ ہو گئے تھے۔ مقنع سام کی پہاڑی کے ایک مضبوط قلعے میں سکونت پذیر تھا۔ یہاں ان کو ماورا النہر اور ترکستان اور دیگر علاقوں سے حاجی لوگوں کی طرح خداوند کی بارگاہ میں جا رہے تھے۔ وہ اونچی نیچی پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے کش کے شمالی حصے میں داخل ہو گئے۔ یہاں سام نامی پہاڑی سلسلے کے ایک گزار حصے میں وہ قلعہ دکھائی دے رہا تھا جس میں ان سب کا مطلوب و مقصد زیر نگیں تھا۔ انہوں نے قلعے کی مقابل پہاڑیوں پر قیام کیا اور خداوند مقنع کی طرف سے فرمان طلبی کا انتظار کرنے لگے۔ یہ لوگ قلعے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے۔ بوزنہ کا باپ مقنع کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے بے چین تھا۔ یہی حال اس کی بیوی کا بھی تھا لیکن بوزنہ ایک ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح تھی جس کی موجیں تہہ میں ہوں۔ زبیر اسے خوب گھما پھرا رہا تھا۔ بوزنہ کا زہد شکن شباب زبیر کو آوارگی پر اکساتا لیکن اس نے جو عہد کیا تھا اس پر سختی سے کاربند تھا۔ بوزنہ کو زبیر کی ہر بات کا اعتبار تھا لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ وہ سوچتی کہ آخر تاتار منگولوں جیسے ماحول میں لیث کس طرح داخل ہو سکے گا اور اسے کس طرح لیث کے حوالے کر دے گا؟ وہ اس پر جتنا سوچتی اس میں اضافہ ہونے لگا۔

صبح نے رات کی آغوش سے نکل کے دنیا اور اہل دنیا کو اپنا نور اور صبیح چہرہ دکھایا۔ جمہور نے خوش الحانی سے صبح کو خوش آمدید کہنا شروع کر دیا۔ پہاڑی گھگے بان اپنے ریوڑ لے کے سبزہ زاروں میں چلے گئے۔ زبیر نے بوزنہ سے کہا: "بوزنہ! چلو میں تمہیں دور سے اس قلعے کا نظارہ کراؤں جہاں خداوند مقنع تیرہ چودہ سال سے رونق افروز ہے اور جہاں دن رات فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس پوری زمین کا وہ حصہ جس پر خداوند بنفس نفیس موجود ہے۔ اس لائق ہے کہ ہم جا کر اس کی زیارت کریں اور اس کی خاک کو چہرے پر مل کر دل و جان سے دعائیں مانگیں۔"

بوزنہ نے کہا: "میں اس سوچ سے پریشان ہو رہی ہوں کہ خداوند کے روبرو میں جاؤں گی کس طرح؟"

زبیر نے تسلی دیتے ہوئے کہا: "بوزنہ تم فکر نہ کرو میں تمہارے پاس موجود رہوں گا اور تمہاری سرپرستی کرتا رہوں گا۔"

بوزنہ نے جھجکتے جھجکتے سوال کیا: "زبیر! میں کئی دنوں سے تم سے چند باتیں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم ان کے صحیح صحیح جواب دو گے؟"

زبیر نے جواب دیا: "مجھے تم سے محبت ہے۔ تم جو چاہو پوچھو میں ان کے سچے جوابات دوں گا۔ اس کی صداقت پر مجھے یقین ہے۔"

بوزنہ نے پہاڑی کے پیچھے سے سر نکالتے ہوئے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیا تم نے خدا کا دیدار کیا ہے؟"

زبیر نے جواب دیا: "نہیں میں نے آج تک خدا کا دیدار نہیں کیا کیونکہ خداوند مقنع نے اپنے انوار پر ہمیشہ یہ کہہ کے کہ جب موسیٰ جیسا پیغمبر ہمارے دیدار کی تاب نہ لا سکا، تو تم عام بندے کس طرح میرا دیدار کر سکو گے؟"

بوزنہ نے دلچسپی سے پوچھا: "اگر میں تمہارے نام نہاد خدا کا دیدار کر لوں تو؟"

زبیر نے جواب دیا: "مجھے تمہاری اس بات کا کس طرح یقین آ سکتا ہے؟"

بوزنہ نے قدرے سنجیدگی سے کہا: "میں تم سے جو کچھ پوچھنا چاہتی ہوں وہ سوال تو اب رہ گیا۔" پھر ذرا سکوت اختیار کیا اور کچھ دیر بعد پوچھا: "کیا تم واقعی اپنے دل سے میرا خیال نکال چکے ہو؟"

"بالکل بالکل!" زبیر نے جلدی جلدی کہا: "میں اس بات کے لئے قسم کھانے کو تیار ہوں لیکن قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں میری اس بات پر یقین کر لینا چاہیئے۔"

بوزنہ نے پھر پوچھا: "اور یہ بات درست ہے کہ تم امانت کے معاملے میں دیانت دار واقع ہوئے ہو اور جلد ہی تم مجھے اصل حقدار کے حوالے کر دو گے؟"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔" زبیر نے جواب دیا: "میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ میرے دل میں تم جیسی لڑکی کے لئے وہی جگہ ہے۔ اور یہ احترام اور عزت بڑھتی رہے گی لیکن کم نہ ہوگی۔"

بوزنہ نے پھر سوال کیا: "اور لیث؟ میرا مطلب ہے لیث، وہ تمہارے چچا کا بیٹا ہے؟ یعنی کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی وہ زبان اور الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔"

زبیر نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ دور قلعے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا: "اسے سجدہ کرو۔ اس میں خداوند مقنع ہے۔ خداوند مقنع جو اس وقت بھی ہم دونوں کے آس پاس موجود ہماری باتیں سن رہا ہوگا، ہماری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہوگا۔"

یہ کہتے کہتے زبیر سجدے میں گر گیا لیکن بوزنہ بدستور کھڑی رہی۔ زبیر نے سجدے سے سر اٹھا کے بوزنہ کو کھڑے دیکھا تو غصہ میں بولا: "بوزنہ! گستاخی اور بے ادبی سے باز آؤ اور فوراً سجدے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

میں مرجاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا انہیں معتوب قرار دے دے۔"

یوزتہ پھر بھی کھوئی کھوئی رہی۔ بولی: "پہلے میں خدا کا دیدار کروں گی اس کے بعد اپنی عقیدت و احترام اس پر نچھاور کر دوں گی۔"

"تم پتنگے کی طرح خود کو برباد کر دو۔ اگر خدا نے چہرے سے نقاب اٹھا دی تو یقین کرو تم ہو جاؤ گی، جل کے راکھ ہو جاؤ گی۔"

یوزتہ نے جواب دیا: "میں مرنے سے نہیں ڈرتی۔ میں خداوند مقنع کا دیدار کر کے رہوں گی۔"

زبیر فکرمند ہو گیا۔ سورج کی شعاعیں پہاڑی کی چوٹی سے ٹکرا کر خیرگی سی پیدا کر رہی تھیں۔ سورج کی طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں چندھیا گئیں۔ یوزتہ سے کہا: "یوزتہ! کیا تمہاری آنکھوں میں اتنی تاب و توانائی ہے کہ تم سورج سے آنکھ ملا سکو؟"

یوزتہ نے جواب دیا: "نہیں، میں سورج سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔"

زبیر کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ بولا: "پھر تم خداوند مقنع سے کس طرح آنکھ ملا سکو گی۔ سورج تو اسی ذات کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔"

یوزتہ نے کہا: "میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں۔ مجھے تو تم اپنی سمجھ بوجھ جانو ہے۔ تم اپنے خداوند سے کہو کہ میں اس کے دیدار کی طالب ہوں۔ اسے دیکھنے پر مصر ہوں۔"

زبیر نے مردہ سی آواز میں کہا: "اچھا مجھے وقت دو۔ میں خداوند مقنع تک تمہاری خواہش پہنچا دوں گا۔" پھر کچھ سکوت اختیار کیا۔ ذرا دیر بعد بولا: "اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں خداوند کے دربار میں بھیج دیا جائے اور تم اپنی اس خواہش کا اظہار تم خود خداوند مقنع سے کر سکو۔"

یوزتہ نے خوش ہو کے کہا: "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

اس کے بعد یوزتہ کا یہ قاعدہ ہو گیا کہ اسے جب بھی موقع ملتا زبیر کو اس پر مجبور کرتی رہتی کہ اسے خداوند مقنع کے دربار میں پہنچا دیا جائے اور زبیر ہر بار یہی کہتا کہ کوئی وقت مقرر کئے بغیر رات کسی وقت اچانک خداوند کے دربار میں پہنچا دیا جائے گا۔ خداوند سے ملنے اور اس کا دیدار حاصل کرنے میں اس کی خواہش کا راز یہ تھا کہ وہ خداوند مقنع سے اس کے ستم رسیدہ پرستاروں کی شکایات کرے۔ خدا کا جو تصور اسلام نے پیش کیا تھا اس میں خدا منصف، ارحم الراحمین، شفیق اور مہربان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خداوند مقنع میں بھی یہی اوصاف موجود ہوں گے اور خدا کے احسان اس کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت ہوں گے۔

یوزتہ نے کئی بار زبیر سے نیٹ کی بابت بھی چند سوالات کرنا چاہے لیکن اس ڈر سے باز رہی کہ زبیر نیٹ کے ذکر سے چڑ نہ جائے۔ حالانکہ زبیر نے اس سے یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ یوزتہ اس کے عقد کے حوالے کر دی جائے گی۔

شام کی شفق پھیل رہی تھی۔ زبیر کافی دیر غائب رہنے کے بعد جب ان میں واپس پہنچا تو بہت خوش تھا۔ اس نے یوزتہ اور اس کے والدین کو یہ خوشخبری سنائی کہ: "آج کی رات اسے خداوند نے قلعہ میں طلب کر لیا ہے۔"

اس خوشخبری نے خداوند کی بارگاہ میں حاضری دینے والے امیدواروں میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ خیموں میں موم کی شمعیں اور زیتون کی مشعلیں روشن تھیں۔ ماحول کی گھٹی گھٹی فضا سے اکتا کر ہر کوئی باہر نکل آیا اور اس کے ساتھ یوزتہ اور اس کے والدین بھی باہر آ گئے۔ تالیاں بجنے لگیں اور لوگ یوزتہ کے آس پاس جمع ہو گئے۔ یہاں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی موجودگی میں یوزتہ کے باپ نے یہ اعلان کیا کہ: "یوزتہ کو زبیر کے حوالے کرنے کا جو فیصلہ بحر خزر کے ساحل قلعے نوگر میں کیا گیا تھا اس پر خداوند مقنع کی بارگاہ میں حاضری سے پہلے ہی عمل درآمد کر دیا جائے گا۔"

لوگوں نے خوشی و مسرت سے تالیاں بجائیں اور چند نوجوانوں نے کھڑے ہو کے خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔ بوڑھوں نے مبارکباد دیں اور دونوں کی کامیاب اور پُرمسرت زندگی کے لئے خداوند مقنع کے قلعے کی طرف منہ کر کے دعائیں دیں۔ لیکن اس اعلان سے یوزتہ کو بڑا دکھ پہنچا۔ اس نے آگ کے الاؤ کی روشنی میں زبیر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو خوشی کے تاثرات تھے اور نہ رنج و افسوس کے۔ اس کا خیال تھا کہ زبیر کھڑے ہو کے علی الاعلان اس رشتے کے خلاف مزاحمت کرے گا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ یوزتہ کو اس بات پر قلق ہوا تھا کہ اگر اس موقع پر خاموش رہا گیا تو شاید یہ رشتہ پکا ہو جائے گا۔ اس نے زبیر کو ایک بار پھر متجسس نگاہوں سے گھورا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ آگ کے الاؤ کے قریب بیٹھی ہوئی یوزتہ کھڑی ہو گئی اور آگ کی لرزتی لو میں لرزتا سایہ زبیر کے منہ پر پڑنے لگا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا: "افسوس کہ ابھی ابھی آپ نے جسے اور زبیر کے جس رشتے کی بات کی ہے وہ اب نہیں ہو سکتا۔"

یوزتہ کے باپ کو اپنی بیٹی کے اس جرات مندانہ اقدام کی توقع نہ تھی۔ غصے میں یوزتہ کو ڈانٹنے سے پہلے بٹھا دینا چاہا۔ خوف زدہ ہو کے کہا: "یہ رشتہ میں نے کیا ہے۔ میری زندگی میں تم اس سے کس طرح انکار کر سکتی ہے؟"

زبیر نے باپ بیٹی کو الجھتے دیکھ کر مداخلت کی اور کچھ سوچتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ یوزتہ کے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میرے محترم بزرگ! یوزتہ صحیح کہہ رہی ہے۔" اس کے بعد اس نے یوزتہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "یوزتہ! تم غلطی پر ہو۔ اس رشتے کی تنسیخ کا اعلان تمہاری طرف سے نہیں، میری طرف سے ہونا چاہئے تھا۔"

جن لوگوں نے ان دونوں کے رشتے کے اعلان پر خوشی کا اظہار کیا تھا وہ حیرت سے زبیر کی صورت دیکھنے لگے۔ یوزتہ کے باپ کا وہ ہاتھ جو یوزتہ کے شانے پر رکھا تھا آہستہ آہستہ پھسل کے ڈھلک گیا۔ یوزتہ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

زبیر نے بوزق کے باپ اور حاضرینِ محفل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بوزق نے جو کچھ کہا ہے جو اس سلسلے میں، میں خود کہتا۔ اس وقت میں کہیں اور تھا ورنہ میں خود تردید کر دیتا۔"

بوزق کے باپ نے تعجب سے پوچھا: "لیکن تمہیں یہ رشتہ منظور کیوں نہیں ہے؟"

زبیر نے جواب دیا: "کبھی انسانی دل سے محبت کے گہرے نقوش کو کھرچ کے مٹا دینا ممکن ہوتا تو میں بوزق کے دل سے ان نقوش کو ضرور صاف کر دیتا لیکن یہ کام کسی انسان کے بس کا نہیں ہے۔ جو خدا کسی کے دل میں محبت کی شمع جلاتا ہے وہی اسے بجھا بھی سکتا ہے اور اس کی جگہ دوسری جلا بھی سکتا ہے۔ میں بوزق کو خداوند مقنع کے روبرو پیش کر کے اس سے استدعا کروں گا۔ وہ بوزق کے دل کو اس محبت کی آلودگی سے پاک کر دے۔"

بوزق نے اسے ٹوک دیا، مضطرب آواز میں بولی: "لیکن تم نے مجھ سے یہ وعدہ کر رکھا ہے۔ جب تم نے مجھ سے دستبرداری کا اعلان کیا تھا تو کیا مجھے اس کا سبب نہیں بتایا تھا کہ میرے دل میں لیث کی محبت موجود ہے اور تم اس سلسلے میں میری طرف سے بالکل مایوس ہو کے دستبرداری کے اعلان پر مجبور ہو گئے ہو؟"

زبیر نے اثبات میں گردن ہلا دی، کہنے لگا: "میں جھوٹ نہیں بول سکتا، بوزق صحیح کہہ رہی ہے۔"

بوزق نے مزید کہا: "اور کیا تم نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں اپنے صحیح حقدار کے حوالے کر دی جاؤں گی؟"

زبیر نے پھر تائید کی، بولا: "ہاں میں نے یہ بھی کہا تھا۔"

بوزق نے موقع غنیمت دیکھ کے جرأت مندی سے کہا: "اور میں اسی دن سے اس بات کا انتظار کر رہی ہوں کہ تم مجھے کب لیث کے حوالے کرو گے؟ وہ لیث جس کا مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر چکا اور اگر وہ زندہ ہے تو کہاں ہے؟" یہ کہتے کہتے اس کی آواز میں گھبراہٹ آ گئی۔

زبیر نے کہا: "لیکن بوزق میں نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تمہیں لیث کے حوالے کر دوں گا۔ کیا تم نے میرے جملے کے لفظ حق دار پر غور کیا؟ تمہیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ میں لیث کو تمہارا حق دار نہیں مانتا۔ لیث بے دین ہے، خداوند مقنع کا دشمن، ایک کافر تمہارا حق دار کس طرح ٹھہر سکتا ہے؟"

بوزق کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی اسے چکر آنے لگا۔ مجلس کے سارے لوگ ناچنے لگے۔ آگ کے شعلے تاریکی میں تبدیل ہونے لگے۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں دریافت کیا: "پھر تمہارے لفظ 'حقدار' سے کون سا شخص مقصود ہے؟"

زبیر نے لاپرواہی سے جواب دیا: "نہیں، یہ بات تین دن بعد معلوم ہو جائے گی، میں ابھی کچھ نہیں کہوں گا۔"

بوزق چکرا کے گر گئی۔ بوزق کے باپ نے لپک کے اسے اپنے ہاتھوں پر روک لینے کی کوشش کی لیکن روک نہ سکا۔ وہ زمین سے ٹکرائی اور ایک پتھر پر گر کے بے ہوش ہو گئی۔ جس سے اس کے سر میں زخم آ گیا اور خون بہہ کر اس کے بالائی لباس کو تر کرنے لگا۔

قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ دور دراز کے زائرین و بیدکو قلعے میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان سب کو قلعے کے اس حصے سے دور رکھا گیا جہاں خداوند مقنع خود مقیم تھا۔ سرسبز شاداب وادی میں جا بجا بھاری پتھروں کے کاکے بنا دیے گئے تھے۔ مشتاقانِ دیدار انہی کاکوں میں ٹھہرا دیے گئے۔ ان کاکوں کے نیچے دراصل فٹ گہرے گڑھے تھے۔ ان گڑھوں کے اس پار پھر پہاڑی سلسلہ تھا اور اس سلسلے کے بعد خیمے گڑے تھے۔ اسی طرح ایک قربان گاہ کے بعد وہ خوبصورت حصہ تھا جہاں خداوند مقنع کے خوبصورت محلات تھے۔ ان سرخ اور نیلے پتھروں کی عمارتوں کو بڑے بڑے درختوں نے اپنی پناہ میں لے رکھا تھا اور ان محلات کی چہار دیواریں نظر بھی آتی تھیں ان پر عشق پیچاں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں جن کے سرخ سرخ پھول دیواروں میں آگ سی لگا رہے تھے۔

زبیر نے بوزق کے باپ کو بتایا: "ان ہزاروں آدمیوں میں آپ لوگ وہ خوش قسمت انسان ہیں جنہیں خداوند مقنع نے اپنی قربت سے نوازنے کا شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ یہاں نہیں ٹھہریں گے بلکہ آگے چلیں گے اور خداوند کے مقدس محلات میں سے کسی ایک میں اقامت کا فخر حاصل کریں گے۔"

بوزق کا باپ خداوند کے محل کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گیا اور رو رو کے اپنی عاجزی کا اعلان کرنے لگا۔

پہاڑی خچروں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا۔ افسردہ اور سوگوار بوزق بھی ایک خچر پر سوار جھکولوں سے آگے پیچھے ہوتی ہوئی مقنع کے محلات کی طرف چلی جا رہی تھی۔ اسے یہ سرسبز و شاداب علاقہ بہت پسند آیا لیکن یہاں کے پر لطف نظارے سے وہ حظ نہیں حاصل کر سکی۔ اسے بار بار یہی احساس ستا رہا تھا کہ زبیر نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور معلوم نہیں کسے اس کا "حق دار" قرار دے دیا گیا ہے۔

یہ لوگ پہاڑی راستوں کے نشیب و فراز طے کرتے ہوئے خداوند مقنع کے زیر سایہ پہنچ گئے۔ انگوروں کی بیلوں نے انہیں خوش آمدید کہی اور دور سے پہاڑی درختوں نے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں کے ساتھ استقبال شروع کر دیا۔ اس سفر میں انھوں نے کئی گھنٹے صرف کیے تھے۔ انھیں ایک عالیشان عمارت میں ٹھہرایا گیا جس میں ہر طرف ایک خوبصورت سا قرینہ بنا ہوا تھا۔ بوزق کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کسی حجرے میں اتار دیا گیا ہو۔ اسی محل میں انھیں خداوند مقنع کے خدمت گاروں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ انھوں نے نوواردوں کو سفید جامیوں میں شامل ہونے پر مبارکباد دی اور یقین دلایا کہ انھیں خداوند مقنع کے قرب میں ایسا سکون میسر آئے گا کہ دنیا کو بھی بھلا دیا جائے گا۔

تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے بعد خداوند مقنع کی طرف سے ایک خوبصورت فرستادہ آیا اور

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

انھیں بتایا کہ خداوند ان کی آمد سے بہت خوش ہے اور وطن کے چھوٹ جانے کا غم غلط کر دیا جائے گا۔ بزقہ کو یہاں عجیب سی بو محسوس ہوتی رہی۔ تیزاب، الکحل کی تو، ان دونوں کے علاوہ ایسی بو وہاں پائی جاتی تھی جس کے بارے میں وہ کوئی معلومات نہ رکھتی تھی۔ اس نے زبیر سے پوچھا:

”یہاں یہ بدبو کیسی پائی جاتی ہے؟“

زبیر نے جواب دیا: ”خداوند مقنع چیزوں کے خواص کا بڑا گہرا علم رکھتے ہیں۔ ان کی تجربہ گاہ میں معلوم نہیں کیا کیا رکھا ہوا ہے۔ اس میں تیزاب، پارہ اور الکحل سے تو میں خود بھی واقف ہوں۔“

بزقہ نے پوچھا: ”خداوند کے محل میں ان چیزوں کا کیا کام؟“

زبیر نے بے بسی سے جواب دیا: ”مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں دوسروں سے یہ سنا ہے کہ خداوند مقنع چیزوں کے خواص سے بڑا کام لیتے ہیں۔“

زبیر کی باتیں بزقہ کی سمجھ سے بالا تھیں۔ اس نے یہاں زبیر کو بہت برا بھلا کہا۔ بولی: ”زبیر اس دن آگ کے سامنے تم جس طرح تم نے میرا دل توڑا تھا، میری خدا سے یہ دعا ہے کہ وہ تمہارا دل بھی اسی طرح توڑ دے۔“

زبیر نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا: ”میرا دل تو تم نے پہلے ہی توڑ رکھا ہے۔“

بزقہ نے برجستہ جواب دیا: ”میں نے تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا!“

زبیر نے کہا: ”وعدہ تو میں نے بھی کوئی نہیں کیا تھا!“

بزقہ نے تقریباً بات کاٹتے ہوئے کہا: ”تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم مجھے لیث سے ملا دو گے اور مجھے لیث کے حوالے کر دو گے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا!“

زبیر نے کہا: ”میں نے لیث سے ملانے کا اگر تم سے کوئی وعدہ کر رکھا ہے تو میں اس سے تمہیں ضرور ملوا دوں گا لیکن میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا کہ تم اس کے حوالے کر دی جاؤ گی۔“

بزقہ نرم ذرا ہنستے آئی۔ بولی: ”اچھا اگر تم دوسری بات سے پھر رہے ہو تو کوئی بات نہیں، لیکن یہ تو کر سکتے ہو کہ مجھے لیث سے کسی طرح ملوا دو۔“

زبیر نے کہا: ”ہاں یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میں اس سے تمہیں ضرور ملوا دوں گا!“

کئی دن بعد رات کو زبیر خداوند مقنع کی طرف سے یہ پیغام لایا کہ ”بزقہ! تم خوش قسمت ہو کہ خداوند مقنع نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔“

بزقہ نے گھبرا کے پوچھا: ”کیا تنہا مجھے طلب کیا ہے؟ کیا میں وہاں اکیلی چلی جاؤں گی؟“

زبیر نے جواب دیا: ”نہیں تو میں ساتھ چلوں گا۔“

بزقہ، خداوند مقنع کی طلبی سے سہم گئی تھی۔ خوفزدہ لہجے میں بولی: ”لیکن وہ مجھے تنہا کیوں بلا رہا ہے؟“

”خدا کی یاد تو خدا ہی جانے شاید تمہارے حسن کی دوسروں سے تعریفیں سن کر۔“

بزقہ نے حیرت سے پوچھا: ”خدا نے میرے حسن کی تعریف دوسروں سے سنی ہے؟ کیا وہ غیب کا علم نہیں رکھتا جو کسی خبر کے سلسلے میں دوسروں کی معلومات کا پابند ہے!“

زبیر نے خدا کی وکالت کی، بولا: ”خداوند مقنع کو تو چاروں کونوں تک کا حال معلوم ہے۔ لیکن جب سے اس نے ایک مادی جسم میں ظہور کیا ہے وہ ان تمام امور کا پابند ہو گیا ہے جو ایک مادی جسم سے وابستہ ہیں۔“

بزقہ نے تشویش سے پوچھا: ”کیا خداوند مقنع صرف حسین شکلوں ہی کو اپنے حضور طلب کرتا ہے؟“

زبیر نے جواب دیا: ”ہاں کیونکہ وہ خود حسین ہے اس لئے حسینوں ہی کو پسند کرتا ہے۔“

بزقہ کے دل میں خداوند مقنع کے خلاف بہت سی باتیں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھیں اس نے پوچھا: ”کیا خداوند مقنع نے شادی بھی کی ہے؟“

”شادی کی رسم تو ان لوگوں کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔“ زبیر نے جواب دیا: ”خداوند کی ذات آزاد ہے اور اسے ان بشری رسوم کا کس طرح پابند کیا جا سکتا ہے؟“

لیکن اس کے جواب سے بزقہ کو تسکین نہیں ہوئی۔ وہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی زبیر کے جواب سے وہ بات صاف نہیں ہوئی تھی اس نے مزید استفسار کیا: ”کیا خداوند مقنع عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے؟“

زبیر نے جواب دیا: ”بزقہ! تم یہ مت بھولو کہ خداوند نے انسانی شکل میں ظہور کیا ہے اس لئے وہ تمام خصوصیات اور اوصاف جو ایک آدمی میں پائی جاتی ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں وہ کھانا کھاتا ہے، غسل کرتا ہے، لباس پہنتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، باتیں کرتا ہے۔ عورتیں رکھتا ہے اور ان عورتوں سے اسی طرح پیش آتا ہے جس طرح کوئی مرد عورت سے۔ قرآن پاک میں خدا نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ خداوند مقنع بھی انسانی جسم میں آنے کے بعد عورت کو اپنا لباس سمجھتا ہے۔“

بزقہ کو وحشت سی ہونے لگی۔ اسے خداوند مقنع کے عزائم کا پتہ چل چکا تھا۔ اس نے مقنع کے روبرو تنہا جانے سے انکار کر دیا۔ بولی: ”میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میں خداوند مقنع سے ملنا نہیں چاہتی۔“

زبیر نے درشتی سے کہا: ”تمہیں وہاں جانا پڑے گا۔ کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ خداوند کے احکام کو نظر انداز کر دے۔ اس کے حکم پر زبردستی عمل کرایا جائے گا!“ پھر ذرا نرم لہجہ اختیار کیا: ”اور بزقہ! اس کے باوجود کہ میں تم پر جبر نہیں کرنا چاہتا، اس معاملے پر جبر و زبردستی سے کام لینے پر مجبور ہوں۔“

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بوزقہ نے اٹل لہجے میں کہا: "میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تمہارے خداوند کے دربار تنہا نہیں جاؤں گی اور اگر اس سلسلے میں تم یا کسی اور نے جبر سے کام لیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

زبیر نے مشتعل لہجے میں کہا: "بوزقہ! اس وقت میں ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے جب تم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہاری محبت سے دستبردار ہو جاتا ہوں اور تم اپنے جسم خداوند کے حوالے کر دی جاؤ گی اور اس وقت میرے ذہن میں خداوند مقنع کا یہی خیال تھا۔ کیا یہ تمہارے اور تمہارے خاندان کے لیے شرف و عزت کی بات نہیں کہ تم خداوند مقنع کی محبوبہ کہلاؤ۔ بوزقہ! میں نے اپنے دل پر جبر و صبر کا پتھر رکھ کے، خداوند مقنع کی خاطر تم سے دست کشی اختیار کی ہے اور میں یہ سعادت حاصل کرنے کے درپے ہوں کہ تمہیں خداوند مقنع کی آغوش میں گرا ہوا دیکھوں۔"

بوزقہ کی تیوریوں پر بل آ گئے اور خشمناک نظروں سے زبیر کو گھورا۔ تیز و ترش لہجے میں کہنے لگی: "میں تمہیں بڑا انسان سمجھتی تھی لیکن تم نہایت پست انسان نکلے۔ میری بابت تم نے اب تک جو سوچا ہے، اسے اپنے دل سے نکال دو، ورنہ اگر تم نے کسی طرح جبر و زبردستی سے کام لیا تو تمہیں شرمندگی اور ندامت سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

زبیر نے بھی مضبوط لہجے میں کہا: "میں اپنے کسی بھی منصوبے میں ابھی تک تو شرمندگی یا ندامت سے دوچار ہوا نہیں۔ آگے کا حال خداوند مقنع مجھ سے بہتر جانتا ہوگا۔"

بوزقہ نے اسے ٹھوکر دی اور زور سے چیختی ہوئی کھڑی ہو گئی: "تم بھی دیکھنا، میں بھی دیکھوں گی کہ تم جو کچھ دیکھو اس کو مجھے ضرور دکھا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی بات دل ہی میں رہ جائے۔"

زبیر نے خلاف توقع سوال کیا: "بوزقہ! تم لیث سے کب ملنا چاہتی ہو؟"

بوزقہ کسی قدر نرم پڑ گئی۔ اس نے بے چینی سے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟ میں اس سے ضرور ملوں گی، بار بار ملوں گی، ایک دو بار نہیں صد بار ملوں گی۔ وہ کہاں ہے؟"

زبیر نے جواب دیا: "وہ میرے شکنجے میں ہے اور اسے کل تک تم سے ملا دیا جائے گا۔"

بوزقہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی: "دل آزاری بدترین گناہ ہے لیکن میں یہ محسوس کرتی ہوں تمہارا خداوند مقنع دوسروں کی دل آزاری سے خوش ہوتا ہے۔"

"بس بوزقہ! زیادہ ہو چکا اب۔ میں اس سے زیادہ نہیں سن سکتا۔ اپنی بکواس بند کرو!" زبیر کے منہ سے جھاگ اڑنے لگی۔ بوزقہ چپ ہو گئی اور زبیر اسے تنہا چھوڑ کر پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

بوزقہ کے لیے وہ ساعتیں کتنی کربناک تھیں جو لیث اور اس کی ملاقات کے درمیان حائل تھیں۔ دوسرے دن زبیر حسب وعدہ اس کے پاس پہنچا۔ وہ بہت چپ چاپ تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا: "بوزقہ میرے ساتھ آؤ تاکہ لیث سے ملا دوں!"

بوزقہ بمجبوری اٹھی اور اس کے ساتھ ہو لی۔ زبیر اسے اسی عمارت کے بالائی حصے میں لے گیا۔ وہ کئی زینوں میں گھومتی ہوئی اوپر پہنچ گئی۔ چھت سے تقریباً چھ سات فٹ نیچے اسے ایک چھوٹی سی کوٹھری نظر آئی جس میں ایک تالا بھی پڑا ہوا تھا۔ زبیر نے کہا: "وہ تمہیں لیث اس کوٹھری میں بند ہے۔" پھر اس نے کنجی بوزقہ کی طرف اچھال دی، بولا: "اسے تم خود کھولو گی اور اندر بھی تم ہی جاؤ گی کیونکہ یہ معاملہ تمہاری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

لیکن بوزقہ کو زبیر پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ وہ کوٹھری کو کھول کے اندر تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا: "کوٹھری کو تم خود کھولو اور لیث کو باہر بلا لو۔ میں اندر نہیں جاؤں گی۔"

زبیر نے طنزیہ کہا: "میں تمہارا مطلب خوب اچھی طرح سمجھ گیا۔" پھر اس نے قفل کھول دیا اور اندر جاتا ہوا بولا: "تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں، شاید نہ کرو اعتماد، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

یہ کہتا ہوا وہ کوٹھری کی تاریکی میں گھس گیا لیکن جب تھوڑی دیر بعد باہر آیا تو اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا بیمار نوجوان بھی تھا۔ بوزقہ نے غور سے اس نوجوان کو دیکھا اور اس میں لیث کی شباہت پا کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی لیکن زبیر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا: "ابھی نہیں، ابھی تم دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہو!"

بوزقہ اضطراب و غصہ میں زبیر کو دھکا دینے لگی لیکن مضبوط و توانا زبیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لیث مجبوری اور بے بسی سے بوزقہ کی شکل دیکھے جا رہا تھا۔ زبیر نے بوزقہ سے طیش میں کہا: "بوزقہ اپنے ہوش میں رہو، دیوانگی سے کام نہ لو، کیا تم مجھے دھکا دے کر لیث تک پہنچ سکتی ہو؟"

بوزقہ نے بدستور غصے میں کہا: "زبیر! سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔" یہ کہتی ہوئی وہ ایک پتھر کی طرف بڑھی لیکن زبیر نے اس سے پہلے ہی وہ پتھر اٹھا کے نیچے پھینک دیا۔ پھر بوزقہ سے نہایت خشک لہجے میں کہا: "میرا خیال ہے کہ تم یہ نہیں پسند کرو گی کہ میں لیث کو دوبارہ کوٹھری میں بند کر کے واپس چلا جاؤں۔"

بوزقہ نے بے چینی میں جلدی جلدی کہا: "نہیں! خدا کے لیے مجھے اس سے چند باتیں کر لینے دو۔"

زبیر نے ترشی سے کہا: "تو باتیں ذرا دور سے کرو۔"

لیث نے خفیف آواز میں بوزقہ سے کہا: "بوزقہ! تم اس نوجوان کی بات مانو۔"

بوزقہ نے غصے میں کہا: "لیکن، اگر میں تمہارے جسم سے لگ کر کھڑی ہو کے بات چیت کروں تو اس نوجوان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

اس بار زبیر نے جواب دیا، بولا: "میں خواہ مخواہ حسد کا شکار ہو جاؤں گا کیونکہ میں کسی حالت میں بھی نہیں برداشت کر سکتا بوزقہ اور لیث مل کے ایک ساتھ میرے سامنے کھڑے ہوں۔"

لیث نے ناخوشگواری سے کہا: "بوزقہ! تم خواہ مخواہ وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟ اس مندی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اور حاسد نوجوان کی مرضی کے مطابق اس حالت میں بھی ہم دونوں باتیں کر سکتے ہیں، اس میں الجھنے جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔"

ناچار بوزقہ بھی تیار ہو گئی اور چپ چاپ کھڑی ہو کے لیث کی طرف تکنے لگی۔

بوزقہ نے لیث سے پوچھا: "لیث! یہ تم گرفتار کس طرح ہو گئے؟"

لیث نے جواب دیا: "دھوکے سے، مجھے اس حاسد نوجوان کے ساتھیوں نے دھوکا دے کر پکڑا ہے۔"

زبیر نے ہنستے ہوئے کہا: "تم نے چالاکیاں بھی تو بہت دکھائی تھیں۔ سیدھی طرح ہاتھ ہی نہ آتے تھے۔"

بوزقہ نے لیث سے سوال کیا: "یہ تمہاری صحت اچانک کیوں خراب ہو گئی؟"

لیث نے صاف صاف جواب دیا: "اندر دھوپ کا کہیں سے بھی گزر نہیں ہوتا اس پر قید تنہائی۔ آدمی پاگل نہ ہو تو چند دن بعد پاگل ہو جائے۔ اگر اسی طرح مجھے دو ہفتے اور گزارنا پڑے تو میں پھر زندہ نہ نکلوں گا۔"

زبیر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی مجبوری اور بے بسی دیکھ دیکھ کے بہت خوش ہو رہا تھا۔ پھر معلوم نہیں کیا سوچ کے زبیر ان دونوں کے سامنے سے ہٹ گیا، چھت پر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ زور سے بولا: "اچھا، اب تم دونوں آزادی سے دل کی باتیں کر سکتے ہو۔ میں تم دونوں کے درمیان سے ذرا دور ہٹا جاتا ہوں۔"

بوزقہ نے اسے شکر گزار نظروں سے دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔ لیث بھی دل ہی دل میں اس کی شرافت پر حیران سا رہ گیا۔ اس کے جاتے ہی بوزقہ نے لیث کے کاندھے پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی، بولی: "یہ ظالم نوجوان مجھ سے کہتا ہے کہ میں مقنع کے حرم میں چلی جاؤں لیکن میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

لیث نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا، بولا: "بوزقہ میں ان بے دینوں کو اتنا طاقتور نہیں سمجھتا تھا، معلوم نہیں بغداد کی عباسی حکومت ان کے لیے کیا کر رہی ہے۔ ان لوگوں نے جب مجھے دھوکے سے پکڑا ہے میں ان سے میرا حوصلہ پست ہو گیا۔"

بوزقہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "اور کمال تو یہ ہے کہ تم گرفتار ہو کے ہمارے ساتھ چلتے رہے لیکن ہمیں اس کا علم تک نہ ہو سکا۔"

لیث نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: "کیا تم نے مقنع کا دین اختیار کر لیا؟"

"نہیں، ابھی نہیں۔" بوزقہ نے کہا: "کیوں؟"

لیث نے کہا: "اور آئندہ کیا تم بھی ان بے دینوں میں شامل ہو جاؤ گی؟"

بوزقہ نے جواب دیا: "شاید کبھی نہیں۔"

لیث کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، کچھ دیر میں پوچھا: "کیا میں اس کوٹھری میں مر جاؤں گا؟"

بوزقہ نے تسلی دی، بولی: "میں کوشش کروں گی کہ تم چھوڑ دیے جاؤ۔"

"وہ کس طرح؟" لیث نے بے چینی سے پوچھا۔

بوزقہ کچھ سوچ رہی تھی۔ ذرا دیر بعد خلا میں گھورتی ہوئی بولی: "میں کوشش کروں گی اور شاید اس میں ناکام نہ رہوں۔"

اس کے بعد اس نے خود کو لیث کی آغوش میں دے دیا، روتی ہوئی بولی: "اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ جب تم آزاد ہو کر یہاں سے چلے جاؤ گے تو کبھی مجھے یاد نہ کرو گے۔ کسی لڑکی سے شادی کر کے بوزقہ کو اپنے دل سے نکال پھینکو گے۔"

"ایسا کبھی بھی نہ ہوگا بوزقہ!" لیث نے کہا: "میں تم سے محبت کرتا ہوں، تمہیں چاہتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میں تمہیں کبھی بھی نہ بھولوں گا۔"

بوزقہ نے سرد آہ بھر کے کہا: "سب کہنے کی باتیں ہیں، کوئی کسی کو یاد نہیں رکھتا۔"

لیث بھی ایک دم جذباتی ہو گیا، بولا: "تب پھر میں آزادی نہیں چاہتا۔ اگر مجھے آزادی مل بھی گئی تب بھی میں اس کوٹھری سے نہ نکلوں گا۔"

بوزقہ زبردستی مسکرانے لگی، اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال دیا اور سہلاتی ہوئی بولی: "میں تم سے مذاق کر رہی تھی ورنہ مجھے تو تمہاری محبت پر اتنا یقین ہے جتنا صبح کی طہارت و صباحت کا۔"

زبیر واپس آ گیا، مسکراتے ہوئے ہنستے ہوئے پوچھا: "کیا تم دونوں نے کچھ کام کی باتیں کر لیں؟"

بوزقہ نے جواب دیا: "ہاں، کر لیں۔"

زبیر نے ہنستے ہوئے کہا: "لیکن اس وقت میں نے خوب اچھی طرح سوچا سمجھ کر غلط ہوا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم دونوں اب اپنی جذباتی گفتگو کے ہم موثر ہو۔" پھر زور زور سے ہنستا ہوا بولا: "مجھے بھی۔ دراصل تم دونوں کے تڑپانے تڑپانے میں مزہ آنے لگا ہے کیونکہ اس سے پہلے ابدال لب بھی تڑپا رکھے ہیں۔"

ان دونوں نے اس شقی القلب کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ زبیر نے لیث کو حکم دیا: "اب اندر جاؤ۔"

لیث نے بوزقہ کو بڑے کرب سے دیکھا۔ بوزقہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے اندر جاتا ہوا دیکھ سکتی، اس نے اپنا منہ پھیر لیا اور لیث اندر چلا گیا۔ زبیر نے کوٹھری کو پھر مقفل کر دیا۔

جب وہ دونوں واپس پہنچے جا رہے تھے تو زبیر خاموش تھا مگر بوزقہ کی الجھن اور نفسی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کیفیات کا نہایت غور سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اُس نے بوزہ کو ٹٹولنے کی خاطر پوچھا: "کیا تم لیث کو آزادی دلانا پسند کرو گی؟"

بوزہ نے بے اختیار جواب دیا: "کیوں نہیں، میں تو دل و جان سے اسے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں، لیکن کس طرح، یہ میں نہیں جانتی۔"

زبیر نے مزید ٹٹولتے ہوئے کہا: "اگر تم چاہتی ہو تو لیث کو آزادی مل سکتی ہے۔"

بوزہ نے بے چینی سے کہا: "میں نے کہہ تو دیا کہ میں اسے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں۔" پھر پوچھا: "میں اسے کس طرح آزادی دلوا سکتی ہوں؟"

زبیر نے طنز آمیز لہجے میں کہا: "ترکیب میں تمہیں بتا دوں گا، اس پر عمل کرنا تمہارا کام ہو گا۔"

بوزہ کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ جھلا کے پوچھا: "آخر کس طرح؟ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں؟"

زبیر نے کہا: "یہاں تو بس ایک ہی ہستی ایسی ہے جو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے اور وہ ہے خداوند مقنع کی ذات۔ اگر وہ چاہے تو لیث کو اسی وقت آزادی مل سکتی ہے۔"

بوزہ نے خوشامد کی: "تب پھر تم میری طرف سے اس کی خوشامد کرو زبیر! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ تم خداوند مقنع سے لیث کو رہائی دلا دو۔"

زبیر نے جواب دیا: "خداوند مقنع میری بات نہیں مانے گا۔"

"پھر وہ جس کی بات مانے گا، اس سے سفارش کروا دو۔"

زبیر نے کہا: "کسی سے بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کے لئے تم تنہا کافی ہو۔ تم خود خداوند کے پاس چلی جاؤ اور لیث کی آزادی کا پروانہ لے آؤ۔"

بوزہ سناٹے میں آ گئی۔ کچھ دیر تک تو اس کی شاید سمجھ میں ہی نہ آیا کہ زبیر نے بات کیا کہی ہے لیکن جیسے جیسے بات سمجھ میں آتی گئی بوزہ کو غیظ سے جھرجھری سی چڑھ گئی۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ فوراً انکار کر دے اور زبیر سے کہہ دے کہ اگر لیث کو اسی شرط پر آزادی مل سکتی ہے تو وہ ایسی آزادی نہیں چاہتی لیکن پھر معاملے کی نزاکت اور اہمیت کا احساس کر کے خاموش ہو رہی۔

زبیر اس کشمکش اور اس کے نتائج کا خوب اچھی طرح اندازہ کر چکا تھا، بولا: "بوزہ! تم بس ہاں کر دو، لیث کل ہی رہا کر دیا جائے گا۔"

بوزہ نے سر اٹھا کے زبیر کی دھندلی دھندلی سی شکل دیکھی اور شاید مدہوشی کی کیفیت میں آہستہ سے کہا: "ہاں میں تیار ہوں۔ میں لیث کی آزادی چاہتی ہوں، ہر طرح، ہر قیمت پر۔ میں لیث کے لئے تمہارے خداوند کے پاس جاؤں گی، اس سے بھی ملوں گی۔"

یہ کہتے کہتے وہ بے ہوش ہو کے گرنے لگی لیکن زبیر نے آگے بڑھ کے اسے ہاتھوں پر روک لیا

اسی دن خداوند مقنع نے اپنے پرستاروں کو خصوصی حکم بھیجا تھا کہ پورے قلعے اور اس کی عمارات کو سجایا جائے۔ اس کام میں منوں تیل خرچ ہوا اور اسی حساب سے روئی بھی کام میں آئی۔ خوشبویات سے محل مہکنے لگا۔ عقیدت مندوں اور پرستاروں نے عید جیسا اہتمام کیا اور نئے کپڑے پہن کر خداوند مقنع کے محل کی طرف منہ کر کے اس کی حمد و ثنا بیان کرنا شروع کر دی۔ اور چند دوسرے مبلغین آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے وہ پرستار تھے جو دور دراز کی مسافت طے کر کے خداوند مقنع کی قربت حاصل کرنے آئے تھے۔ ان میں سے اکثر خداوند کی شکل بھی دیکھنا چاہتے تھے اور خداوند مقنع کے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ موسیٰؑ کی طرح اپنی ضد پر قائم تھے اور انہیں اپنی زندگیوں کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔ انہی لوگوں میں بوزہ کے والدین بھی شامل تھے۔ اس دن بوزہ کو دلہن بنا دیا گیا تھا۔ وہ ان سب کے جھرمٹ میں کشاں کشاں چلی جا رہی تھی۔ ان کا ہر قدم انہیں مقنع سے قریب کرتا جا رہا تھا۔ جب یہ لوگ اس معبد کے سامنے پہنچ گئے جس کے دوسری طرف خداوند مقنع ایک مرصع تخت پر اپنا چہرہ سنہری نقاب میں چھپائے بیٹھا تھا تو بارگاہ خداوندی کے خدام نے باآواز بلند انہیں رک جانے کا حکم دیا۔ وہ بڑا عجیب سماں تھا۔ خدام کی آوازیں جیسے ہی ان کے کانوں میں پہنچیں تو جو جس حال میں تھا، اسی طرح کھڑا ہو گیا۔ بعض کا بایاں پیر اٹھ چکا تھا اور بعض کا دایاں، ان کے اٹھے ہوئے پیر اٹھے کے اٹھے رہ گئے۔ بعض نے فرطِ عقیدت میں خود کو قدرے خمیدہ کر لیا تھا۔ وہ جھکے کے جھکے رہ گئے تھے۔ بعض نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ لیا تھا۔ وہ اسی طرح سر پکڑے کھڑے رہ گئے۔ بعض کا چہرہ اندرونی جذباتی کھنچاؤ سے تمتما کر سرخ ہو گیا تھا اور وہ پہلے ہی کی طرح سر جھکائے زمین پر جمے ہوئے اپنے قدموں کو دیکھ رہے تھے۔ بوزہ تنہا ایک ذات ایسی تھی جس پر اس منظر کا کوئی اثر نہ ہوا تھا اور وہ اپنے آس پاس ان جاندار مجسموں کو حیرت و تعجب سے گردن گھما گھما کر دیکھ رہی تھی۔ سامنے جو دروازہ تھا اس کی محراب کو خوشبودار اور رنگ برنگے پھولوں سے سجا دیا گیا تھا۔ دروازے کے آس پاس کی دیواروں کو پھولوں کے ہاروں سے کچھ اس طرح ڈھانپ دیا گیا تھا کہ دیواریں ان میں چھپ گئی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے پھلدار درختوں کی لمبی چوڑی اور موٹی بیلیں زمین پر دیوار کی طرح کھڑی کر دی گئی ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد دروازے کے دونوں پٹ خود بخود کھل گئے اور عقیدت مندوں کو کہا گیا کہ وہ سجدے میں گر جائیں۔ حکم پاتے ہی سب کے سب سربسجود ہو گئے۔ بوزہ نے یہاں بھی تعمیل نہیں کی لیکن زبیر نے زبردستی اسے گردن سے پکڑ کے سجدے میں گرا دیا۔ وہ زمین پر پیشانی کے بل گر گئی۔ پیشانی زخمی ہو گئی اور اس سے خون جاری ہو گیا۔

کسی مقرب خاص نے باآواز بلند خداوند مقنع کی طرف سے حکم دیا: "خداوند کی محبوبہ کو دروازے میں داخل ہو کے داہنی جانب کے کمرے میں بٹھا دیا جائے۔"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

زبیر نے دیوانہ وار بروقہ کو کھڑا کیا اور اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کے مذکورہ کمرے میں پہنچا کے واپس آ گیا۔

خداوند کے خدام نے اس کے حکم کو ایک بار پھر پرستاروں کے کانوں تک پہنچایا "مجھے سر اٹھا کر سامنے دیکھا جائے۔"

پرستار جو گڑگڑا رہے تھے، انہوں نے اپنے سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔ سامنے تھوڑے فاصلے پر ایک پستہ قد شخص ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اس کا چہرہ سنہری نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ خدا نے اپنے خدام کے ذریعے پرستاروں کو مخاطب کیا۔

"لوگو! ہم خوش ہیں کہ تم نے دور دراز علاقوں سے یہاں تک دشوار گزار راستوں کا [illegible] لیے مجبور کیا ہے کہ تم ہمارا قرب چاہتے تھے۔ تم ہمارے دیدار سے شرف اندوز ہونا چاہتے تھے اس وقت سے ہم تمہارے سامنے ہیں لیکن سامنے ہونے کے باوجود تم ہمارا دیدار نہیں کر سکے ہماری قربت حاصل ہونے کے باوجود تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے!"

بہت سے پرستاروں نے بیک آواز جذباتی لہجے میں کہا "ہم خداوند کے دیدار سے شرف [illegible] ہونا چاہتے ہیں!"

خداوند مقنع نے جواب دیا "یہ ناممکن ہے!"

پرستاروں نے اصرار کیا: "خدا کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔"

"بے شک ہمارے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں اور اسی لئے ہم انسانی شکل اختیار کر کے اس وقت تم میں تمہارے روبرو موجود ہیں۔"

پرستاروں نے اصرار کیا: "ہم خداوند کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"تم نہیں دیکھ سکتے!" خداوند نے پہلی بار اپنے پرستاروں کو براہ راست مخاطب کیا: "کیونکہ تم سے پہلے ہمارے ایک عزیز بندے موسیٰ نے بھی یہی خواہش کی تھی اور بار بار [illegible] کرنے کے باوجود جب وہ باز نہیں آیا تھا تو ہم نے اسے اپنی ایک ہلکی سی جھلک دکھا دی [illegible] اور موسیٰ اس کی تاب نہ لا کے بے ہوش ہو گیا تھا۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو؟"

پرستاروں کی طرف سے ایک ہی اصرار تھا "ہم خداوند کی ایک جھلک پر اپنی جانیں تک قربان کر دینے کو تیار ہیں۔"

خداوند نے کہا: "میرے نادان بندو! میں تمہیں نظر نہیں آ رہا؟"

پرستاروں نے جواب دیا: "صرف جسم، ہم خداوند کا جمال، تجلی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

مقنع نے دریافت کیا: "تم مجھے کس شکل میں دیکھنا چاہتے ہو؟ انسانی شکل میں یا حقیقی شکل میں؟"

پرستاروں نے جواب دیا "حقیقی شکل میں! جہاں تک انسانی شکل کا تعلق ہے وہ تو ہمارے سامنے موجود ہی ہے۔"

مقنع نے کہا: "ہم مجسم نور ہیں، ایک جہان سوز تجلی۔ اگر ہم اپنے چہرے سے اپنا نوری نقاب ہٹا دیں تو تم چیخنے لگو گے۔ اور تمہارے ہوش و حواس جاتے رہیں گے!"

"کچھ بھی ہو!" پرستاروں نے کہا "ہم خداوند کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں!"

خداوند نے جواب دیا "بہتر ہے، کل دوپہر تم سب سامنے قریب کی پہاڑی پر جمع ہو جاؤ، کل ہم اپنے چہرے کی نقاب ہٹا دیں گے اور تم سب ہمارے جلوے کا نظارہ کر سکو گے لیکن ہم ایک بار پھر تنبیہ کر دینا چاہتے ہیں کہ تم ہمارے جلوے کی تاب نہ لا سکو گے۔"

پرستاروں نے کہا "ہم سب خداوند کی ایک جھلک پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہیں۔"

خداوند نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا: "تم سب واپس جاؤ۔" پھر اپنے مبلغین کو مخاطب کیا: "اور یہ وہ بندے، جنہیں فرشتگان کی خدمات سونپی گئی ہیں اور وہ جنہوں نے اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت پر [illegible] کیا ہے، رک جائیں ان کے ساتھ ہی بروقہ کے وہ خوش نصیب والدین بھی رک جائیں جن کی بیٹی بروقہ کو میں نے اپنی عروس ہونے کا شرف بخشا ہے۔"

پرستاروں کا یہ ہجوم جس طرح آیا تھا واپس چلا گیا لیکن مبلغین اور بروقہ کے والدین رک گئے۔ خداوند مقنع نے انہیں اپنے تخت کے قریب آنے کا حکم دیا۔ یہ سب مقنع کے تخت سے تقریباً دس قدم دور جا کے کھڑے ہو گئے۔

خداوند مقنع نے بروقہ کے والدین کو مستقبل کی نجات، کامیاب و کامران اور خوش و خرم زندگی کی بشارت دی اور زبیر سے کہا: "انہیں میرے محل خاص کے برابر کا حصہ رہائش کے لئے عطا کیا جائے۔"

زبیر نے ان دونوں کو مذکورہ محل میں پہنچا دیا۔ اس نے ان کو خوشخبری سنائی: "بروقہ کے پرستارو! تم اس دنیا کے کتنے خوش قسمت انسان ہو کہ خدا نے تمہیں اپنے سسر والدین ہونے کا شرف بخشا ہے۔"

بروقہ کے والدین اظہار شکر گزاری میں مقنع کے کمرے کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گئے۔

بروقہ کو قربت شاہ سے [illegible] یک بیک محسوس کیا جیسے خوشبو کا طوفان اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ پھر اپنے کمرے میں اچانک بہت سارے وجود محسوس کئے۔ اس نے نظریں اٹھا کے اپنے آس پاس دیکھا تو دس بارہ عورتیں مؤدب کھڑی دکھائی دیں۔ بروقہ کی دہشت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نے ان عورتوں سے دریافت کیا: "تم کون ہو اور مجھے یہاں کتنی دیر رکنا ہے؟"
ان میں سے ایک عورت نے آگے بڑھ کر ادب سے جواب دیا: "ہمیں تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے اور تم اس وقت خداوند مقنع کی محبوبہ ہونے کا شرف حاصل کر چکی ہو۔ خداوند چاہے گا تمہیں اپنی جگہ سے حرکت کا حکم عطا فرمائے گا۔" اسی وقت خدمتگار خواتین اور دیکھنے والے تھم گئے۔ ایک عمر رسیدہ خاتون نے باآواز بلند تنبیہ کی: "خداوند قدس شریف فرما ہو رہے ہیں۔ نگاہ روبرو رہے اور جو جس حال میں ہے اسی میں منجمد ہو جائے یہاں تک کہ خداوند حرکت کی اجازت عطا فرمائیں۔"
یہ خواتین جس حالت اور جس انداز میں کھڑی تھیں پتھر کے مجسموں کی طرح اسی انداز میں کھڑی رہ گئیں۔
مقنع خوشبو دار لباس میں معطر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا بوزقہ کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک بوزقہ کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد خدمت گار خواتین کو حکم دیا: "خلوت، خلوت۔"
وہ خواتین باہر چلی گئیں۔ خداوند نے بوزقہ کو چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد مخاطب کیا: "بوزقہ! اے میری عزیز ترین دل مقبول! مجھے جب تمہارے بے پناہ حسن کا علم ہوا تو میں نے اپنے بندے زبیر کو حکم دیا کہ تمہیں میرے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ زبیر جیسے فرمانبردار بندے نے اس پر بڑی اطاعت گزاری سے عمل کیا ہے۔"
بوزقہ نے سر اٹھا کے مقنع کی طرف دیکھا۔ ایک چوڑا چکلا پست قد زرق برق اور معطر لباس میں ملبوس اس کے روبرو کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سنہری نقاب پڑی ہوئی تھی۔
مقنع نے اسے خاموش دیکھ کے سوال کیا: "بوزقہ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں وہ قربت بخشی ہے جس سے دوسرے محروم رہتے ہیں۔"
بوزقہ نے جس کامیابی کے لئے اتنی بڑی قربانی دی تھی اس کی تحصیل کا یہ بہترین موقع تھا۔ اس نے شرم و جھجک کو بالائے طاق رکھ کر مقنع سے کہا: "میں چاہتی ہوں کہ پہلے مخاطب کا تفصیلی تعارف حاصل کروں اس کے بعد ناز و نیاز کی باتیں ہوں۔"
مقنع اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ حیرت سے پوچھا: "بوزقہ! کیا تم واقعی نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں؟"
بوزقہ نے جواب دیا: "میں نے تمہارے بارے میں سن رکھا ہے کہ تم حکیم کے بیٹے ہاشم مرو کے قصبے غزتے کے رہنے والے ہو اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم ابو مسلم خراسانی کی فوج کے ایک فوجی افسر بھی تھے اور یہ کہ تمہیں چیزوں کے خواص و اثرات کا وسیع علم حاصل ہے۔ تم طلسم کے ماہر ہو۔"

مقنع نے نہایت افسوس سے کہا: "بوزقہ! افسوس کہ تم ابھی تک مجھ سے واقف نہیں ہو۔ تم مجھے انسان کیوں سمجھتی ہو؟ میں تمہارا خدا ہوں، تمام جہانوں کا خدا۔ تم یا کچھ لوگ مجھے ہاشم کہتے ہیں۔ یہ کہ میں اپنے لئے جو چاہوں نام اختیار کروں۔ پہلے میں آدم تھا، ابراہیم تھا، موسیٰ اور عیسیٰ تھا اور سب سے آخر میں ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاہر ہوا اور اب میں ہاشم کی شکل میں تمہارے روبرو ہوں۔"
بوزقہ نے کسی قسم کا تاثر دئے بغیر کہا: "لیکن یہ کیا بات ہے کہ تم سے پہلے جو بھی آیا اس نے خود کو خدا نہیں کہا، محض پیغمبر ہونے پر اکتفا کیا اور تم خود کو خدا کہہ رہے ہو۔ آخر یہ کیوں؟"
مقنع نے جواب دیا: "انہیں اس اعلان اور دعوے کی میری طرف سے اجازت نہیں تھی۔ وہ انسان ہی تھے لیکن میں سراپا روحانی ہوں اور جو شکل بھی چاہوں اختیار کر سکتا ہوں۔"
بوزقہ نے پوچھا: "کیا یہ سچ ہے کہ خدا الرحمٰن الرحیم ہے؟ کیا تم بھی اس بات کا دعوے کرتے ہو؟"
مقنع نے جواب دیا: "ہاں میں رحمٰن ہوں، یہ میری صفت ہے لیکن رحمت حصول کر میں ظالم اور جابر بھی ہوں۔ لیکن تمہیں یہ سب نہ بحث و تکرار کی ضرورت ہے۔ اس طرح تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
بوزقہ ایک دم رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ مقنع نے ان آنسوؤں کو پونچھنے کی کوشش کی تو بوزقہ نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور کہنے لگی: "میں کیوں رو رہی ہوں اور میں خداوند سے کیا چاہتی ہوں غالباً اس سلسلے میں مجھے زبان نہیں کھولنی چاہئے اور خدا جس کی پہلی صفت یہ بھی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ دلوں کے حال جانتا ہے۔ خداوند کو ضرور معلوم ہوگا کہ میں کیا چاہتی ہوں؟"
مقنع نے بے نیازی سے کہا: "بھولی لڑکی! میں جانتا ہوں کہ تو کیا چاہتی ہے۔"
بوزقہ نے بگڑ کر مقنع کی فلسفہ طرازی پر اتفاق، تعجب سے پوچھا: "میں کیا چاہتی ہوں؟"
مقنع نے شانِ بے نیازی سے کہا: "تو جو کچھ بھی چاہتی ہے میں اس سے واقف ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ضروری ہے کہ تو اپنی خواہش کا لفظوں میں اقرار اور اظہار کرے۔"
بوزقہ نے حیرت سے کہا: "آخر یہ کیوں؟ خداوند کو میری زبان سے کچھ سنے بغیر ہی جب علم حاصل ہے تو وہ اس کو میری زبان سے کیوں سننا چاہتا ہے؟"
مقنع ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اس کے انداز میں وہی پہلے جیسی ملائمت اور بے نیازی پائی جا رہی تھی۔ اس نے کہا: "اے بھولی لڑکی! کیا تو نے دیکھا ان تمام بندوں کو جو کسی بھی مذہب و عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، مسجدوں اور عبادت گاہوں میں ہاتھ بلند کئے دعائیں مانگتے نہیں دیکھا جاتا؟ حالانکہ وہ سب جانتے ہیں کہ خدا عالم الغیب ہے اور ان کے دلوں کی باتیں جانتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

خواہشات کا اظہار لفظوں ہی کی شکل میں کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں اور انہی میں سے ایک یہ اصول بھی ہے کہ میرے بندے اپنی خواہشات کا اظہار با آواز بلند زبان سے لفظوں ہی میں کریں۔" پھر نہایت پرشکوہ انداز میں کہا۔ "ہاں تو اے معصوم اور چلبلی لڑکی! اب بتا کہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

بوزقہ کا تو لب ہو گئی، ذرا سنبھل کے بولی: "لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ پہلے خداوند مجھے اس بات کا یقین دلا دیں کہ وہ میری درخواست رد نہیں کریں گے؟"

مقنع نے کہا: "میں تیری درخواست رد نہیں کروں گا، تو یقین رکھ۔"

بوزقہ نے کہا: "میرے چچا کے بیٹے لیث کو رہا کر دیا جائے۔"

مقنع کچھ پریشان سا ہو گیا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا، بولا: "چلیے تم اس سے محبت کرتی تھیں اور وہ بھی تمہیں چاہتا تھا۔ بخراب تو اپنے خداوند کے محل میں ہے اس لئے تجھے اس سرکش کو قید میں نہیں رکھنا چاہیے!" پھر پوچھا: "وہ کل رہا کر دیا جائے گا، اور کچھ؟"

"اور یہ کہ!" بوزقہ نے لجاجت سے کہا: "لیث میرے چچا کا بیٹا ہے، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اس سے ایک الوداعی ملاقات بھی کر لوں!"

مقنع بخشش دکھلانے پر آمادہ تھا، بولا: "یہ بھی ہو جائے گا اور کچھ؟"

بوزقہ مارے خوشی کے بستر پر گر گئی اور مقنع کیف و مستی سے سرشار اس کے برابر جا بیٹھا۔

×

دوسرے دن صبح مقنع کے خاص خدمت گار لیث کو لے کے بوزقہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ لیث کو کچھ پتہ نہ تھا کہ اسے کیوں اور کہاں لے جایا جا رہا ہے لیکن جب اسے اچانک بوزقہ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تو وہ حیرت و پریشانی میں یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ مقنع کے خاص محل میں ہے یا کسی معمولی جگہ پر۔ بوزقہ نے خدام کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ چلے گئے تو وہ بڑے اطمینان کے ساتھ باری باری ان تمام دروازوں پر گئی جو اس کے کمرے میں کھلتے تھے۔ اس وقت مقنع اپنی دوسری بیوی کے پاس گیا ہوا تھا۔ بوزقہ کو جب مکمل تنہائی کا یقین ہو گیا تو اس نے لیث کو ایک گوشے میں لے جا کے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت تم قید میں نہیں ہو اور تم رہا کئے جا چکے ہو؟"

لیث سمجھا بوزقہ اس سے مذاق کر رہی ہے، بولا: "بوزقہ! میں زندگی سے عاجز آ چکا ہوں مجھے مزید نہ ستاؤ!"

بوزقہ روہانسی ہو گئی، آنکھیں ڈبڈبا گئیں، بولی: "کیا مصیبت ہے، ناک، آنکھیں اور چہرہ، آواز بھی جھوٹی ہیں؟ یہ نہیں بتا رہیں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔" پھر تڑپ کے کہا: "میں

تمہاری رہائی کے لئے بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ آج تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔" وہ سسکیاں لینے لگی: "اور کچھ پتہ نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں ایک دوسرے سے کبھی دوبارہ مل سکیں گے یا نہیں!" وہ آنسو پونچھنے لگی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی نہ آ جائے۔ لیث کو ہدایت کی: "تم واپس جا کے خوش و خرم رہنے کی کوشش کرنا!"

لیث نے پوچھا: "کیا تم یہیں رہو گی۔ کیا میں واقعی رہا کر دیا جاؤں گا؟"

بوزقہ نے جل کے جواب دیا: "کیا قید اور صحت کی بربادی نے تم سے قوت یقین چھین لی ہے؟"

لیث نے افسردگی سے کہا: "بچھڑی ہوئی جمعیت میں یقین اور تسکین کیوں تلاش کروں، سو چھوڑو!"

بوزقہ نے کہا: "خیر یہ بیکار کی باتیں ہیں۔ آج اور ابھی تم یہیں سے چلے جاؤ گے، اب تم بتاؤ کہ تم جاؤ گے کہاں؟"

لیث نے جواب دیا: "بغداد چلا جاؤں گا اور دربار خلافت سے وابستہ ہو جاؤں گا!"

بوزقہ نے کہا: "خیال تو ٹھیک ہے لیکن اگر ممکن ہو تو بحر خزر کے کنارے جرجان میں رہنے کی کوشش کرنا، ہو سکتا ہے کبھی ہم دونوں کی دوبارہ ملاقات ہو جائے حالانکہ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے!"

لیث نے چبھتی نظروں سے بوزقہ کو دیکھا، پوچھا: "کیا تم نے میری رہائی کے عوض ....؟"

بوزقہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "ہاں لیکن اب اسے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

لیث اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن بوزقہ نے تالی بجا کے خدام کو طلب کر لیا۔ اس نے خدام کو ہدایت کی: "دیکھو انہیں کش کے قلعے سے نکال دیا جائے اور انہیں زاد راہ میں اتنا کچھ دے دیا جائے کہ راستے میں کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے!"

خدام نے تعمیل حکم میں اپنے سر جھکا دیے اور زاد راہ میں کھانے پینے کے سامان کے علاوہ سونے کے اتنے سکے بھی دے دیے کہ ضرورت کے وقت وہ ان کے عوض قیمتی چیزیں حاصل کر سکے۔ اس سامان میں وہ تیز رفتار مشکی گھوڑا بھی شامل تھا جس پر بیٹھ کے وہ کش کے قلعے سے باہر نکلا۔

لیث کے چلے جانے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کافی دیر رو لینے کے بعد جب دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو وہ چند کنیزوں کو لے کے محل کے مختلف حصوں میں گھومنے پھرنے لگی۔ اس نے ایک کمرے میں ایک زبردست بھٹی کو سلگتے دیکھا اور اس کمرے میں کونوں میں مختلف بوتلیں، تیزاب اور پارہ رکھے تھے۔ اس نے کنیزوں سے پوچھا: "یہ بھٹی یہاں کیوں روشن ہے، ان اشیا کا یہاں کیا کام ہے؟"

ایک کنیز نے جواب دیا: "خداوند کے راز خداوند ہی جان سکتے ہیں۔ میں کیا بتا سکتی ہوں کہ ان کا مصرف کیا ہے؟"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس دن دوپہر کے فوراً بعد سامنے کی پہاڑی پر مقنع کے ہزاروں پرستار اکٹھے ہو گئے۔ ایک دن پہلے خداوند مقنع نے ان سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دیدارِ عام کرے گا اور اس کے چہرے کی سنہری نقاب آج اتار دی جائے گی۔ اس کی رہائش کا بڑا دروازہ بند تھا اور اس کے مشتاق خداوند کی تجلی کے منتظر کھڑے تھے۔ ان کے سروں سے ذرا پیچھے مگر اوپر آفتاب چمک رہا تھا۔ مقنع کے پرستاروں کا جوش دیدنی تھا۔

ذرا دیر بعد آہستہ آہستہ دروازہ کھلنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اندر سے اتنی تیز روشنی خارج ہونا شروع ہو گئی جیسے سورج طلوع ہو رہا ہو۔ پرستاروں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ پھر دروازے کے دونوں پٹ بڑی تیزی سے کھول دیئے گئے اور دروازے کے کھلتے ہی ہزاروں آدمیوں نے یوں محسوس کیا جیسے سینکڑوں سورج مقنع کے کمرے میں اتر آئے ہیں اور ان کی چمک اور حدت سے گھبرائے ہوئے لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور چیخنے لگے۔ "بس خداوند بس! تم نے پہلے ہی جو کچھ بتایا تھا آج ہم سب ایمان لے آئے ہیں! ہم مر جائیں گے، ہماری آنکھیں بہہ جائیں گی، بس خداوند رحم!"

اور اس درخواست کے ساتھ ہی کمرے کا بلند و بالا دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔ پھر پوری طرح بند ہو گیا۔ خداوند کے پرستار اپنی بے بسی اور عبودیت کے اظہار کے لئے سجدوں میں گر گئے اور خداوند مقنع ایک شانِ تمکنت سے ان کے روبرو نمودار ہو گیا، بولا: "میرے بندو! اس طرح پریشان ہو، شاید تم نے یہ خبر سن لی ہے کہ عباسی فوجیں ہمیں تباہ و برباد کرنے کے لئے بغداد سے چل پڑی ہیں، لیکن میری ذات پر جو خدا بھی ہے، انھیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اس جنگ میں فرشتے جو فلک سے لڑنے کے لئے زمین پر آ جائیں گے!"

مقنع کی آواز اِدھر اُدھر کی پہاڑیوں سے ٹکرا کے واپس آ رہی تھی اور یہ ایک ایسی آواز تھی جس نے اس کے پرستاروں میں غضب کا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔

اُدھر سے فارغ ہو کے تھکا ہارا مقنع بنوقہ کے پاس پہنچا اور دریافت کیا: "کیا تیرا [illegible] رہا کر دیا گیا ہے؟"

بنوقہ نے جواب دیا: "جی خداوند۔"

مقنع نے ہنس کے کہا: "یہ تیری نہایت معمولی خواہش تھی، خیر اب تو تو خوش ہے؟"

بنوقہ نے جواب دیا: "بہت خوش ہوں خداوند۔" پھر دریافت کیا: "خداوند اگر اجازت ہو تو میں اُن سے ایک سوال پوچھ لوں؟"

مقنع نے ذرا سکوت اختیار کیا، بولا: "ہاں، لیکن وہ ایک ایسا سوال ہو، جس میں تیرا [illegible] نہ شامل ہو۔"

بنوقہ نے کہا: "کیا عربوں نے واقعی کش کا محاصرہ کر لیا ہے؟"

"ہاں!" مقنع نے غصے سے کہا: "وہ کہتے ہیں خداوند ضرور خدا نہیں ہے! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟"

بنوقہ نے دریافت کیا: "پھر خداوند نے انھیں کیا جواب دیا؟"

مقنع نے کہا: "میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم مجھے اس دعوے اور اس اعلان سے باز نہیں رکھ سکتے۔ میں خدا ہوں۔ تمام جہانوں کا خدا۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر تمہیں تباہ و برباد کرا دوں گا!"

بنوقہ کو مقنع کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا، پھر سوال کیا: "پھر عربوں نے کیا کہا؟"

مقنع نے جواب دیا: "وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم قلعے کا محاصرہ کر لیں گے۔ کش کے باہر سے آنے والے سامان اور رسد کو روک دیں گے!"

"اگر عربوں نے واقعی ایسا کر دیا تو پھر خداوند کیا کریں گے؟"

"میں یہاں کے ویرانوں اور پہاڑوں کی خشک اور بنجر چٹانوں میں فصلیں کھڑی کر دوں گا!"

"خوب!" مقنع نے مزید کہا: "یہ لوگ ابھی مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ مجھے جھٹلا رہے ہیں جس طرح پہلے نبیوں کو جھٹلایا جاتا رہا ہے۔ لیکن کیا اس تکذیب سے نبیوں نے اپنے کام بند کر دیئے تھے؟ اسی طرح میں بھی ان گمراہوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا اور اگر یہ اس وقت بھی ہی رہے جیسے ہیں تو پھر میں ان سے ایک مہیب اور بھیانک جنگ کروں گا!"

مقنع کی بے شمار بیویاں تھیں اور اسی طرح بے شمار لونڈیاں بھی تھیں۔ زہیرہ مقنع کا خادمِ خاص بن گیا تھا۔ بنوقہ اس سے زیادہ اس کو ہم آہنگ نہیں کر سکی۔ وہ کبھی کبھی زہیرہ کو برا بھلا بھی کہتی لیکن پھر اس کی باتیں برداشت کر جاتی کیونکہ اب بنوقہ کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی اور وہ خداوند مقنع کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھی اور اس کا سبھی احترام کرنے پر مجبور تھے۔ زہیرہ جب یہ کہتا کہ "اے خوش قسمت! تم کتنی خوش قسمت ہو کہ اس وقت تم خداوند کی سب سے چہیتی بیوی ہو۔ اگر کہیں تم مجھ سے یا لیث سے منسوب کر دی جاتیں تو تیرے حصے میں رہتیں!"

بنوقہ نے جواب دیا: "میں جھوٹے اعزاز کی کبھی بھی خواہش مند نہیں رہی۔"

عربوں نے محاصرہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سامان اور رسد رکنے لگا۔ قلعے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پریشانیوں نے ستایا تو وہ اندر سے ٹوٹنے لگے اور انھیں جب تب یہ آواز سنائی دینے لگی کہ "اس پریشانی میں خداوند فرشتوں کو کیوں نہیں طلب کرتے؟"

مقنع انھیں جواب دیتا: "میں انھیں کیوں زحمت دوں؟ میری اپنی ہی فوج اتنی بڑی ہے کہ مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے!"

اس طرح کچھ وقت اور گزر گیا اور حالات نازک سے نازک تر ہوتے چلے گئے!

مقنع اپنے حرمِ محترم میں بارگاہ اور بیویوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ پینے کے دوران

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ وہ اتنی پی کر بے ہوش نہ ہو جائے۔ اس عالم میں اسے خبر دی گئی کہ مسلمانوں کا قاصد دربار میں باریابی کا خواہشمند ہے۔ مقنع نے حکم دیا: "اُسے اسی وقت اور اسی جگہ حاضر کیا جائے۔"

عرب قاصد کو اسی وقت مقنع کے روبرو پہنچا دیا گیا۔ مقنع نے بے نیازی سے سوال کیا: "تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

عرب قاصد اس کے سوال پر مسکرا دیا۔ طنزیہ بولا: "اگر تو واقعی خدا ہے تو تیرا یہ سوال مضحکہ خیز ہے۔ تو خود بتا کہ میں تیرے پاس کیوں آیا ہوں؟"

مقنع نے ناخوشگوار لہجے میں کہا: "تم نادان لوگ باتوں میں قیمتی وقت خوب ضائع کرتے ہو۔"

تیز طرار قاصد نے جواب دیا: "وقت میں نہیں تم ضائع کر رہے ہو کیونکہ تم خود خدا ہونے کے باوجود میری آمد کا مقصد جاننے کے لئے باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔"

مقنع نے نرمی سے کہا: "تم قاصد ہو، تمہیں معاف کیا جاتا ہے ورنہ تمہاری تیز طرار زبان تمہاری زندگی کی دشمن ہے۔"

قاصد نے ترکی بہ ترکی کہا: "میں تیرے پاس جب آیا ہوں تو میں نے اپنے جینے کی خواہش باہر رکھ چھوڑ دی تھی۔"

مقنع نے سوال کیا: "تو کیا چاہتا ہے؟"

قاصد نے ہنستے ہوئے کہا: "امیر المومنین کا حکم ہے کہ تم نبوت اور الوہیت کے دعوے سے توبہ کر کے اللہ کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ان کی افواج تمہیں زبردستی پکڑ کے لے جائیں گی۔"

مقنع نے غصے میں چیخ کر کہا: "اسے اسی وقت قلعے سے دفع کر دو۔ ایک ضعیف انسان خدا کو مشورہ دے رہا ہے۔ اور اب ظلم کر گرفتاری کی دھمکی دے رہا ہے۔" پھر قاصد کو پیغام دیا: "تم لہٰذا واپس جا کے اپنے خلیفہ سے کہہ دو کہ وہ مجھ پر ایمان لے آئے ورنہ پھر اپنے عبرتناک انجام کے لئے تیار رہے!"

قاصد واپس چلا گیا اور مقنع نے اپنے پرستاروں کو حکم دیا: "ایک طویل اور عبرتناک جنگ کی تیاری کی جائے۔"

مقنع کا یہ حکم پورے کیش میں آناً فاناً پھیل گیا اور عربوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں......

جیسے جیسے عربوں کی طرف سے محاصرے میں سختی آتی جا رہی تھی، مقنع خوش ہو رہا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ ایک لشکر میں غدار موجود ہوگا اور وہ اسے رہائی دلانے کی کوششیں

ہو گا۔

عربوں نے کیش کے آس پاس اپنی آبادیاں قائم کر لی تھیں۔ اس طرح وہ مقنع اور اس کے پرستاروں کا کامیاب محاصرہ کرنا چاہتے تھے اور ان پر زندگی تنگ کر دینا چاہتے تھے۔ کیش کے قلعے میں تنگی و پریشانی کا دور شروع ہو گیا اور مقنع ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے اس نئی صورت حال کا اندازہ پہلے ہی نہ کیا تھا۔ اس کے جن پرستاروں کو کھانے پینے کا سامان نہیں مل رہا تھا وہ لوگ مقنع سے مناجات کے انداز میں یہ درخواست کر رہے تھے کہ خداوند! ہمیں عربوں کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑ دیا ہے اور وہ اپنی مخلوق کے لئے کیش کے اندر ہی اسباب زیست کیوں نہیں پیدا کر دیتا؟ اور ان کا خداوند انہیں جواب دیتا کہ بڑا افسوس اس نے نظام کائنات کو چلانے کے لئے جو اصول وضع کر دیئے ہیں ان میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

محاصرے کو دو سال گزر گئے۔ مہدی عباسی نے محاصرے کے سپہ سالار کو اس بنا پر واپس بلا لیا کہ وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس منصب پر سعید الحرشی نامی سپہ سالار کو بھیج دیا۔ سعید الحرشی نے آتے ہی سرگرمی دکھانی شروع کر دی۔ مقنع کے پرستاروں پر اب عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا اور نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔ مقنع نے اس نازک موقع پر اپنے بھائی قرزوم کو طلب کیا مگر قرزوم نہیں آیا۔ اس نے مشتعل ہو کے زہیر کو حکم دیا: "قرزوم سے کہو کہ کھلے میدان میں نکل کے جنگ لڑنے کی تیاری کرے۔"

زہیر نے رک رک کے جواب دیا: "افسوس کہ قرزوم اپنے تیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ عربوں کی پناہ میں چلا گیا اور اپنے ہتھیار ان کے حوالے کر کے خود کو ان کی حراست میں دے دیا۔"

مقنع کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ غصے میں بولا: "غدار، دغاباز!"

کچھ دیر ساکت رہنے کے بعد اس نے زہیر کو نیا حکم دیا: "میرے تیس ہزار زرہ پوش سرفروش جاں نثاروں کو حاضر کیا جائے جو جنون اور دیوانگی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ میں یہ جنگ ان کے ذریعے لڑوں گا۔"

زہیر نے ایک بار پھر گردن جھکا لی اور آہستہ سے جواب دیا: "یہ لوگ بھی عربوں کی پناہ میں چلے گئے۔"

مقنع چیخا: "کیا بکتے ہو؟ کیا ان سب نے اپنے خداوند کو تنہا چھوڑ دیا؟ کیا یہ سب منکر اور کافروں میں شامل ہو گئے؟"

زہیر نے آہستہ سے درخواست کی: "اب یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ خداوند اپنے فرشتوں کو طلب فرمائیں اور یہ جنگ ان کی مدد سے لڑی جائے۔"

مقنع نے جواب دیا: "بے شک تیرا خیال درست ہے۔ ہمیں خاکی اور نادان انسانوں

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ہم عربوں کو اپنے فرشتوں کی مدد سے ایسی شکست دیں گے کہ زمانہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔ یہ نافرمان اور غدار کبھی بھی میرے فرشتوں سے نہیں بچ سکیں گے۔"

مقنع نے زہیر کو حکم دیا: "وہ بھٹی جو کیمیائی تجربوں میں کام آتی رہی ہے اسے بہت زیادہ بھڑکا دی جائے۔"

زہیر نے اس پر پوری وفاداری اور مستعدی سے عمل کیا اور بھٹی کو بہت زیادہ بھڑکا دیا گیا۔

شراب کے مٹکے دور تک رکھے ہوئے تھے اور اس ہال میں مقنع تنہا بیٹھا تھا۔ بوڑھی اس پراسرار انسان کو ایک جگہ چھپ کے دیکھ رہی تھی۔ مقنع اس کی موجودگی سے بالکل لاعلم تھا۔ بوڑھی نے دیکھا، مقنع نے ٹوکری کے ایک صندوقچے سے بہت سا سفوف نکالا اور باری باری شراب کے مٹکوں میں گھولتا چلا گیا۔ بوڑھی کو احساس ہوا کہ یہ سفوف زہر ہے اور اسے شراب میں گھول دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مقنع نے تالی بجائی جس کے جواب میں زہیر اندر داخل ہوا۔ مقنع نے اسے حکم دیا: "جاؤ اور میری بیویوں کو مطلع کر دو کہ ان کا خداوند فرشتوں کی فوج لینے کے لئے ایک لمبے سفر پر روانہ ہو رہا ہے لیکن جانے سے پہلے وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھ کے شراب پی لے۔"

زہیر تابعداری سے گردن جھکا کے باہر چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری اولادیں اور ساری بیویاں اس ہال میں داخل ہو چکی تھیں۔ ان میں بوڑھی بھی موجود تھی۔ مقنع نے ان سب کے پیالوں میں شراب انڈیلی اور باری باری ہر ایک کو دیتا چلا گیا۔ جب ہر ایک کے ہاتھ میں جام آ گیا تو اس نے کھڑے ہو کے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔ اس نے کہا۔

"میری مخلوق کی حسین تخلیقو! تمہارے خدا نے آج تمہیں اس لئے زحمت دی ہے کہ تم اس کی حیات ابدی کا ایک ایک جام نوش کرو۔ نادان اور غداروں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب میں اس امر پر مجبور ہو گیا ہوں کہ آسمانوں کا سفر اختیار کروں اور وہاں سے فرشتوں کی فوج لے کے دوبارہ واپس آؤں اور اپنے مخالفین کو کچل کے فتح و کامرانی حاصل کروں۔" پھر پوچھا: "تم میں سے کون میرا ہمسفر بننا پسند کرے گا؟"

سب بیویوں نے اس کی ہمسفری پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور چند نے یہ کہا کہ وہ خداوند کا یہیں انتظار کریں گی۔

مقنع نے بوڑھی سے پوچھا: "تو کیا کہتی ہے؟"

بوڑھی نے جواب دیا: "میں خداوند کے استقبال کے لئے یہیں موجود رہوں گی۔"

مقنع نے پرغرور لہجے میں قہقہہ لگایا اور سب کو حکم دیا: "سب لوگ حیات جاوداں کی نوشی میں اپنے اپنے جام ہونٹوں سے لگا لو۔"

بوڑھی کے سوا سب ہی نے مقنع کی دی ہوئی شراب حلق کے نیچے اتار لی۔ لیکن بوڑھی نے وہ شراب پینے کے بجائے اپنے گریبان میں انڈیل لی اور اوندھے منہ اس طرح لیٹ گئی گویا نشے کی وجہ سے بیہوش ہے۔ بوڑھی نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام پینے والوں پر سکرات کا عالم طاری ہے۔ بوڑھی لرز گئی۔ اسے صاف پتہ چل چکا تھا کہ وہ سفوف جو شراب میں ملایا گیا تھا، زہر تھا۔ اس کے والدین بھی اس کے سامنے شراب پی رہے تھے لیکن اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ انہیں منع کر دیتی۔ وہ دونوں بھی شراب پی کر گر گئے۔ اور موت کی ہچکیاں لینے لگے۔

اب اس ہال میں مقنع اور زہیر کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ زہیر ابھی تک شراب کا پیالہ نہیں پی پایا تھا۔ مقنع نے زہیر سے پوچھا: "کیا یہ درست ہے کہ تو میرے دشمنوں سے مل جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

زہیر نے حیران ہو کے کہا: "نہیں خداوند! میں بے گناہ ہوں اور خداوند سے غداری کا اپنے دل میں خیال تک نہیں رکھتا۔"

مقنع نے کہا: "اگر ایسی بات ہے تو اپنی عبودیت اور وفاداری کے لئے سجدے میں گر جاؤ اور آنسوؤں سے اپنی ذات پر لگے ہوئے اس گھناؤنے الزام کو دھو ڈالو۔"

زہیر اسی وقت مقنع کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔ مقنع نے اپنی کمر سے لٹکی ہوئی تلوار نکالی اور پوری قوت سے اس کی گردن پر رسید کی۔ زہیر کا جسم کٹے ہوئے سر سے الگ ہو گیا اور بے سر کا لاشہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ بوڑھی کا دہشت سے برا حال تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں وہ بیویوں کی نبضیں ٹٹولتا ہوا اس کے پاس نہ آ جائے لیکن وہ نہیں آیا۔ پھر اس نے دیکھا، مقنع ادھر ادھر کچھ دیکھ رہا ہے۔ وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس ناقابل تسخیر قلعے میں اب دو جاندار تھے، ایک تو خود مقنع اور دوسری بوڑھی۔ لیکن مقنع کے خیال میں وہاں بس ایک ہی جاندار موجود تھا یعنی وہ خود۔ بوڑھی تو اس کے خیال میں مر چکی تھی۔ مقنع نے دونوں ہاتھ اپنی سنہری نقاب کی طرف بڑھائے اور اسے چہرے سے اتار دیا۔ اس کا مکروہ چہرہ دیکھ کے بوڑھی کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مقنع کا پورا چہرہ چیچک کے نشانات اور گڑھوں سے داغدار تھا اور اس کی ایک آنکھ میں بڑی سی پھلی نظر آ رہی تھی۔ اس نے سوچا تو یہ ہے وہ خداوند جو اپنے مکروہ چہرے کو چھپانے کے لئے ہر وقت سنہری نقاب چڑھائے رکھتا تھا۔

مقنع نے آخری بار در و دیوار پر حسرت سے نظر ڈالی اور گویا مرنے والی عورتوں کو مخاطب کیا۔

"بے وقوف عورتو! تم نے میرا حیات جاوداں کا جام پیا، نوش کیا اور خود اپنا رشتہ حیات منقطع کر دیا۔ اب میں سکون سے مروں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بیویاں عربوں کے ہاتھ لگیں۔ اگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری لاش عربوں کے ہاتھ لگے۔ میں اپنے پرستاروں کے خیال

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

میں آسمان پر جا رہا ہوں، جہاں میں اپنے فرشتگان کی فوج تیار کروں گا اور دنیا میں دوبارہ نازل ہوں گا اور اپنے فرشتوں کی مدد سے مخالفین کا خاتمہ کر دوں گا اور یہ ایک ایسا فتنہ ہوگا، جس سے انسان قیامت تک پیچھا نہ چھڑا سکے گا!" اس کے بعد مقنع نے ہال کی چھت کی طرف دیکھا اور خدا کو مخاطب کیا: "او خدا! تو نے مجھے بدشکل پیدا کیا اور اس کے بعد میری بدشکلی میں اس طرح مزید اضافہ کیا کہ چیچک نے میری شکل بہت زیادہ بھیانک کر دی۔ تو نے میری ایک آنکھ کی بصارت چھین لی اور اس میں مزید بدنمائی کے لیے پھلی پیدا کر دی۔ میں نے بھی تیرے اس عمل کا یہ بدلہ لیا ہے کہ قیامت تک کے لیے تیری خدائی میں شریک بن گیا ہوں۔ یہ ایک بھرپور اور خوفناک وار تھا جو ایک کمزور اور مجبور انسان اپنے خالق خدا پر کر سکتا تھا!"

اس کے بعد اس نے خون آلود تلوار پھینک دی اور آگ کی جہنم نما بھٹی کی طرف بڑھا۔ بزوقہ کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ مقنع نے بھٹی کے قریب پہنچ کے ادھر ادھر دیکھا اور خود بھٹی میں کود گیا۔ بھٹی کے آتشیں شعلے، بہت سارے ناگوں کی طرح سرخ سرخ زبانیں نکالے آگے بڑھے اور مقنع کو چیٹ کر گئے اور خدائی کا دعویدار مقنع خود اپنے ہی جہنم میں داخل ہو گیا...

عرب لشکر نے قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو قلعے کی واحد زندہ عورت بزوقہ نے ان کے سامنے قلعے کے دروازے کھول دینے کی یہ شرط رکھی کہ اسے مقنع کے خزانے سے دس ہزار طلائی سکے بطور انعام دیے جائیں اس طرح وہ اپنی بقیہ زندگی اور اس کے مستقبل کو محفوظ کرنا چاہتی تھی۔

عرب سپہ سالار نے یہ رقم دینے کا وعدہ کر لیا تو بزوقہ نے قلعے کے دروازے کھول دیئے عرب سردار سعید الحرشی کو بزوقہ بطور خاص اس محل میں لے گئی جہاں مقنع کی بیویاں مردہ پڑی تھیں اور اسے وہ بھٹی دکھائی جس نے مقنع کو ہضم کر لیا تھا۔ اس نے عرب سردار کو مرنے سے پہلے کے سارے واقعات بھی بتلائے اور یہ بھی بتایا کہ مقنع کتنا مکروہ صورت انسان تھا اور اس نے خدائی کا ڈھونگ کیوں رچایا تھا۔ اس نے عرب سردار کو وہ حجرہ بھی دکھایا، جہاں ایک بار مقنع نے خود کو بے نقاب کر کے اپنے پرستاروں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی تھی۔ یہاں کی دیواروں میں بہت سارے آئینے اس طرح پیوست تھے کہ دروازہ کھلتے ہی ان کا رخ سورج کی طرف ہو جاتا تھا۔ اور سورج بے شمار آئینوں سے منعکس ہو کے دیکھنے والوں کی نظروں میں خیرگی پیدا کر دیتا تھا۔ عرب سردار نے بزوقہ کو دس ہزار طلائی سکے ادا کر دیے اور اس سے پوچھا: "اور کیا چاہتی ہے؟"

بزوقہ نے کہا: "میں عرب لشکر میں ایک ایسے سپاہی کو تلاش کرنا چاہتی ہوں جس کا نام

لیث ہو؟"

تلاش و جستجو کے دوران اسے کئی لیث ملے لیکن بدقسمتی سے ان میں سے اس کا لیث نہیں نکلا۔ عرب سردار اس قدر اس باختہ عورت کی حرکات و سکنات سے اسے نیم پاگل سمجھنے لگا تھا بزوقہ کے چہرے پر مایوسی کے اثرات دیکھ کے عرب سردار نے پوچھا: "اب تم کیا چاہتی ہو؟"

بزوقہ نے مایوسی سے جواب دیا: "مجھے بحر خزر کے ساحل تک پہنچا دیا جائے کیونکہ وہ میرا وطن ہے اور میں اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنا چاہتی ہوں۔"

عرب سردار نے اس دکھی اور سوگوار عورت کو ایک فوجی دستے کی حفاظت میں اس کے وطن روانہ کر دیا۔ وہ اپنے وطن میں ایک اجنبی کی طرح داخل ہوئی۔ اب اس کے گھر پر کسی تاجر نے قبضہ جما رکھا تھا۔ ایک امید موہوم کے سہارے وہ قصبے سے ہوتی ہوئی قریبی ساحل کی سمت میں بحر خزر کے کنارے چلی گئی۔ وہاں ایک پہاڑی چٹان کے راستے میں سمندر کی سرکش اور جھاگ اڑاتی امواج کے سامنے ایک شخص نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے بہت سارے لکڑی کے ٹکڑے اس انتظار میں پڑے تھے کہ انہیں ساحل پر پھینک جانے والی سرکش سمندر کی امواج کب دوبارہ ساحل پر آئیں اور ان لکڑیوں کو دوبارہ سمندر میں واپس لے جائیں۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem